www.rahimia.org

مقالاتِ معیشت

قرآن و سنت کی تعلیمات اور ولی اللّٰہی تشریحات
کی روشنی میں مطالعۂ معاشیات

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
حفظہ اللہ تعالیٰ

www.rahimia.org

مقالاتِ معیشت

(قرآن و سنّت کی تعلیمات اور ولی اللّٰہی تشریحات کی روشنی میں مُطالعہ مُعاشیات)

- معاشیات کی اصطلاحات اور معاشی نظاموں کا جائزہ
- قرآنی اُصولِ معاشیات
- معاشی محنت کی اہمیت؛ چہل (۴۰) حدیث
- سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن
- دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و اہمیت
- امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ معیشت
- قرضوں کی معیشت اور اس کی تباہ کاریاں؛ اسلامی تناظر میں اس کا حل
- اسلام میں معاشرتی ترقی کے اُصول، اسلامی معاشی نظام اور روایتی بینکاری نظام کے نقصانات

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
حفظہ اللہ تعالیٰ

رحیمیہ مطبوعات
رحیمیہ ہاؤس، ۳۳/اے، کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح)، لاہور
00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org
info@rahimia.org /rahimiainstitute

www.rahimia.org

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب	ــ◈ــ	مقالاتِ معیشت
مقالات	ــ◈ــ	مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری حفظہ اللہ تعالیٰ
طبع اوّل	ــ◈ــ	اگست 2023ء
طبع دوم	ــ◈ــ	ستمبر 2023ء
ناشر	ــ◈ــ	رحیمیہ مطبوعات، لاہور
ISBN	ــ◈ــ	ISBN 978-627-7632-20-5

9 786277 632205

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، ۳۳/اے، کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح)، لاہور

00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org

info@rahimia.org /rahimiainstitute

www.rahimia.org

عرضِ ناشر

بہترین اور عمدہ کتابیں سوسائٹی کی تعمیر و ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ انسانی سماج میں ترقی کے بنیادی اساسی امور کیا ہیں؟ دینِ اسلام کی تعلیمات اس حوالے سے کیا رہنمائی کرتی ہیں؟ اس خطے کے عظیم مفکر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تعلیمات اور افکار اس سلسلے میں کیا رہنمائی کرتے ہیں؟ ان تمام سوالات کا شافی جواب شاہ صاحبؒ کی کتابوں سے ملتا ہے۔

الحَمدُ لِلّٰہ ! ہم ولی اللّٰہی علوم و افکار پر کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ اور اُن کے سلسلے کے علمائے ربانیّین نے علومِ قرآن، علومِ حدیث، علومِ فقہ، علومِ تصوف و احسان، علومِ عمرانیات، علومِ سیاست، علومِ معیشت اور علومِ فلسفہ پر بہت اہم اور بنیادی کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ دینِ اسلام کے جامع فکر و عمل کو سمجھنے کے لیے ان حضرات کی کتابوں اور علومِ ولی اللّٰہی سے استفادہ کرنا اس دور کا اہم تقاضا اور ضرورت ہے۔

اب تک ہم شاہ صاحبؒ کی درجِ ذیل کتب مع شروحات شائع کر چکے ہیں:

1۔ ”المقدّمة فی قوانین التّرجمة“ (فارسی)

2۔ ”مقدّمةُ فتح الرّحمٰن بترجمة القرآن“ (فارسی)

3۔ ”تاویلُ الأحادیث“ مع شرح: ”التّعلیق الأثیث“ (عربی)

4۔ ”اللّمحات“ مع شرح: ”النّفحات“ (عربی)

5۔ ”الخیرُ الکثیر“ مع شرح: ”الفیض الکبیر“ (عربی)

6۔ ”البُدورُ البازِغة“ مع شرح: ”النُّجوم السّاطعة“ (عربی)

7۔ ”فُیُوضُ الحَرَمَین“ مع شرح: ”کُنُوزُ البلَدَین الکریمَین“ (عربی)

www.rahimia.org

8۔ ''القَولُ الجَمِیل فی بیان سَواء السّبیل''

مع شرح:''العَون الجَلِیل فی شرح القَول الجَمِیل'' (عربی)

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی درجِ بالا کتب کے متعدد قلمی نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے اصل عربی متن کی تحقیق وتخریج حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے کی۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ کی دیگر کتابوں کے اقتباسات سامنے رکھتے ہوئے اُن کی شروحات لکھی ہیں۔

ان کے علاوہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار کی عصری اہمیت پر حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے ہونے والے لیکچرز کا مجموعہ ''خطباتِ ملتان'' کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔

اس دور میں دینِ اسلام کی معاشی تعلیمات کا فہم وشعور بہت اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس حوالے سے دینِ اسلام کے مکمل معاشی نظام کے بنیادی اُمور واضح کیے ہیں۔ اس حوالے سے قرآن وسنت کی تعلیمات اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مرتب کردہ معاشی افکار کی روشنی میں حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے چند مقالات' معیشت کے حوالے سے سپردِ قلم کیے تھے۔ ان میں بعض مقالات سہ ماہی مجلّہ ''شعور آگہی'' لاہور میں چھپ چکے ہیں اور اُن کے لکھے ہوئے بعض مقالات ابھی تک طبع نہیں ہوئے تھے۔

ہمارے احباب کا تقاضا تھا کہ ان تمام مقالات کو کتابی صورت میں بھی شائع کر دیا جائے، اس لیے یہ مجموعہ ''مقالاتِ معیشت'' کے عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس مجموعے میں اُن کے تحریر اور بیان کردہ آٹھ مقالات پیش کیے جا رہے ہیں۔ اس مجموعے کے شروع میں حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی سعیدالرحمٰن مدظلہٗ العالی نے ''حرفِ اوّل'' تحریر فرمایا ہے۔ اس مجموعے کے شروع میں حضرت مفتی آزاد مدظلہٗ نے ایک ''تقدیم'' لکھی ہے، جس میں ان مقالات کا تعارف اور پس منظر بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان مقالات سے صحیح طور پر مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین!) ناظم رحیمیہ مطبوعات لاہور

www.rahimia.org

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
3	عرضِ ناشر	1
21	حرفِ اوّل ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن (سابق صدر شعبہ علومِ اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان)	2
29	تقدیم مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری	3
	مقالہ: 1	
	معاشیات کی اصطلاحات اور معاشی نظاموں کا جائزہ **41 - 142**	4
43	معاشیات کی اہمیت قرآن حکیم کی نظر میں	5
47	معاشیات کی اہمیت احادیثِ نبویؐہ کی نظر میں	6
49	(1) معاشیات کے ابتدائی امور	7
49	1.1۔ معاشیات اور اقتصادیات کا لغوی مفہوم	8
50	1.2۔معاشیات؛ ایک اجتماعی علم	9
50	1.3۔معاشیات کا دائرۂ کار	10
50	1.4۔معاشیات کا نفسِ مضمون	11
51	1.5۔معاشیات کی تعریف	12
52	1.6۔معاشیات کا موضوع	13
53	1.7۔معاشیات کی غرض و غایت اور مقصد	14
54	(2) جدید معاشیات کی چند بنیادی اصطلاحات	15
54	2.1۔حاجات (Wants)	16

www.rahimia.org

17	2.2۔ اشیا و خدمات (Goods and Services)	55
18	2.3۔ معاشی اشیا کی اقسام	57
19	2.4۔ دولت (Wealth) / سرمایہ (Capital)	58
20	2.5۔ افادہ (Utility)	58
21	2.6۔ قانون تقلیل افادہ (Law of Diminishing Utility)	60
22	2.7۔ پیدائشِ دولت (Production of Wealth)	63
23	2.8۔ عاملینِ پیدائشِ دولت (Factor of Production)	63
24	i۔ زمین (Land)	63
25	ii۔ محنت (Labour)	64
26	محنت کی معاشی اہمیت	65
27	iii۔ سرمایہ (Capital) / دولت (Wealth)	65
28	دولت	66
29	iv۔ تنظیم (Orgnizaition)	66
30	2.9۔ تقسیم دولت (Distribution of Wealth)	67
31	2.10۔ تبادلۂ دولت (Exchange of Wealth)	68
32	2.11۔ زر (Money)	68
33	2.12۔ منڈی (Market)	69
34	2.13۔ قدر (Value)	69
35	2.14۔ قیمت (Price)	69
36	2.15۔ طلب (Demand)	70
37	2.16۔ قانونِ طلب (Law of Demand)	70
38	2.17۔ رسد (Supply)	70
39	2.18۔ قانونِ رسد (Law of Supply)	70
40	2.19۔ بینک (Bank)	71
41	2.20۔ صَرفِ دولت (Consumption of Wealth)	71

www.rahimia.org

42	(3) اسلامی معاشیات کی چند بنیادی اصطلاحات	73
43	3.1۔ اصطلاحات علم معاشیات	74
44	3.2۔ اصطلاحات پیدائشِ دولت	77
45	3.3۔ اصطلاحات تقسیم دولت	81
46	3.4۔ اصطلاحات تبادلۂ دولت	82
47	3.5۔ اصطلاحات صَرفِ دولت	87
48	3.6۔ اصطلاحات تعاونِ باہمی	90
49	3.7۔ متفرق اصطلاحات	96
50	3.8۔ اوزان	98
51	(4) معاشیات کے بنیادی شعبے	102
52	4.1۔ زراعت (Agriculture)	102
53	4.2۔ صنعت وحرفت (Industry and Handicraft)	102
54	4.3۔ تجارت (Trade)	103
55	(5) معاشیات کے اہم ادوار	104
56	5.1۔ قدرتی وسائل کے استعمال کا دور	104
57	5.2۔ زرعی دور	104
58	5.3۔ تجارتی دور	105
59	5.4۔ صنعتی دور	106
60	5.5۔ ڈیجیٹل دور	107
61	(6) نظام ہائے معیشت	109
62	6.1۔ فیوڈل اِزم (Feudalism)	109
63	6.2۔ مرکنٹائل اِزم (Mercantilism)	110
64	6.3۔ کیپٹل اِزم (Capitalism)	111
65	6.4۔ سوشلزم/کمیونزم (Communism / Socialism)	111
66	6.5۔ اسلام کا اقتصادی نظام (Islamic Economic System)	112

www.rahimia.org

67	**یورپین معاشروں کے معاشی افکار ونظریات کا ارتقائی جائزہ**	113
68	(1) فیوڈل اِزم (Feudalism)	115
69	فیوڈل اِزم کا تاریخی پس منظر	115
70	فیوڈل اِزم کی تباہ کاریاں	118
71	فیوڈل اِزم کے بنیادی تصورات	119
72	فیوڈل اِزم میں مذہب کا کردار	120
73	(2) مرکنٹائل اِزم (Mercantilism)	121
74	مرکنٹائل اِزم کے بنیادی اصول	122
75	مرکنٹائل اِزم کا ظالمانہ تسلط	123
76	(3) کیپٹل اِزم (Capitalism)	124
77	کیپٹل اِزم کا تاریخی پسِ منظر	125
78	سرمایہ داری نظام کے اصول ونظریات	126
79	1۔ عاملین پیدائش وتقسیم دولت کی بحث اور ''سرمایہ'' کی بنیادی حیثیت	126
80	عاملینِ پیدائش دولت کا تحلیل وتجزیہ	127
81	2۔ لامحدود انفرادی ملکیت	129
82	3۔ آزاد مسابقت (Free Competition)	130
83	4۔ طلب اور رَسد کی بنیاد پر قیمتوں کا تعین	131
84	سٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) کا کھیل	132
85	اس اصول کی وجہ سے ''تجارتی چکر'' (Trade Cycle) کی تباہ کاریاں	132
86	(4) سوشلزم (Socialism)	135
87	سوشلزم کا تاریخی پس منظر	135
88	سوشلزم کے بنیادی اصول ونظریات	137
89	1۔ ''محنت'' ہی اصل عامل پیدائش دولت ہے	138
90	2۔ انفرادی ملکیت کا خاتمہ اور اجتماعی ملکیت کا اثبات	139
91	3۔ منصوبہ بند معیشت	140

www.rahimia.org

مقالہ: 2

92 قرآنی اُصولِ معاشیات

143 - 194

93	صالح معاشی نظام کی ضرورت اوراہمیت	145
94	صالح معاشی نظام کے بنیادی اُصول	145
95	اسلام کے معاشی نظام کے فوائد وثمرات	146
96	معاشی نظام کا اصل منشا اور مقصد	147
97	معاشی مُحرِّکات کی دوممکنہ ذہنی صورتیں	147
98	1۔زیادہ سے زیادہ ذاتی نفع کمانے کا مُحرِّک	147
99	2۔ضروریاتِ زندگی اور رفعِ حاجات کا مُحرِّک	148
100	اسلامی معاشی نظام کا منشا و مُحرِّک	148
101	مذکورہ مباحث کا خلاصہ	149
102	قرآن حکیم کے بیان کردہ اصولِ معاشیات	150
103	پہلا اُصول: حقِ معیشت میں مساوات	151
104	قرآن حکیم کے دلائل سے اس اصول کا ثبوت	151
105	حقِ معیشت میں برابری	152
106	حقِ معیشت کی مساوات پر مفسرین کی آرا	153
107	1۔تفسیر ''روح المعانی'' از علامہ آلوسیؒ	153
108	2۔تفسیر ''کشّاف'' از علامہ زمخشریؒ	154
109	3۔تفسیر ''البحر المحیط'' از علامہ اندلسیؒ	155
110	4۔تفسیر ''فتح القدیر'' از علامہ شوکانیؒ	155
111	5۔آیت کی تفسیر از حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ	156
112	احادیثِ نبویہؐ سے اس اُصول کا ثبوت	158
113	ان احادیث کی روشنی میں محدث ابنِ حزمؒ کی رائے	161

www.rahimia.org

114	غربت و اِمارت سے متعلق شبہات کا جواب	161
115	1۔ پہلا شبہ؛ مساواتِ معیشت منشائے الٰہی کے خلاف ہے	162
116	2۔ دوسرا شبہ؛ مساواتِ معیشت کا نظریہ اِشتراکیت سے مرعوبیت ہے	162
117	یہ دونوں شبہات، وَساوِس اور اَوہامِ فاسدہ ہیں	162
118	عالمِ تکوین اور عالمِ تشریع کا فرق	163
119	اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام	163
120	انسانیت کے لیے تشریعی نظام	164
121	مذکورہ بالا آیات واحادیث کا صحیح مطلب	164
122	''حقِ معیشت کی مساوات'' کا اُصول منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے	165
123	حقِ معیشت میں مساوات کا اُصول اور خلفائے راشدینؓ	166
124	دوسرا اُصول: درجاتِ معیشت میں فطری تفاوت (Natural Diversity in Economic Gradation)	170
125	قرآن حکیم سے اس اُصول کا ثبوت	170
126	تفاوتِ درجات کا درست مفہوم	172
127	تیسرا اُصول: اِحتکار و اِکتناز کی حرمت (Prohibition of Monopoly & Hoarding)	175
128	قرآن حکیم سے اس اُصول کا ثبوت	175
129	احتکار و اکتناز کی حقیقت؛ جمہور علما کا مؤقف	178
130	احتکار و اکتناز کے بارے میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا مؤقف	178
131	اس اُصول سے تمام بدعنوانیوں کا سدِ باب ہوتا ہے	179
132	احتکار و اکتناز کی تعریف اور مراد	180
133	احتکار کی ممانعت؛ احادیثِ نبویہؐ کی روشنی میں	180
134	احتکار کی ممانعت؛ فقہا کی نظر میں	181
135	احتکار کی دوسری صورت؛ قِمار یا سَٹّہ	182

www.rahimia.org

136	چوتھا اُصول: سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن (A Fair Balance between Capital and Labour)	185
137	اسلام کا اقتصادی نظام؛ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی نظر میں	186
138	1۔محنت کی عظمت و اہمیت	186
139	2۔اجتماعی اور معاشی زندگی میں تعاونِ باہمی کی اہمیت	187
140	3۔معیشت کے حصول کے بنیادی اسباب؛ زراعت، تجارت اور صنعت	188
141	4۔بغیر تعاونِ باہمی کے کسی ملک وقوم کی حالت درست نہیں ہوسکتی	189
142	مجبور محنت کش کی رضا مندی، حقیقی رضا مندی نہیں ہے	190
143	ولی اللّٰہی معاشی تعلیمات کے بنیادی نکات	190
144	1۔حقِ معیشت میں برابری	191
145	2۔معاشی تنگی پیدا کرنا ناجائز ہے	191
146	3۔تعاونِ باہمی ضروری ہے	191
147	4۔صحیح طریقوں پر تعاونِ باہمی جائز ہے	191
148	5۔صالح معاشی نظام خدا کا حکم ہے	191
149	6۔تعاونِ باہمی کے بغیر تمام معاملات ناجائز ہیں	192
150	7۔معاملات میں زبردستی کا تعاون اور رضامندی ناجائز ہے	192
151	8۔ایک مخصوص طبقے کی اجارہ داری ناجائز ہے	192
152	اسلام کے اقتصادی نظام کی جامعیت	193

مقالہ: 3

153 چہل (۴۰) حدیث کی روشنی میں معاشی محنت کی اہمیت وعظمت

195 - 230

154	مقدمہ	197
155	دینِ اسلام کا ایک اہم شعبہ؛ نظامِ معاشیات	197
156	انسانی حاجات وضروریات کا الٰہی نظام	198
157	قرآنی نقطۂ نظر سے محنت کی اہمیت	198

www.rahimia.org

158	احادیثِ نبوی ﷺ محفوظ رکھنے کی اہمیت	198
159	مجموعہ ہائے چہل (۴۰) حدیث کا تسلسل	199
160	دور کے مطابق چہل حدیث کی اہمیت	200
161	اس مجموعے کی ترتیب و تدوین کا موقع	201
162	چہل (۴۰) حدیث	
163	حدیث:1۔اپنے ہاتھ سے کمایا ہوا مال سب سے بہتر ہوتا ہے	202
164	حدیث:2۔ نبی اکرم ﷺ نے اہلِ مکہ کی بکریاں چَرائیں	202
165	حدیث:3۔حضورؐ نے حضرت خدیجہؓ کے لیے مزدوری کی	203
166	حدیث:4۔ نبی اکرم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے تھے	203
167	حدیث:5۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال مزدوری کی	204
168	حدیث:6۔حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے	205
169	حدیث:7۔حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے	205
170	حدیث:8۔انبیا علیہم السلام کے پیشے	206
171	حدیث:9۔یہود، عیسائیوں اور مسلمانوں کا اللہ کیلئے مزدوری کرنا؛ ایک تمثیل	208
172	حدیث:10۔صحابہ کرامؓ معاشی محنت کرتے تھے	210
173	حدیث:11۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا کاروبار خود کرتے تھے	210
174	حدیث:12۔کسی سے بھیک مانگنے کے بجائے محنت کرنا بہتر ہے	211
175	حدیث:13۔کسی ذاکر کی معاشی ضروریات کے لیے محنت کرنے والا اُس ذاکر سے بہتر ہے	212
176	حدیث:14۔بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کام کرنے والا مجاہد کی طرح ہے	213
177	حدیث:15۔بہترین پیشہ اپنے ہاتھ سے کمانا ہے	213
178	حدیث:16۔پاکیزہ رزق اپنی محنت کی کمائی ہے	213
179	حدیث:17۔کسبِ حلال کی تلاش فرض ہے	214
180	حدیث:18۔مزدور کی اُجرت اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرنا	214

www.rahimia.org

181	حدیث: 19۔ قیامت کے روز محنت کش کے حق کے لیے لڑنا	215
182	حدیث: 20۔ محنت کش کی اُجرت کی حفاظت اور اس کی خیر خواہی کا دُنیوی صلہ	216
183	حدیث: 21۔ اپنے ہاتھ سے محنت کرنا پاکیزہ رزق ہے	217
184	حدیث: 22۔ مانگنے کے بجائے محنت کر کے کمانے کی ترغیب	217
185	حدیث: 23۔ اپنی محنت سے کمائی سب سے پاکیزہ رزق ہے	220
186	حدیث: 24۔ صحیح نیت کے ساتھ کام کرنے والا محنت کش، اللہ کی راہ پر ہوتا ہے	220
187	حدیث: 25۔ محنت کش مؤمن اللہ کا محبوب ہے	221
188	حدیث: 26۔ محنت کش کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں	222
189	حدیث: 27۔ سب سے پاکیزہ رزق اپنی محنت کی کمائی ہے	222
190	حدیث: 28۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا محنت مزدوری کرنا	223
191	حدیث: 29۔ حضرت علیؓ کا ایک یہودی کی مزدوری کرنا	223
192	حدیث: 30۔ حضرت علیؓ کا پانی نکالنے کی مزدوری کرنا	224
193	حدیث: 31۔ ایک انصاری صحابیؓ کا مزدوری کرنا	224
194	حدیث: 32۔ مزدوری کر کے صدقہ کرنے والے کا ثواب	225
195	حدیث: 33۔ صحابیٔ رسولؓ کا لوہار کی حیثیت سے مزدوری کرنا	226
196	حدیث: 34۔ حضرت علیؓ کا اپنے ولیمے کے لیے مزدوری کرنا	227
197	حدیث: 35۔ ایک درزی کا اپنی مزدوری سے حضورؐ کے لیے کھانا تیار کرنا	227
198	حدیث: 36۔ حضورؐ کا حجامت کرنے والے کی مزدوری ادا کرنا	228
199	حدیث: 37۔ عورت کا مزدوری کرنا	228
200	حدیث: 38۔ کاشت کاروں کی عظمت	229
201	حدیث: 39۔ باغ لگانے اور کاشت کاری کرنے کی فضیلت	230
202	حدیث: 40۔ سب سے زیادہ حلال پیشہ مزدوری ہے	230

www.rahimia.org

مقالہ: 4

203 سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن

231 - 246

204 سرمایہ اور محنت سے متعلق بحث کی نوعیت 233
205 اس بحث کا پیدائشِ دولت سے تعلق 234
206 پیدائشِ دولت کے مبینہ عوامل 234
207 1۔ زمین (Land) کی تعریف 234
208 2۔ سرمایہ (Capital) 235
209 3۔ محنت (Labour) 235
210 4۔ تنظیم (Organization) 235
211 ''سرمایہ'' اور ''محنت''؛ اصل عاملینِ پیدائشِ دولت 235
212 سرمایہ کے استحصالی کردار کا جائزہ 236
213 سرمایہ کی استحصالی قوت کا ایک اَور پہلو 237
214 ''سرمایہ'' کی اصل حقیقت اور اس کا تعاونی کردار 239
215 سرمایہ کے استحصالی کردار کا تجزیہ 239
216 ''سرمایہ'' کی تعاونی اہمیت 240
217 محنت؛ حقیقی اور اصل عاملِ پیدائشِ دولت 241
218 تعاونِ باہمی کا اُصول 242
219 عاملینِ پیدائشِ دولت؛ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر 243
220 شاہ صاحبؒ کی نظر میں محنت کی عظمت 245
221 حاصلِ کلام 246

مقالہ: 5

222 دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و اہمیت

247 - 272

223 معاشیات اور محنت کی قدر و اہمیت 249

www.rahimia.org

224 ”محنت“ معاشیات کی اصطلاح میں 250
225 معاشی محنت کی اہمیت؛ اللہ تعالیٰ کی نظر میں 251
226 سود کی حرمت کا اصل سبب؛ محنت کا نہ ہونا 252
227 معاشی محنت اور حضور ﷺ کے ارشادات 254
228 معاشی محنت اور صحابہ کرامؓ کا عمل 258
229 حضرت ابوبکر صدیقؓ بہ حیثیت محنت کش 259
230 محنت کش دین کی نظر میں 260
231 حضورؐ کی تشکیل کردہ سوسائٹی میں محنت کی قدر و منزلت 262
232 معاشی محنت؛ فقہا اور علما کی نظر میں 263
233 محنت پسند علما اور فقہا کے اسمائے گرامی 264
234 معاشی محنت دین و عقل کی نظر میں 266
235 معاشی محنت؛ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر 268
236 خلاصۂ کلام 269
237 محنت کی بنیاد پر نظام کا خاکہ 270
238 امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اقتصادی اُصول 270

مقالہ: 6

239 **امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریۂ معیشت**

273 - 338

240 موضوع کی اہمیت پر تمہیدی کلمات 276
241 خطبہ مسنونہ اور لیکچر 281
242 معاشیات کی اہمیت 281
243 اہلِ دین کی ذمہ داری 282
244 مسلم برصغیر کا معاشی نظام 283
245 اسلام کا اپنا ایک مستقل معاشی نظام 285

www.rahimia.org

246	امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دینی معاشی فکر میں تجدیدی حیثیت	285
247	علمِ معیشت کی حقیقت	287
248	علمِ معیشت کا دائرۂ کار	287
249	ایڈم سمتھ مکتبِ فکر کی نظر میں معیشت	289
250	سوشلزم کے بانی مارکس کا نقطۂ نظر	290
251	شاہ صاحبؒ کے نقطۂ نظر سے علم معاشیات کی تعریف	291
252	1۔ احتیاجات کے تعین اور وسائل معاش کے حصول کے تین معیارات	292
253	2۔ دور کے تجرباتی علوم اور دریافت شدہ ٹیکنالوجیز کو پیش نظر رکھنا	293
254	3۔ اجتماعی مفادِ عامہ کو پیش نظر رکھنا	294
255	شاہ صاحب کے نقطۂ نظر کی جامعیت	296
256	سرمایہ داری نظام کے فکر و فلسفے کا تجزیہ	297
257	عاملینِ پیدائش کی بحث	299
258	پیدائش اور تقسیمِ دولت میں استحصالی نوعیت	300
259	تبادلۂ دولت میں استحصالی نوعیت	301
260	صرفِ دولت میں اختیار کی جانے والی خرابیاں	302
261	کمیونزم کی فلاسفی کا تحلیل و تجزیہ	302
262	ہیگل کا نظریۂ جدلیت	303
263	شاہ صاحبؒ کی نظر میں وحدتِ انسانیت	305
264	پیدائشِ دولت میں شرکت کی اہمیت	307
265	انسان مدنی الطبع ہے	308
266	پیدائشِ دولت کی حقیقت	310
267	تبادلۂ دولت کا اصول	311
268	تقسیمِ دولت کی حکمتِ عملی	312
269	صَرفِ دولت کا اصول	313
270	فاسد معاشی نظام اور اُس کی خرابیوں کی نوعیت	314

www.rahimia.org

271	طبقاتی معاشی نظام کی خرابیاں شاہ صاحبؒ کی نظر میں	316
272	اس معاشی بدحالی کا ایک بنیادی حل	317
273	فاسد معاشی نظام کا علاج	318
274	دین کے معاشی نظام کو علمی طور پر سمجھنے کی ضرورت و اہمیت	319
275	سوالات و جوابات:	321
276	1۔ معاشی بحران کا سبب	321
277	2۔ ہیگل اور شاہ صاحبؒ کے نظریۂ ''روح الکل'' میں فرق	322
278	3۔ اسلامی بینکاری کی حقیقت	223
279	4۔ CPEC کی معاشی حقیقت	325
280	5۔ انسانیت میں اصل 'وحدت' ہے، نہ کہ 'جدلیت'	328
281	6۔ حضرت سندھیؒ پر اشتراکی پروپیگنڈے کے الزام کی حقیقت	329
282	7۔ اسلامی معیشت کی اصل بنیاد؛ انسانی محنت	334
283	صدارتی کلمات	335

مقالہ: 7

284 قرضوں کی معیشت اور اس کی تباہ کاریاں؛

اسلامی تناظر میں اس کا حل

339 - 380

285	ابتدائی کلمات از ناظم اجلاس	341
286	خطاب کا متن	342
287	خطبہ مسنونہ	342
288	کلماتِ تشکر اور مکالمے کی اہمیت	343
289	تعلیمی اداروں کا مقصد؛ علم و شعور کی آبیاری	343
290	موضوع کی اہمیت	343
291	قرآن حکیم؛ انسانیت کی رہنمائی کی آخری کتاب	344

www.rahimia.org

292	موضوعِ بحث ؛ انسانی معاشی معاملات	345
293	موضوع کا تعلق ؛ تبادلۂ دولت سے	345
294	آسان خرید وفروخت کے لیے زر کی تخلیق	346
295	زر کی تخلیق صرف آلۂ مبادلہ کے طور پر ہوئی ہے	346
296	تبادلۂ اَشیا کی تین قسمیں	347
297	1۔تجارت کی اصل حقیقت ؛ تبادلۂ ملکیتِ اَشیا و اجناس	347
298	2۔عقدِ اجارہ ؛ باقی رہنے والی اشیا و اَجناس کا تبادلہ	348
299	3۔عقدِ قرض کی حقیقت اور نوعیت	348
300	'تجارت' اور 'قرض' میں فرق	348
301	1۔تجارت کے بارے میں بنیادی قرآنی اُصول	349
302	2۔اجارہ کے بارے میں قرآنی اُصول	350
303	3۔عقدِ قرض	351
304	قرض پر سود لینے کی حرمت پر قرآنی دلائل	352
305	اصل زر سونا اور چاندی ہے	353
306	زر کو سود وصول کرنے کے لیے قرض کے طور پر نہیں دیا جا سکتا	354
37	تجارتی نظریۂ زر کی تباہ کاریاں	354
308	سرمایہ دارانہ دور میں زر کو کیپٹل کا حصہ بنایا گیا	356
309	نبی اکرم ﷺ نے زر کے اس ظالمانہ کردار کی نفی کی	356
310	آپؐ کا مقصد دنیا کی ایک واحد کرنسی قائم کرنا تھا	358
311	قرض کو بزنس کی بنیاد بنانا بحران کا سبب ہے	359
312	زرِ حقیقی کے بجائے زرِ اعتباری (کاغذی کرنسی) کے نقصانات	359
313	ارتکازِ دولت کا سبب ؛ قرضوں کا کاروبار	360
314	دنیا بھر کی ریاستوں کو قرضوں کی معیشت میں جکڑا گیا	361
315	قرضوں کی معیشت نے پاکستان کا گھیراؤ کیا	361
316	قرضوں کی معیشت کے سائے میں اسلامی بینکاری کے تصورات	362

www.rahimia.org

317 قرضوں کی معیشت کا چکر؛ سرمایہ داری نظام 363

318 سرمایہ داری نظام کے تضادات 363

319 دین کی اَساس پر معاشی معاملات سمجھنے کی اہمیت 364

320 سوالات و جوابات 364

321 1۔قرضوں کی معیشت کے انفرادی پہلو پر رہنمائی کریں! 365

322 2۔قرضِ حسنہ میں رقومات کی ڈی ویلیوایشن کا کیا حل ہے؟ 367

323 3۔ڈی ویلیوایشن سے ہونے والے نقصان کی وصولی درست ہے؟ 371

324 4۔سونے کی قیمت کی اَساس پر قرض کی واپسی؟ 371

325 5۔قرضِ حسنہ کی وصولی کیسے ہوگی؟ 372

326 6۔دیگر مسلم ممالک میں قرضوں کی معیشت کا نظام کیوں؟ 373

327 7۔اسلامک فائنانس کے ملائشین ماڈل کی نوعیت؟ 376

328 8۔رقومات کے ڈی ویلیوایشن کے زمانے میں کیا کریں؟ 377

329 9۔اچھی نیت سے انٹرسٹ لینا کیسا ہے؟ 379

330 نشست کا اختتام 379

331 صدارتی کلمات 380

مقالہ:8

332 اسلام میں معاشرتی ترقی کے اُصول، اسلامی معاشی نظام اور روایتی بینکاری نظام کے نقصانات

381 - 412

333 خطبہ مسنونہ 384

334 ہمارے لیکچر میں تین بنیادی پہلو پیشِ نظر ہیں: 385

335 (1) انسانی معاشرے کی ترقی کے چار قرآنی اُصول 386

336 (2) اسلام کے معاشی سسٹم کی اَساسیات 388

337 تبادلۂ اَشیا کا بارٹر سسٹم 390

www.rahimia.org

338	زر کی تخلیق کے مختلف مراحل	391
339	''آلۂ مبادلہ'' یعنی ''زر'' کے غلط استعمال کی نوعیت	391
340	بیع، اجارہ اور قرض میں بنیادی فرق	392
341	1۔ معاملۂ بیع	392
342	2۔ معاملۂ اِجارہ	392
343	3۔ معاملۂ قرض	393
344	سودخوری کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی تشریح	394
345	سونے چاندی کی اَساس پر عالمی نظامِ زر کی اہمیت	396
346	قرض؛ انسانی معاشرے میں تعاونِ باہمی کی ایک صورت	397
347	(3) روایتی بینکاری نظام کا پس منظر اور نقصانات	398
348	تجارتی نظریۂ زر کا استحصالی کردار	399
349	ایسٹ انڈیا کمپنی کا استحصالی کردار	400
350	بینک آف انگلینڈ کا قیام	401
351	قرضوں کے تحفظ کا عالمی نظام؛ ورلڈ بینک، آئی ایم ایف وغیرہ	403
352	کاغذکی کرنسی کا اِجرا	404
353	قرضوں کی معیشت کا ظالمانہ عالمی نظام اور اسلام کا نقطۂ نظر	405
354	ہر ملک کو قرضوں کی معیشت میں جکڑ لیا گیا	406
355	روایتی بینکاری کی اَساسیات	407
356	اسلامی بینکاری کی اصل حقیقت اور نوعیت	408
357	''اسلامی بینکنگ'' کے قیام کا پسِ منظر	410
358	اسلام کے معاشی نظام کے ساتھ مذاق نہ کریں!	411
359	دنیا بھر کو حقیقی اسلامی معاشی نظام کی اشد ضرورت ہے	412
360	حوالہ جات وحواشی	413

☆

www.rahimia.org

حرفِ اوّل

از

ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

دورِ حاضر میں دنیا جس گمبھیر معاشی بحران میں مبتلا ہے، اس سے کسی باشعور شخص کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ متمدن کہلانے والی اقوام کی قیادتوں نے اپنی سوچ کی بنیاد پر مختلف معاشی نظامِ فکر نہ صرف وضع کیے ہیں، بلکہ ان پر ملکی نظاموں کو استوار بھی کیا، لیکن ابھی تک ان میں سے کوئی ایسا نظام سامنے نہیں آسکا، جسے انسانیت کی مکمل فلاح و بہبود کا ضامن قرار دیا جاسکے۔ سرمایہ داری نظام اپنی خون خوار پالیسیوں کے باوصف رُو بہ زوال اور پسپائی سے دوچار نظر آتا ہے۔ وہ اپنے بنیادی اُصولوں میں ترمیم و تنسیخ کے ساتھ ساتھ دھونس، لوٹ کھسوٹ، مکر و فریب اور جنگ و جبر کے ذرائع بروئے کار لاکر اپنے آپ کو بچانے کی آخری جدوجہد میں ہے۔ اسی طرح اشتراکی نظام بھی ہلچل سے دوچار ہوا۔ اس کے کئی ایک اَساسی نظریات کی عمارتیں زمین بوس ہوئیں اور اُن کی جگہ نئے نظریات اور مختلف حکمتِ عملیوں کی آبیاری ہورہی ہے۔

اس پسِ منظر میں اگر دینِ اسلام کی تعلیمات و تعاملات کا بہ نظرِ انصاف جائزہ لیا جائے تو دینِ اسلام ایک جامع و مکمل رہنمائے حیات کی حیثیت سے سامنے آتا ہے، جس نے کمال توازن کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں میں انسانی ترقی کے عملی تقاضوں کو اَبدی

www.rahimia.org

اُصولوں کی روشنی میں زیرِ بحث لاکر ان کو انسان دوست بنایا ہے۔ اس پر دینِ اسلام کی تقریباً ایک ہزار سالہ دور کی تاریخی عملیّت گواہ ہے۔ دورِ زوال میں جہاں مسلم نظامِ حکومت تہہ و بالا ہوا، وہیں راست دینی فکر پر مختلف اَطراف سے یلغار کی گئی۔ جس کا مقصد دینِ اسلام کو انسانی سماج کے ارتقا میں رہنمائی کے عمل سے علاحدہ کر کے اس کو ماضی کی داستان بنانا ٹھہرا۔ چناں چہ اسی مقصد کے لیے انسان دوست سماج کی تعمیر و تشکیل سے عاری انفرادی اصلاح کے تصور کی ترویج، حصولِ اقتدار کے لیے دینی تعلیمات سے کھلواڑ اور روحِ عصر سے بے گانہ مذہبی جذبات کو تشدد آمیز بنانے جیسے کئی حربے اختیار کیے جاتے رہے ہیں۔ اسی تسلسل میں معاشیات کے موضوع کو ''دُنیا داری'' قرار دے کر اس کو دینی رہنمائی کے دائرے سے خارج کرنے کی ایک انتہا نے فروغ پایا تو دوسری انتہا دین کی اقتصادی تعلیمات کو مسخ کر کے معاشرے کے بالادست طبقات کے محافظ کے طور پر متعارف کروانے کی صورت میں نمایاں ہوئی۔ جب کہ انتہا پسند افکار کے مقابلے پر اعتدال کی فکر ہی دینِ حنیف کی حقیقی پہچان ہے، جس کو ہر دور میں باشعور اور مخلص صاحبِ علم و فکر اجتماعیّتوں نے اپنی محنتوں اور قربانیوں سے تابانی بخشی۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور نے علمائے حق کے اسی شان دار تاریخی تسلسل سے وابستگی کے نتیجے میں دینِ اسلام کے رُخِ روشن سے آگہی اور اس سے متعلق علم و شعور کے فروغ کو اپنا مشن بنایا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی زیرِ نظر کتاب ہے، جس کے تمام مقالات' دینِ اسلام کے متوازن عادلانہ معاشی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہیں اور عصرِ رواں میں اس کی معنویت اور اہمیت اُجاگر کرتے ہیں۔

اس کتاب کے پہلے مقالے کا عنوان ''معاشیات کی اصطلاحات اور معاشی نظاموں کا جائزہ'' ہے، جس میں حضرت مولانا مفتی عبد الخالق آزاد رائے پوری (ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور) نے معاشیات کی فی زمانہ غیر معمولی اہمیت کے سبب عصری اور مذہبی تعلیمی پسِ منظر رکھنے والے حلقوں کے لیے ابتدائی مآخذ کی روشنی میں مروّجہ معاشیات

www.rahimia.org

کی ضروری اصطلاحات کی عام فہم اور بامعنی وضاحت کو موضوعِ تحریر بنایا ہے۔ نیز اس کے ساتھ معاشیات سے متعلق اسلامی شریعت کی اصطلاحات کو بھی واضح کیا ہے، تا کہ علمِ معیشت سے دلچسپی رکھنے والے قاری اس مضمون کا براہِ راست بہتر طور پر فہم حاصل کر سکیں۔ اسی کے ساتھ انھوں نے معاشیات کا دائرۂ کار بیان کرتے ہوئے معاشیات کے اہم ادوار کے ساتھ مغربی معاشرے میں معاشی افکار و نظریات کے ارتقا کے ضمن میں فیوڈلزم، مرکنٹائل اِزم، کیپٹل اِزم اور سوشلزم کے بنیادی اُصولوں کا تعارُف پیش کیا ہے۔

اُمید ہے اس مقالے کے ذریعے قارئین کو معاشی مباحث کو صحیح تناظر میں سمجھنے اور درست نقطۂ نظر کے تعین میں بنیادی معلومات کے حوالے سے تسلی بخش رہنمائی حاصل ہوگی۔ ہماری تجویز ہوگی کہ اس مقالے کو علومِ اسلامیہ کے سرکاری و نجی اداروں بہ شمول مدارسِ دینیہ کے مختلف درجات کے نصابات میں خاص طور پر شامل کیا جائے، تا کہ طلبا کو اس مضمون کا ادراک حاصل ہو۔

پیشِ نظر کتاب کا دوسرا مقالہ ''قرآنی اُصولِ معاشیات'' کے عنوان سے ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قرآن حکیم ایسی لازوال کتاب کے الفاظ چودہ صدیوں سے زائد عرصے سے بہ دستور اپنی تازگی اور شان و شوکت قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اس سے اس امر کا بہ خوبی ادراک کیا جاسکتا ہے کہ اس کے معانی و مفاہیم اور مقاصد کس قدر اپنے اندر استقلال رکھتے ہوں گے کہ 'لباس' کے مقابلے میں 'وجود' اور 'جسم' کے مقابلے میں 'روح' کی پائیدار حیثیت مُسلَّم ہے۔ اسی کتابِ مبین نے دیگر شعبہ ہائے حیات کی طرح معاشیات میں بھی لازوال اُصولِ ہدایت متعین کیے ہیں، جن پر عصرِ حاضر میں حدیثِ نبوی ﷺ اور ماہرینِ فقہ کی آرا کی روشنی میں ایک انقلابی اور عوامی فلاح و بہبود پر مبنی پائیدار نظام قائم کیا جاسکتا ہے۔

برِعظیم ہند (بھارت، پاک و بنگلادیش) کے صاحبِ فکر، جدوجہدِ آزادی کے انتھک رہنما اور جمعیت علمائے ہند کے ناظمِ اعلیٰ حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ (تلمیذِ رشید حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ و خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ و

www.rahimia.org

فیض یافتہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ) نے قرآن حکیم کی روشنی میں اُصولِ معاشیات متعین کرکے عصرِ حاضر میں اسلامی معیشت کے منہج کو اپنی کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' میں مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ کتاب اُردو زبان میں اسلامی اقتصادیات کی اَساسی کتاب شمار ہوتی ہے، جس نے اس موضوع پر لکھی جانے والی تمام اُردو کتب پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، حتیٰ کہ ناقدین نے بھی اس کتاب کی خوشہ چینی کی ہے۔ تاہم بعض عناصر اپنے معاشی یا سیاسی مفادات یا مجبوریوں کے سبب اسلام کی معاشی تعلیمات کے اس ترقی پرور نقطۂ نظر کو دُھندلانے کی کوششیں بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ زیرِ نظر مقالے کے مطالعے سے علمِ معاشیات کے بنیادی قرآنی اُصول سمجھنے میں اَساسی رہنمائی ملتی ہے۔ ان اُصولوں کی روشنی میں اسلام کے اقتصادی اور معاشی نظام کا ایک مکمل خاکہ مرتب کیا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا آزاد رائے پوری نے اس مضمون کو عناوین، حواشی و اضافہ جات اور حوالہ جات کی جدید تخریج سے آراستہ کرکے قارئین کے لیے زیادہ مفید بنایا ہے، تاکہ نوجوان نسل نہ صرف دینی شعور سے بہرہ ور ہو، بلکہ علمائے حق کے گراں قدر انقلابی خیالات سے بھی بہتر طور پر مستفید ہو۔

کتاب کے تیسرے مقالے میں معاشی محنت سے متعلق چالیس احادیثِ نبویہ کا انتخاب اور اُن کی مختصر وضاحت درج کی گئی ہے۔ تاریخِ اسلام کی یہ علمی روایت رہی ہے کہ انسانی زندگی کے کسی شعبے سے متعلق موضوع پر چالیس احادیث کا انتخاب یک جا کر کے ان کا مجموعہ مرتب کیا جائے، تاکہ چالیس روزہ نصابِ تعلیم و تربیت کے دوران اس سے نظریاتی و عملی رہنمائی حاصل کی جاسکے اور حدیثِ نبویؐ میں دی گئی بشارت سے بھی استفادہ کیا جاسکے۔ احادیث کے ایسے مجموعے کو ''اربعین'' کے عنوان سے جانا جاتا ہے۔

زیرِ نظر احادیثِ معیشت کے مطالعے سے جیسے انسانی محنت کی قدر و منزلت اور معاشی نظام کی تشکیل میں اس کی کلیدی اور اساسی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، اسی طرح اس

www.rahimia.org

سے بغیر محنت کے حاصل کردہ معیشت کے انسداد کی ضرورت بھی اُجاگر ہوتی ہے، خواہ یہ اکتناز و احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی سرمایہ دارانہ معیشت ہو یا گداگری کی طفیلی معیشت ہو۔

اس وقت وطنِ عزیز میں قابض طبقات کی اپنی معیشت سرمایہ اندوزی کی بلندیوں کو چھو رہی ہے، جب کہ ان کے ہاتھوں میں ملک کی معیشت ایک بھکاری اور گداگر معیشت بن گئی ہے۔ معیشت کے ان فاسد طریقوں کی بیخ کنی اسی صورت میں ممکن ہوگی، جب ملک میں محنت کی کلیدی اور اَساسی بنیاد پر معیشت کو استوار کیا جائے گا۔

کتاب کے چوتھے مقالے ''سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن'' میں قرآن کے چہارگانہ اُصولِ معاشیات میں سے چوتھے اُصول پر حضرت مولانا آزاد رائے پوری نے دادِ تحقیق دی ہے۔ زیرِنظر مقالے میں ''محنت'' کی اَساسی حیثیت کو بجا طور پر اُجاگر کیا گیا اور اس حوالے سے روایتی تحریرات میں ''سرمایہ'' کی بالادستی کے نتیجے میں پیدا شدہ ابہام، بلکہ غلط فہمی کا احسن انداز میں ازالہ کیا گیا ہے۔ نیز سرمائے کے استحصالی کردار کے محنت کش اور مزدور دشمن پہلو کو بھی نمایاں کیا گیا، اور اسی کے ساتھ محنت کے لیے ''سرمایہ'' کے تعاونی کردار کو زیادہ مفید اور نتیجہ خیز ہونے کی نشان دہی کرکے ایک متوازن نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے، جس سے قارئین کو اسلام کی مستند معاشی فکر کے تناظر میں سرمایہ اور محنت کے باہمی تعلق کے حقیقی توازن اور درست نوعیت کو صحیح طور پر جاننے کا موقع ملے گا۔

کتاب کا پانچواں مقالہ ''دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و اہمیت'' اپنے عنوان میں بالکل واضح ہے، جس میں حضرت مولانا آزاد رائے پوری نے محنت کی عظمت پر نقلی و عقلی دلائل سے استشہاد کے علاوہ تاریخِ اسلام کی معروف علمی شخصیات کی معاشی سرگرمیوں اور اُن کے پیشہ وارانہ تعارف سے آگہی دی ہے۔ جس سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ دینِ اسلام کی قابلِ قدر رہنما شخصیات اپنی علمی سرگرمیوں کے باوجود مختلف شعبہ ہائے معیشت میں بھی اپنا نام رکھتی تھیں۔ یوں ان کا کردار فرسودہ مذاہب کی سربرآوردہ شخصیات سے جوہری طور پر امتیاز رکھتا ہے کہ پادریوں، پنڈتوں، پروہتوں،

علمائے سو اور مفاد پرست گدی نشینوں کا طبقہ ہمیشہ دوسروں کی محنت پر اپنی معیشت استوار کرتا چلا آتا ہے۔ پھر طُرفہ تماشا یہ ہے کہ اس طفیلی معیشت کو مذہبی معیشت گردانا جاتا ہے، لیکن اسلام کا دامن اس دھبے سے بالکل پاک وصاف ہے۔

چھٹا مقالہ ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریۂ معیشت'' اُس چار روزہ لیکچر سیریز کا تیسرا لیکچر ہے، جو حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری نے شعبہ علومِ اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان کے سیمینار ہال میں پیش کیا۔ اس مقالے میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے معاشی فکر کی جامعیت کو واضح کرتے ہوئے سرمایہ داری اور اشترا کی نظریات کے ساتھ اس کا موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ نیز دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور استعمال کے حوالے سے دینِ اسلام کی جامع اور سماج دوست فکر کو مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس مقالے کے آخر میں ان سوالات و جوابات کو بھی قارئین کے استفادے کی نذر کیا گیا ہے، جو لیکچر کے بعد پیش کیے گئے۔ ان جوابات میں فاضل محاضر نے کئی اہم تاریخی حقائق کی بھی نقاب کشائی کی ہے۔

ساتویں مقالے کا عنوان ''قرضوں کی معیشت اور اس کی تباہ کاریاں؛ اسلامی تناظر میں اس کا حل'' ہے۔ اس مقالے میں حضرت مولانا آزاد رائے پوری نے پاکستان کی معیشت کا علمی جائزہ پیش کیا ہے اور اس امر کی رہنمائی دی ہے کہ ملک کے قیام کے وقت سے ہی سودی قرض کی اساس پر اس کی معیشت کا ڈھانچہ کھڑا کیا گیا۔ چناں چہ قرض کی آکاس بیل نے ملکی معیشت کی ساری توانائی نچوڑ کر رکھ دی ہے۔ قرضوں کی تباہ کاری ملکی اثاثوں کو مسلسل گروی رکھنے کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہے اور اب ملک کی وسیع اراضی اور معدنی ذخائر بیرونی عناصر کو لیز پر دینے کے منصوبے زیرِ تشکیل ہیں، جس کے نتیجے میں ملک' قرضوں اور ان پر سود کا بندوبست کرنے والے عالمی اداروں اور ممالک کی آماجگاہ بننے کے حقیقی اندیشوں میں گھرا ہوا ہے۔ انگریزی ادب کا محاورہ ہے:

"The Borrower is the slave of the Lender"

(قرض لینے والا قرض دینے والے کا غلام ہوتا ہے)

www.rahimia.org

جو اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ مغرب کس ذہنیت کے ساتھ کسی ملک کو قرض دیتا ہے۔ آج اس قرض کی لعنت سے آلودہ معیشت کو اسلامی عدل و رحمت کی معیشت سے تبدیل کرنے کے لیے قومی شعور کو نظریاتی بنیادوں پر استوار کرنا ہر باشعور فرد کے لیے ایک قومی اور ملّی فریضہ بن چکا ہے۔

آٹھویں مقالے کا عنوان ''اسلام میں معاشرتی ترقی کے اصول، اسلامی معاشی نظام اور روایتی بینکاری کے نقصانات'' ہے، جس میں مولانا آزاد رائے پوری نے اسلام کے ترقی پرور معاشرتی اور معاشی اُصولوں کے تناظر میں تبادلۂ دولت کے طریقوں پر رہنمائی فراہم کی ہے اور اس امر کو واضح کیا ہے کہ موجودہ ملکی معاشی نظام کی اَساس عوام الناس کے استحصال پر استوار ہونے کی وجہ سے اس کے تمام مالیاتی ادارے اسی اساسی مقصد کے لیے کام کرتے ہیں۔ موجود معاشی نظام کا سنگِ بنیاد بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور ورلڈ بنک اور دیگر ذیلی اداروں کا رکھا ہوا ہے۔ ان کی منشا پورا کرنے کے لیے ہمارے حکمران طبقات ہر وقت ہانپتے کانپتے رہتے ہیں۔ اس لیے اس کے کسی مالیاتی ادارے کی 'اسلام کاری' کا تصور کسی صورت اسلامی شریعت کے مقاصد کی تکمیل نہیں کر سکتا۔

فاضل محقق نے اس حوالے سے بینکاری کی اسلام کاری کی سکیم کی اس بنیادی خرابی کو واضح کیا کہ اسے روایتی بینکاری کی طرح موجود سرمایہ داری نظام کی بنیادوں پر ہی استوار کیا گیا ہے۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ اس کی عمارت میں اسلامی اصطلاحات کو بہ طورِ رنگ و روغن کے استعمال کر کے بہ ظاہر ایک مختلف شکل دکھائی گئی۔ چناں چہ یہی وجہ ہے اس سے اسلام کے معاشی اور معاشرتی مقاصد کی تکمیل کا جو خواب دیکھا اور دکھایا جا رہا ہے، وہ شرمندۂ تعبیر ہونے سے مکمل طور پر قاصر نظر آتا ہے۔ سوال اسلام کاری کے منصوبہ سازوں کی نیتوں اور علمی کاوشوں کا نہیں ہے، بلکہ موجود نظام کی ساخت سے آنکھیں چرانے کا ہے، یا ان کی سادہ لوحی کا ہے، جس کے سبب بھیانک حقائق خوب صورت نہیں کہلا سکتے۔

www.rahimia.org

الغرض! زیرِ نظر کتاب کے مقالات' اسلامی نظامِ معیشت کے بنیادی تصورات کی بہ خوبی وضاحت کرتے ہیں۔ توقع ہے کہ اسلامی معاشیات سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں اس کو بہ نظرِ استحسان دیکھا جائے گا اور ان سے استفادے کے ذریعے اپنے علمی و عملی ذمہ داریوں کی بجا آوری کی طرف مؤثر اور نتیجہ خیز قدم اُٹھایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اسلام کے اعلیٰ اصولوں کے فہم و آگہی کو سماج میں صحت بخش تبدیلی کا ذریعہ بنائے اور ترقی کی طرف گامزن نظام قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
سابق صدر شعبہ علومِ اسلامیہ
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
یکم رمحرم الحرام ۱۴۴۵ھ /20 ر جولائی 2023ء

☆

www.rahimia.org

تقدیم

از

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

دینِ اسلام کی جامع تعلیمات انسانیت کے لیے ہمیشہ سے منارۂ نور رہی ہیں۔ دینِ اسلام کا کامل اور مکمل نظام اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ پچھلے ایک ہزار سال تک انسانیت کی رہنمائی کرتا رہا ہے۔ بالخصوص مسلمانوں کے غلبے کے زمانے میں دینی علوم و معارف کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ دین کے سیاسی غلبے اور معاشی اور اقتصادی عدل و انصاف کے نظام نے انسانیت کے لیے فکر کی بلندی، سیاسی امن و امان کی یقینی صورتِ حال، معاشی ترقی کی راہیں کھولی ہیں۔ دینِ اسلام کی تعلیمات میں جہاں عبادات و اقترابات کا ایک جامع، کامل اور مکمل نظام متعارف کرایا گیا ہے، وہیں سیاسی اور معاشی حوالے سے انسانیت دوست اعلیٰ فکر و عمل اور درست حکمتِ عملی پر مبنی نظامِ زندگی متعین کیا ہے۔

انسان کی روحانی ترقی کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے معاشی طور طریقوں کی اس لیے بھی اہمیت رہی ہے کہ انسان کی روح اور جسم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ اور جسمانی تقاضوں کی تسکین معاشی احتیاجات پورے کیے بغیر نہیں ہوسکتی۔ اس لیے دینِ اسلام کی تعلیمات میں معاشی زندگی سے متعلق ہدایات، اُصول و ضوابط اور عادلانہ اقتصادی نظام کی بڑی اہمیت رہی ہے۔ خلفائے راشدینؓ سے لے کر مسلمانوں کے غلبے کے تمام ادوار میں دینِ اسلام کا عادلانہ اقتصادی نظام انسانیت کی

www.rahimia.org

روحانی اور جسمانی ترقی کے لیے کردار ادا کرتا رہا ہے۔

پچھلے تین سو سال سے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومتوں کے خاتمے اور سو سال پہلے خلافتِ عثمانیہ کے اضمحلال اور خاتمے کے بعد سے عالمی سامراجی قوتوں نے مسلمان ممالک اور اقوام کو بالخصوص اور دیگر انسانیت کو بالعموم اپنے پنجۂ اِستبداد میں جکڑا ہوا ہے۔ اس استبداد کا سب سے زیادہ اثر اقوامِ عالم کی معاشی زندگی پر ہوا ہے۔ جُــوعُ الأرض (ممالک ہڑپ کرنے) کے مرض میں مبتلا سامراجی قوتوں نے ممالک اور اقوام کو غلام بنایا، انھیں سیاسی آزادی سے محروم کیا، معاشی جبر واستبداد اور ظالمانہ معاشی نظام قائم کیے اور یوں انسانیت اپنے بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہوئی۔ اور مسلمان نہ صرف انسانی حقوق سے محروم ہوئے، بلکہ وہ اپنے دین کی جامع سیاسی اور معاشی تعلیمات سے حاصل ہونے والے امن وامان اور معاشی خوش حالی سے بھی محروم کردیے گئے۔

اس سے بھی بڑا المیہ یہ ہوا کہ اس تین سوسالہ زوال کے زمانے میں مسلمان اپنے دینی فکر وعمل کی جامعیت اور سیاسی و معاشی نظم ونسق سے متعلق تعلیمات سے بے شعوری کی حد تک ناواقف ہوگئے۔ زوال کے زمانے میں ہمارے دماغوں میں یہ بات ڈال دی گئی کہ دین صرف عبادات اور چند رسومات کا مجموعہ ہے، اُس کا سیاسی و معاشی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ ظلم و جبر کے ماحول میں مسلمان دینی سیاست کے شعور سے بے گانہ ہوکر رہ گیا۔ اُس نے معاشی زوال اور پستی کو قبول کرلیا۔ وہ دینی معاشی عدل و انصاف کے بنیادی تصورات سے بھی لاتعلق ہوکر رہ گیا۔

اس تناظر میں کل انسانیت کی ترقی اور بالخصوص دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے اس بات کی بڑی اہمیت محسوس کی گئی کہ دینِ اسلام کی جامع تعلیمات سے شعوری طور پر آگہی حاصل کی جائے۔ یہ سمجھا جائے کہ قرآن حکیم کے بیان کردہ اُصول اور نبی اکرم ﷺ کے فرمودات' انسانی زندگی کے لیے کیا معاشی تعلیمات اور اقتصادی نظام واضح کرتے ہیں۔ یقیناً دینِ اسلام کی تعلیمات انسانی سماج کے لیے ایک مربوط سیاسی، معاشی، سماجی اور فکری نظام کے اُصولوں کی نشان دہی کرتی ہیں۔ ظالمانہ اور سامراجی افکار کے غلبے کے دور میں

www.rahimia.org

اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ انسانی زندگی کے تمام ہی شعبوں میں دین کی کامل اور مکمل تعلیمات کو پورے طور پر سمجھا جائے۔

اس حوالے سے برعظیم پاک و ہند کے علما کی جمعیت کے رُکنِ رَکین حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے اقتصادی اور معاشی شعور و آگہی کے لیے بنیادی اہمیت رکھنے والی کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' لکھی تھی۔ اس کتاب میں انھوں نے دینی معاشی نظام کی بنیادی حقیقت، اُصول اور مسلمانوں کے غلبے کے زمانے میں اُس کے عملی نظام کا ایک بنیادی خاکہ بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنے گہرے مطالعے اور علمائے ہند کی مشاورت سے قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں بنیادی اُصولِ معاشیات مرتب کیے ہیں۔

اس دور میں ہماری نوجوان نسل کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام سے متعلق شعوری رہنمائی حاصل کرے اور دینِ اسلام کے مکمل نظام کو سمجھے۔ اس حوالے سے برعظیم پاک و ہند کے تمام مسالک پر مشتمل علمائے ہند کی ایک بڑی اجتماعیت نے 1945ء میں منعقدہ اجلاس میں اس کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے ایک تجویز منظور کی تھی:

> ''اس دور میں برتریٔ ملت' سیاسی برتری پر اور سیاسی برتری، اقتصادی برتری اور معاشیات وعمرانیات کی مہارت پر موقوف ہوچکی ہے۔ نیز دہریت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے اور عام مسلمانوں میں مذہبی احساس و جذبات پیدا کرنے کی یہی صورت ہے کہ علمائے کرام کا قدم سیاسیات و اقتصادیات میں پیش پیش ہو۔ وہ ان چیزوں کے ماہر ہوں اور صنعت وحرفت سے واقفانہ دلچسپی رکھتے ہوں۔ اپنے ملک اور تمام دنیا کے سیاسی اور اقتصادی مُقتضَیات (تقاضوں) کے بہتر مفکر اور بالغ النظر مبصر ہوں۔
>
> لہٰذا جمعیت علمائے ہند کا یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ آزاد مدارسِ عربیہ کے فضلا کی سیاسی اور اقتصادی تربیت اور ان میں تبلیغی خدمات کی بہتر قابلیت پیدا کرنے کے لیے خودداری اور خود اعتمادی کے اُصولوں پر ایک تربیت گاہ قائم کی جائے''(1)۔

www.rahimia.org

اقتصادیات اور معاشیات کی اہمیت ہمیشہ سے ہمارے بزرگوں کے پیشِ نظر رہی ہے۔ چناں چہ ہمارے شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی مجالس، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ نے قلم بند کی تھیں، جو بعد میں اُن کے بھتیجے مولانا عبدالجلیلؒ کی نظرِ ثانی کے بعد شائع ہوچکی ہیں۔ اس میں ایک مجلس میں لائل پور (فیصل آباد) کے سفر کے دوران حضرت اقدس رائے پوری ثانیؒ کے حوالے سے یہ ارشاد نقل کیا ہے:

''راستے میں مولانا عبدالعزیز صاحب گمتھلوی مدظلہٗ (حضرت رائے پوری ثالث) سے ''کاروباری'' لفظ پر گفتگو ہوئی۔ پھر واپسی میں مولانا عبدالمنان صاحب کو اقتصادیات میں سوشلزم، کمیونزم اور کیپٹل اِزم اختصار سے - مع ان کے فرقوں کے - بات سمجھائی اور سوشلسٹ پارٹی کا ہندوستانی زاویۂ نگاہ واضح کرکے اس کی اسلامی اُصول کے مطابق اور مخالف نظریے بیان کرکے جواز کی صورت بیان کی''(2)۔

اسی طرح خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے چوتھے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا فکر دین داروں کو حاصل کرنا ہوگا۔ تب ہی یہ مراکز (مساجد و مدارس) نتیجہ خیز ہوں گے۔ مغربی قوموں کے کفر کا مقابلہ ہونا چاہیے۔ ان کی سیاست سے آزادی حاصل کرنی چاہیے۔ اقتصادی غلامی سے نجات دلانی چاہیے۔ حرام کی معیشت اور (مفاد پرست) طبقات کا نظام ٹوٹنا چاہیے۔ تب دین دار جماعتوں کی کامیابی ممکن ہے''(3)۔

نیز سیاسی اور معاشی غلامی سے نجات کے نظریے کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

''عدل کے نظام کا قیام فرض ہے۔ محض عبادات کو دین سمجھنا اور عدل کی سیاست سے الگ رہنا، ظلم کی مدد کرنا ہے۔ سرمایہ داری نظام کا خاتمہ ضروری ہے، تاکہ عوام کو معاشی مساوات حاصل ہو۔ طبقاتی معاشی نظام سے نجات

www.rahimia.org

ملے۔ غلامی سے آزادی بنیادی ضرورت ہے۔ غلام قوم پورے دین حق پر نہیں عمل کرسکتی۔ جہاں حقوقِ انسانیت پامال ہوں اور مذہبی طبقہ جدوجہد نہ کرے، سیاسیاتِ دین کو دنیا کہے، وہاں عذابِ الٰہی آتا ہے۔ ذلت اور مسکنت کا عذاب مسلط ہوتا ہے''(4)۔

اسلامی اقتصادیات اور معاشیات کے حوالے سے اپنے حضرات مشائخِ رائے پورؒ اور حضرت مولانا سیوہارویؒ کی اتباع میں راقم سطور نے مختلف اوقات میں اس مجموعے میں شامل معاشیات و اقتصادیات پر چند مقالات تحریر کیے تھے۔ معاشیات پر ان مقالات کی تحریر کا ایک اَور محرک یہ بھی تھا کہ ۱۴۰۵ھ / 1985ء میں جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کے بعد جامعہ میں دو سال **تخصُّص فی الفقہ الإسلامی** میں داخلہ لیا تو مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کے زیرِنگرانی ہندوستان کی اراضی کی شرعی حیثیت پر مشتمل رسالہ ''احکام الاراضی'' تصنیف قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ پر تحقیق و تدوین کا موقع ملا۔ اسی طرح شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کا رسالہ ''تحقیق الاراضی فی الہند'' پر بھی کام کیا۔ اس تحقیقی کام کے دوران اقتصادیات و معاشیات کی مختلف کتابوں کے مطالعے سے اس مضمون سے خاصی دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اس طرح گزشتہ چالیس سال میں یہ مقالات قلم بند ہوئے۔ ان مقالات میں یہ پوری کوشش کی گئی ہے کہ دیگر اقتصادی نظاموں سے موازنہ کرتے ہوئے دینِ اسلام کے اقتصادی نظام کے بنیادی اُصول اور حقائق سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ یقیناً یہ مقالات' مطالعۂ معاشیات کے حوالے سے قارئین کے لیے سہولت بہم پہنچائیں گے۔ ان میں سے کچھ مقالات پہلے رسائل و مجلّات میں شائع ہوچکے ہیں۔ دوستوں کے تقاضے پر انھیں کتابی صورت میں یک جا کردیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں درجِ ذیل عنوانات پر مقالات شامل ہیں:

1۔ معاشیات کی اصطلاحات اور معاشی نظاموں کا جائزہ

اس مجموعے کے پہلے مقالے میں معاشیات سے متعلق بنیادی اصطلاحات کی

www.rahimia.org

وضاحت کی گئی ہے اور مروّجہ معاشی نظاموں کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ عام طور پر معاشیات کی بنیادی اصطلاحات سے عدمِ آگہی کی وجہ سے معاشیات سے متعلق تحریرات سمجھنے میں دِقت پیش آتی ہے۔ اصطلاحات کے اصل مفہوم سے بے شعوری کی وجہ سے ہمارے گرد و پیش میں کیے گئے ظالمانہ نظاموں کے معاشی فیصلوں کا درست تجزیہ نہیں ہو پاتا، اور نہ ہی دینِ اسلام کی تعلیمات سے مکمل طور پر مربوط انداز میں آگہی ہوتی ہے۔

اس مقالے میں معاشیات کی بنیادی کتابوں کی روشنی میں علمِ معاشیات کی بنیادی حقیقت، تعریف، معاشی مراحل، عملی نظام، بالخصوص دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلے اور صَرف سے متعلق بنیادی اصطلاحات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ نیز اس مقالے میں مختلف معاشی نظاموں کے بنیادی اَساسی اُمور کا جائزہ لے کر اُن کے انسانیت پر ہونے والے اثرات کا ایک تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

یہ مقالہ آج سے تقریباً تیس سال پہلے نوے کی دہائی میں لکھا گیا تھا۔ نظرِ ثانی کے بعد سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی'' لاہور (شمارہ اپریل تا جون 2019ء) میں اس کی اوّلین اشاعت ہوئی۔ اب اس مجموعے میں شامل کیا جا رہا ہے۔

2۔ قرآنی اُصولِ معاشیات

اس مجموعے کا دوسرا مقالہ حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' میں بیان کردہ قرآنی اُصولِ معاشیات پر مبنی ہے۔ حضرت مولانا سیوہارویؒ کی اصل عبارت کو مِن وعَن محفوظ رکھتے ہوئے اُس کے متن کی تخریج و تحقیق اور تائیدی حواشی ہماری طرف سے لکھے گئے ہیں اور ان قرآنی اُصولوں کے مزید دلائل بھی اضافہ کیے گئے ہیں۔ اس مقالے سے اسلام کے معاشی نظام کے بنیادی دینی اُصولوں کا مکمل تعارُف سامنے آتا ہے اور دیگر معاشی نظاموں سے اسلام کے اقتصادی اور معاشی نظام کے بنیادی فرق کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ مقالہ بھی سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی'' لاہور (شمارہ اپریل تا جون 2019ء) میں شائع ہو چکا ہے۔

www.rahimia.org

3۔ معاشی محنت کی اہمیت؛ چہل (۴۰) حدیث

راقم سطور نے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے حکم پر 14/ مارچ 1990ء سے لے کر 10/مئی 1990ء تک خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کا سفر کیا تھا۔ اس سفر کے دوران رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ (28/ مارچ تا 26/اپریل 1990ء) کا ماہِ مبارک بھی خانقاہ کے روحانی ماحول میں گزارنے کی توفیق ہوئی۔ اس موقع پر خانقاہی معمولات سے فارغ اوقات میں خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے لیے وقف کردہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے ذاتی کتب خانے سے استفادے کا موقع ملا۔ چناں چہ اس دوران حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے کمرے کی بالائی منزل پر واقع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے کتب خانے میں اکثر وقت گزرتا تھا۔

اسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کے ''کلماتِ طیبات'' نظر سے گزرے تھے، جو انھوں نے دِلّی میں ہونے والے ایک سیمینار بہ عنوان ''فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید'' میں پڑھے جانے والے مقالات کے مجموعے کے شروع میں تحریر فرمائے تھے۔ اس میں انھوں نے تحریر فرمایا تھا:

''ضرورت ہے کہ (دورِ حاضر کے) ان مسائل کو حل کرنے کے لیے اسلام کو سیاسی اور معاشی رنگ کے دلائل سے پیش کیا جائے''[5]۔

چناں چہ اس قیامِ رمضان میں دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ معاشی حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی احادیثِ نبویہ کو ایک جگہ جمع کیا جائے۔ چناں چہ رائے پور کے اس سفر میں جہاں مشائخ رائے پور کے فیوضات و برکات سے مستفید ہونے کا موقع ملا، وہیں انھیں حضرات کی توجہات سے معاشی محنت کے حوالے سے یہ چالیس حدیثیں مرتب کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ اس طرح اس قیامِ رمضان کے بابرکت لمحات میں معاشی محنت کی اہمیت پر چالیس احادیث جمع ہوگئیں۔ اس سلسلے میں قصبہ رائے پور میں واقع مدرسہ فیضِ ہدایت رائے پور کے جدید کتب خانے سے بھی استفادے کا موقع ملا۔ اکثر صبح 9، 10 بجے

www.rahimia.org

سے لے کر ظہر تک کے اوقات میں یہ کام مکمل کیا گیا۔

اس ’چہل حدیث‘ کا مسودہ ایک طویل عرصے تک ایسے ہی رہا۔ کئی دفعہ ارادہ کیا کہ اسے صاف کر کے مرتب کر دیا جائے، تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے استفادے کا موقع ملے۔ لیکن ’’کُلُّ شَیْءٍ مرھونٌ بأوقاتہٖ‘‘ (ہر چیز اپنے اوقات کے نظام سے ہی بندھی ہوئی ہے) کے قاعدے کے مطابق 33 سال بعد اب اس مسودے پر نظرِ ثانی کرنے اور اس کو دوبارہ مرتب کرنے کا موقع ملا ہے۔ یہ چہل حدیث پہلی مرتبہ اس مجموعے میں اشاعت پذیر ہو رہی ہیں۔ امید ہے قارئین اس سے معاشی محنت کے حوالے سے نبوی طریقۂ کار کی صحیح اہمیت کو سمجھ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نبوی فرمودات کو پوری دینی فہم و بصیرت اور عقل و شعور کے ساتھ سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین!)

4۔ سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن

قرآنی اُصولِ معاشیات میں چوتھا اُصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں ’’سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن‘‘ کی اہمیت ہے۔ اس حوالے سے یہ بڑا ضروری تھا کہ خود ’’سرمایہ‘‘ (Capital) کی حقیقی نوعیت کو واضح کیا جائے۔ سرمایہ داری نظام اور سوشلزم کے دو انتہا پسندانہ افکار کے حوالے سے ’’سرمایہ‘‘ کی حقیقت سے متعلق بہت سے ابہامات لوگوں کے ذہنوں میں پائے جاتے ہیں اور دونوں طرف کی نمائندگی کرنے والے انتہا پسند مفکرین نے اپنے اپنے زاویۂ فکر کی اَساس پر ’’سرمایہ‘‘ کی تعریف اور اُس کی حقیقت بیان کرنے پر زور دیا ہے، جو دراصل ان دونوں نظاموں کے فکر کے اُلجھاؤ اور ژولیدگی کو واضح کرتا ہے۔ ایسے میں ضرورت تھی کہ اسلام کے نقطہ نظر سے ’’سرمایہ‘‘ کے تعاونی کردار اور واقعی نوعیت کو واضح کیا جائے اور ’’سرمایہ‘‘ کے استحصالی کردار کے تسلط اور اس کی سِرے سے اہمیت کے انکار پر مبنی‘ دو انتہا پسندانہ افکار کا تجزیاتی نقطہ نظر سے جائزہ لیا جائے۔

اسی طرح ’’محنت‘‘ (Labour) کے حوالے سے دونوں مروّجہ نظاموں میں جو

www.rahimia.org

انتہاپسندانہ تصورات پائے جاتے ہیں کہ ایک یعنی سرمایہ داری نظام ''محنت'' کی سوداکاری کی قوت (Bargaining Power) کی کمزوری کو سامنے رکھتے ہوئے اُس کو جائز حق دینے کے لیے بھی تیار نہیں اور دوسرا یعنی سوشلزم اُس کی بالادستی قائم کرنے کے لیے سرمائے کو کنٹرول کرنے کے خلافِ فطرت طریقے اختیار کرتا ہے۔

اس مقالے میں ''سرمایہ'' اور ''محنت'' میں عادلانہ توازن کی نوعیت کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مقالہ بہت پہلے 1995ء میں تحریر کیا گیا تھا۔ پھر صاحبِ بصیرت احباب کی مجلس میں اس کے تمام پہلوؤں پر اجتماعی غور وفکر کیا گیا اور اس کے نتیجے میں سامنے آنے والی تجاویز کی روشنی میں اسے دوبارہ مرتب کیا گیا۔ یہ مقالہ ''عزم سیریز 140'' اور سہ ماہی مجلّہ ''شعور وآگہی'' لاہور (شمارہ اپریل تا جون 2019ء) میں شائع ہو چکا ہے۔

5۔ دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر واہمیت

یہ مقالہ علمائے ہند کی ایک رہنما شخصیت حضرت مولانا سیّد محمد میاںؒ کی کتابوں میں موجود تحریر، جس کا عنوان ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اقتصادی اُصول'' ہے، کی توضیح و تشریح کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کے ''کلماتِ طیبات'' کو سامنے رکھتے ہوئے دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و اہمیت سے متعلق بنیادی اُمور اور اس کی قرار واقعی حیثیت واضح کی گئی ہے۔

اس مقالے کی اشاعت ''شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن ملتان'' کے دوسرے پمفلٹ کی صورت میں 1988ء میں ہوئی تھی۔ پھر نظرِ ثانی کے بعد اس کی اشاعت سہ ماہی مجلّہ ''شعور وآگہی'' لاہور (شمارہ اپریل تا جون 2019ء) میں بھی ہوئی۔

6۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریۂ معیشت

پاکستان کی معروف تعلیمی درس گاہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں موسیٰ پاک شہید چیئر شعبہ علومِ اسلامیہ کے زیرِ اہتمام ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار اور عصرِ حاضر'' کے عنوان سے چار روزہ لیکچر سیریز کا انعقاد کیا گیا تھا، جس میں راقم سطور نے مذکورہ بالا

www.rahimia.org

عنوان پر چار لیکچرز دیے تھے۔ یہ مقالہ اُن میں سے ایک عنوان ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریۂ معیشت'' پر دیے گئے لیکچر پر مشتمل ہے، جو مؤرخہ 19/ اپریل 2017ء بروز بدھ کو سیمینار ہال، شعبہ علومِ اسلامیہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں ہوا تھا۔

اس سیشن کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا (سابق چیئرمین شعبہ علومِ اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان) نے کی، جب کہ نظامت کے فرائض پروفیسر ڈاکٹر محمود سلطان کھوکھر نے سرانجام دیے۔ اس مجلس میں شعبہ علومِ اسلامیہ کے اساتذہ، طلبا اور ملتان شہر سے اہلِ علم و دانش اور علما نے بھی شرکت کی۔ لیکچر کے آغاز میں پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن نے تمہیدی کلمات ادا کیے۔ لیکچر کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ اس کے بعد صدرِ مجلس نے صدارتی کلمات ارشاد فرمائے۔

راقم سطور نے لیکچر دینے کے لیے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں سے بہت سے اقتباسات جمع کیے تھے، مقالے کی تخریج و تحقیق کرتے ہوئے انھیں متعلقہ مقامات پر مقالے میں شامل کردیا گیا ہے، تاکہ شاہ صاحبؒ کی اصل عبارتیں بھی قارئین کے سامنے رہیں۔ یہ مقالہ نظرِ ثانی، تحقیق و تخریج اور عبارتوں کی نوک پلک درست کرنے اور حک و اضافہ کے بعد سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی'' لاہور (شمارہ اپریل تا جون 2019ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ پھر ''خطباتِ ملتان'' کے عنوان سے اس لیکچر سیریز کے تمام خطبات پر مشتمل مجموعے میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

7۔ قرضوں کی معیشت اور اس کی تباہ کاریاں؛ اسلامی تناظر میں اس کا حل

یہ مقالہ بھی راقم سطور کی طرف سے سکھر آئی بی اے یونیورسٹی، سکھر، سندھ میں شعبہ کیئر ڈویلپمنٹ سنٹر کے تحت ایک سیمینار میں دیے گئے ایک خطاب پر مشتمل ہے۔ یہ سیمینار مؤرخہ: ۱۶/ رجب ۱۴۴۴ھ / 8/ فروری 2023ء کو یونیورسٹی کے اکیڈمک بلاک II کے کانفرنس ہال میں وائس چانسلر کی ہدایت پر منعقد ہوا۔ لیکچر کے بعد سوالات و جوابات کی نشست ہوئی۔ اس مجموعے میں لیکچر اور سوالات و جوابات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

www.rahimia.org

اس خطاب میں قرضوں کے حوالے سے ملکی معیشت کے دگرگوں حالات کے تناظر میں قرضوں کے عالمی نظام کی تباہ کاریوں کو واضح کیا گیا ہے اور اس حوالے سے دینِ اسلام کی سچی تعلیمات کی وضاحت کی گئی ہے۔

8۔ اسلام میں معاشرتی ترقی کے اُصول، اسلامی معاشی نظام اور روایتی بینکاری نظام کے نقصانات

آٹھواں مقالہ بھی مذکورہ بالا عنوان پر شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور میرس، سندھ کے انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن اور فیکلٹی آف مینجمنٹ سائنسز کے اشتراک سے منعقدہ سیمینار میں خطاب کی صورت میں بیان کیا گیا تھا۔ یہ سیمینار مؤرخہ: ۲۱/رجب ۱۴۴۴ھ / 13/فروری 2023ء کو یونیورسٹی کے انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن ہال میں وائس چانسلر کی زیرِنگرانی منعقد ہوا۔ اس مقالے میں تین بنیادی اُمور پر گفتگو کی گئی ہے:

1۔ اسلامی معاشرتی ترقی کے بنیادی چار قرآنی اُصول واضح کیے گئے ہیں۔ اور یہ بتلایا گیا کہ ان قرآنی اُصولوں کی روشنی میں ہی قائم معاشرے ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ ان اُصولوں سے متضاد اُصولوں کے مطابق طریقۂ کار اختیار کرنے سے معاشرتی زوال پذیری کا ہی سامنا کرنا پڑے گا۔

2۔ اسلامی معاشی نظام کے بنیادی خدوخال اور معاشی حوالے سے اُس کے اُصولی پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر تبادلۂ دولت کے اہم ترین عنصر ''آلۂ مبادلہ'' یعنی ''زر'' کے اسلامی اُصول کو واضح کیا گیا ہے۔

3۔ روایتی بینکاری نظام کا تاریخی پسِ منظر، اس کے وجود میں آنے کی وجوہات اور اُس کے عالمی نقصانات کا ایک مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں روایتی بینکاری کے بالمقابل سمجھے جانے والے ''اسلامی بینکاری'' کے مروّجہ نظام کا بھی تحلیل و تجزیہ کیا گیا ہے اور اُس کی حقیقت اور نوعیت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں واضح کی گئی ہے۔

معیشت اور خاص طور پر اسلامی معاشی نظام سے متعلق ان 8 مقالات کے مجموعے کا

www.rahimia.org

بنیادی مقصد اس کے علاوہ اَور کچھ نہیں کہ دینِ اسلام کے معاشی نظام کے حوالے سے ایک بنیادی خاکہ اور جامع دینی نظریہ قارئین کے سامنے واضح ہو جائے۔

اس موقع پر میں اپنے دل کی گہرائیوں سے اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ (مسند نشین رابع سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور) (متوفی 2012ء) کا انتہائی سپاس گزار ہوں کہ انھوں نے دینِ اسلام کے عظیم رہنماؤں اور مجددینِ اُمت؛ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی۔قَدَّسَ اللّٰہُ أسرارَھُما۔، اکابر علمائے محققین اور اولیائے ربانیین کی اجتماعیت کے تسلسل کے ساتھ ہمیں جوڑا ہے۔ اس طرح انھوں نے شریعتِ حقانیہ، طریقتِ ربّانیہ، سیاستِ حاضرہ اور معیشتِ اسلامیہ کا صحیح فہم وشعور اور دینی تفقُّہ اور بصیرت کی طرف رہنمائی کی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور اُن کے فیوض و برکات سے ہمیں مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ مقالات دراصل ولی اللّٰہی مجددی سلسلے کے انھیں بزرگوں کی خوشہ چینی پر مشتمل ہیں۔ ان حضرات کی تجدیدی کاوشوں کو اُردو کا لباس پہنانے میں ہم سے جو کچھ ہو سکا ہے، اُسے حیطۂ تحریر میں لایا گیا ہے۔ اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے کہ دینِ اسلام کی معاشی تعلیمات اور ان حضرات کی معاشی حوالے سے تجدیدی رہنمائی کو حرزِ جاں بنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی جامع تعلیمات سے بھرپور آگہی حاصل کرنے اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عملی طور پر انھیں غالب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
خادم سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور
و ناظم اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور
مؤرخہ: ۸/محرم الحرام ۱۴۴۴ھ / 27/جولائی 2023ء

☆

www.rahimia.org

مقالہ

1

معاشیات کی اصطلاحات اور معاشی نظاموں کا جائزہ

تحریر
مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

www.rahimia.org

معاشیات کی اہمیت قرآن حکیم کی نظر میں

معاشیات کی اہمیت احادیثِ نبویؐہ کی نظر میں

(1) معاشیات کے ابتدائی امور

(2) جدید معاشیات کی چند بنیادی اصطلاحات

(3) اسلامی معاشیات کی چند بنیادی اصطلاحات

(4) معاشیات کے بنیادی شعبے

(5) معاشیات کے اہم ادوار

(6) نظام ہائے معیشت

یورپین معاشروں کے معاشی افکار و نظریات کا ارتقائی جائزہ

(1) فیوڈل اِزم (Feudalism)

(2) مرکنٹائل اِزم (Mercantilism)

(3) کیپٹل اِزم (Capitalism)

(4) سوشلزم (Socialism)

www.rahimia.org

معاشیات کی اصطلاحات
اور معاشی نظاموں کا جائزہ

انسانی زندگی میں معاشیات کی اہمیت ہمیشہ سے رہی ہے۔تمام اقوامِ عالم کے قبائلی رسوم و رواج سے لے کر جدید معاشی قوانین اور ضابطوں اور مذاہبِ فکر تک میں معاشی حوالے سے تعلیمات وقوانین بیان ہوتے رہے ہیں۔

معاشیات کی اہمیت قرآن حکیم کی نظر میں

قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی آیات میں معاشیات کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔درجِ ذیل آیات بڑی وضاحت کے ساتھ معاشی معاملات پر رہنمائی دیتی ہیں۔

پہلی آیت

قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشادفرمایا ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ (6)

(ہم نے زمین میں تمھیں ٹھہرایا اور تمھارے لیے زمین میں زندگی گزارنے کے وسائل اور طریقے پیدا کیے۔تم بہت کم شکرادا کرنے والے ہو۔)

حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیتِ مبارکہ میں انسانوں کے لیے دو بنیادی اُمور کا تذکرہ کیا گیا ہے:

www.rahimia.org

1۔ **تمکین فی الأرض:** اس کا مطلب انسانوں کا اجتماعی بقا اور عزت و طاقت وقوت کے ساتھ زمین میں قیام پذیر ہونا ہے۔ اس کے لیے زمین میں پہاڑ، دریا وغیرہ رکھے اور تمام انسانوں کو اس سے یکساں طور پر استفادے کا موقع دیا اور ان کے لیے بادلوں کو مسخر کیا، تاکہ ان کے رزق کا بندوبست ہو۔

2۔ **تخلیقِ معائش:** دوسرے یہ کہ تمھارے لیے اس زمین میں معاشی وسائل پیدا کیے، جن سے انسانی احتیاجات کی نہ صرف تسکین ہوتی ہے، بلکہ ان کے ذریعے سے سیاسی، معاشی اور اجتماعی قوت و طاقت بھی وجود میں آتی ہے۔ گویا زمین پر تمھیں قدرت اور طاقت عطا کی اور پھر تمھارے اندر ایسی عقلی اور عملی استعداد رکھی، جن سے تم زمین میں موجود قدرتی وسائل سے استفادہ کرتے ہو اور یوں زندگی گزارنے کے لیے اشیا و خدمات مہیا کرتے ہو۔ معائش "معیشة" کی جمع ہے۔ **معیشت کا** لفظ اُن اشیا پر بھی بولا جاتا ہے، جنھیں انسان استعمال میں لاکر اپنی احتیاجات پوری کرتا ہے اور اُن عقلی اور عملی صلاحیتوں، پیشوں اور وسائل پر بھی بولا جاتا ہے، جن سے اشیا میں افادیت پیدا ہوتی ہے[7]۔

اس طرح اس آیت میں کہا گیا ہے کہ انسانیت کو زمین پر رہنے کی قدرت و طاقت عطا کی اور دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے وسائل معاش اور ان کے حصول کی عقلی اور عملی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ ان نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ ان سے بھرپور استفادہ کرکے انسانی زندگی کے لیے آسانیاں پیدا کی جائیں اور اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔

دوسری آیت

ایک اور آیتِ مبارکہ میں ارشادِ خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ لَـكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ق[8].

(وہی ہے جس نے پیدا کیا تمھارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے۔)

اس آیتِ مبارکہ میں کہا گیا ہے کہ تم تمام انسانوں کے لیے اللہ نے زمین کے تمام

www.rahimia.org

قدرتی وسائل پیدا کیے ہیں۔ گویا زمین کے تمام قدرتی وسائل پر تمام انسان محنت کر کے اپنے لیے اشیا و خدمات پیدا کریں اور اس طرح اپنی احتیاجات کی تسکین کریں۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''جملہ اشیائے عالم بہ دلیل (اس) فرمان واجب الاذعان تمام بنی آدم کی مِلک معلوم ہوتی ہیں، یعنی غرضِ خداوندی تمام اشیا کی پیدائش سے **دفعِ حوائج جملۂ ناس** (تمام انسانوں کی حاجات کو پورا کرنا) ہے۔ اور کوئی شیئے **فی حدّ ذاتہ** (ذاتی طور پر) کسی کی مملوکِ خاص (ذاتی ملکیت میں) نہیں، بلکہ ہر شیئے اصل خلقت میں جملۂ ناس (تمام انسانوں) میں مشترک ہے۔ اور مِن وَجہ (ایک طرح سے) سب کی مملوک ہے۔

ہاں! **بوجہِ رفعِ نزاع** (جھگڑا ختم کرنے) وحصولِ انتفاع (نفع اٹھانے کے لیے) قبضہ کو **علتِ مِلک** (ملکیت کا سبب) مقرر کیا گیا۔ جب تک کسی شیئے پر ایک شخص کا **قبضۂ تامّۂ مستقلّہ** (مستقل اور پورا قبضہ) باقی ہے، اس وقت تک کوئی اَور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا۔

ہاں! خود مالک و قابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے، بلکہ اس کو اَوروں (دوسروں) کے حوالے کر دے۔ کیوں کہ بہ اعتبارِ اصل اَوروں (دوسروں) کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔

یہی وَجہ ہے کہ مالِ کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا، گو زکوۃ بھی ادا کر دی جائے۔ انبیؑا و صلحا اس سے بہ غایت مجتنب (انتہائی پرہیز کرتے) رہے۔ چناں چہ احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، بلکہ بعض صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرما دیا۔ بہر کیف غیر مناسب و خلافِ اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔

اس کی وَجہ یہی ہے کہ **زائد علی الحاجۃ** (ضرورت سے زائد مال)

www.rahimia.org

سے اس کی تو کوئی غرض متعلق نہیں۔ اور اَوروں (دوسروں) کی مِلک مِن وجہ (ایک پہلو سے) اس میں موجود۔ تو گویا شخص مذکور مِن وجہ مالِ غیر (دوسرے کے مال) میں قابض و متصرف ہے۔

اس کا حال بعینہٖ مالِ غنیمت کا سا تصور کرنا چاہیے۔ وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصہ ہے کہ مالِ غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے، مگر بہ وَجہ ضرورت وحصولِ انتفاع بہ قدرِ حاجت ہر کوئی مالِ مذکور سے منتفع (فائدہ اٹھا) سکتا ہے۔ ہاں! حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہیے (یعنی خائن شمار ہوگا)''۔ (9)

تیسری آیت

ایک اور آیتِ مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَ اذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰﴾ (10)

(پھر جب تمام ہو چکے نماز، تو پھیل پڑو زمین میں، اور ڈھونڈو فضل اللہ کا، اور یاد کرو اللہ کو بہت سا، تا کہ تمھارا بھلا ہو۔)

اس آیت میں نمازِ جمعہ کے بعد وسائل معاش کے حصول کے لیے زمین میں پھیل جانے اور محنت ومشقت کے ذریعے رزق تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

''جمعہ کی اذان ہونے کے بعد خرید و فروخت سے منع کیا گیا تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد حکم دیا جا رہا ہے کہ زمین میں پھیل جائیں اور اللہ کا فضل تلاش کریں۔ بعض اکابر سے روایت کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے بعد خرید وفروخت کی تو اللہ اُس کے رزق میں ستر گنا اضافہ کر دیتا ہے''۔ (11)

www.rahimia.org

معاشیات کی اہمیت احادیثِ نبویؐہ کی نظر میں

قرآن حکیم کے بعد احادیث سے بھی معاشیات کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ درجِ ذیل احادیث معاشی محنت کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں:

پہلی حدیث

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا إِلَّا رَعَی الْغَنَمَ"،

فَقَالَ أَصْحَابُہُ: وَأَنْتَ؟

فَقَالَ ﷺ: "نَعَمْ ! کُنْتُ أَرْعَاھَا عَلَی قَرَارِیطَ لِأَھْلِ مَکَّۃَ". [12]

("اللہ نے کوئی نبی نہیں بھیجا، مگر یہ کہ انھوں نے بکریاں چرائی ہیں"۔

آپؐ کے صحابہؓ نے عرض کیا کہ: کیا آپ نے بھی؟

آپؐ نے فرمایا کہ: "ہاں! میں نے بھی چند قیراط کے معاوضے پر اہلِ مکہ کی بکریاں چرائی ہیں"۔) (قیراط کے لیے صفحہ نمبر 84 ملاحظہ ہو۔)

دوسری حدیث

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَا أَکَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَیْرًا مِنْ أَنْ یَأْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہِ، وَ إِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاوُدَ عَلَیْہِ السَّلَام، کَانَ یَأْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدِہِ". [13]

(اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے۔ اور حضرت داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اللہ کے نبی تھے، اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔)

تیسری حدیث

معاشی سرگرمیوں کے حوالے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

www.rahimia.org

''اطلبوا الرّزق من خبايا الأرض''. (14)

(زمین کے مخفی خزانوں سے (اپنی احتیاجات کے لیے) رزق تلاش کرو۔)

معاشیات کے بنیادی اَساسی اُمور اور معاشی محنت کی اہمیت کے حوالے سے مزید احادیث ہماری مرتب کردہ ''چہل حدیث'' (مقالہ نمبر 3) میں ملاحظہ کریں۔

ان آیات اور حدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے تمام قدرتی وسائل سے استفادے کے لیے محنت و مشقت کا راستہ اختیار کیا جائے اور اس کے ذریعے سے اشیا میں ایسی ''افادیت'' (Utility) پیدا کی جائے، جو انسانی ''احتیاجات'' (Wants) کو پورا کرنے میں ممد و معاون ہو۔ ان احادیث میں اپنی احتیاجات کی تسکین کے لیے نظامِ معیشت استوار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

- - - - - - - - - - - - - - - - -

www.rahimia.org

(1)

معاشیات کے ابتدائی امور

1.1۔ معاشیات اور اقتصادیات کا لغوی مفہوم

''معاش'' اور ''معیشت'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مادہ ''عیش'' ہے۔ اس کے معنی زندہ رہنا، زندگی، خوراک، رزق اور گزران کے ہیں۔ اس طرح ''معیشت'' کا لفظ ایسی اشیا پر بولا جاتا ہے، جس سے انسانوں کی ضروریات پوری ہوتی اور زندگی بسر ہوتی ہے۔ اسی طرح اس لفظ کا استعمال زندگی گزارنے کے اُن طریقوں اور انسانی صلاحیتوں پر بھی ہوتا ہے، جن سے اشیائے ضروریہ حاصل ہوتی ہیں۔

عربی اور فارسی میں اس کے لیے اقتصادیات کی اصطلاح بھی رائج ہے، جس کا مادہ ''قصد'' اور ''اقتصاد'' ہے۔ اس کا مطلب معاملات میں اعتدال اور ''میانہ روی کے ساتھ چلنا'' ہے[15]۔

معاشیات کو انگریزی زبان میں "Economics" کہتے ہیں، جو ایک لاطینی لفظ OIKO NOMOS سے ماخوذ ہے، جس کا مفہوم گھریلو زندگی گزارنے کے ضابطے کے ہیں۔ ابتدا میں یہ لفظ کے مفہوم کے تحت ایک کنبے کی خوراک، لباس اور رہائش وغیرہ کے انتظام کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ بعد میں اِسے ایک شہری ریاست کے امور کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا[16]۔

www.rahimia.org

1.2۔معاشیات : ایک اجتماعی علم

پہلی بات بنیادی طور پر یہ جاننے کی ہے کہ علم اقتصادیات ایک سماجی علم (Social Science) ہے، یعنی اس علم میں کسی ایک آدمی کے متعلق مطالعہ نہیں کیا جاتا، بلکہ انسانوں کے متعلق مجموعی حیثیت سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ پھر یہ کہ اس علم میں اُن انسانوں کے متعلق مطالعہ کیا جاتا ہے، جو سماجی اور اجتماعی زندگی بسر کرتے ہیں۔ نہ کہ ان کے متعلق جو دنیا چھوڑ کر سنیاسیوں اور راہبوں کی طرح انفرادی اور مجرد زندگی بسر کرتے ہوں[17]۔

1.3۔معاشیات کا دائرۂ کار

سماجی علوم کے کئی شعبے ہیں۔ فلسفہ سماجیات، سیاسیات، معاشیات اور اقتصادیات۔ معاشیات انسانی سماج کے اُن پہلوؤں سے گفتگو کرتا ہے، جو اُس کی معاشی زندگی سے متعلق ہیں۔ اس علم میں سیاسیات، سماجیات اور اس کے فلسفے سے براہِ راست بحث نہیں کی جاتی، بلکہ معاشی حوالے سے انسانی احتیاجات اور ان کی تسکین کے لیے معاشی وسائل کی دستیابی اور اس کو کنٹرول کرنے والے نظام سے متعلق امور زیر بحث آتے ہیں۔

1.4۔معاشیات کا نفسِ مضمون

معاشیات کے علم میں انسانی زندگی کے دو پہلوؤں سے بحث کی جاتی ہے۔ انسان اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے بہت سی احتیاجات رکھتا ہے۔ اس کی احتیاجات کی تسکین سے ہی دنیا میں انسانی زندگی کا وجود ممکن ہوتا ہے۔ احتیاجات کی تسکین وسائل معاش کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ اس لیے علم معاشیات میں انسانی احتیاجات اور ان کی تسکین کے لیے وسائل معاش سے بحث کی جاتی ہے۔ لامحدود خواہشات اور واقعی احتیاجات کے درمیان امتیاز پیدا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے انسان کی حقیقی اور واقعی احتیاجات کے حوالے سے بھی علم الاقتصاد میں گفتگو کی جاتی ہے۔ اس طرح معاشیات کے

www.rahimia.org

مضمون میں انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے وسائل معاش کی پیدائش، ان کی تقسیم، وسائل کے باہمی تبادلے اور ان کے صَرف سے متعلق امور زیر بحث آتے ہیں۔

1.5۔ معاشیات کی تعریف

ماہرین معاشیات نے علم معاشیات کی کئی تعریفیں کی ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

(ا) علامہ ابن خلدونؒ (متوفی 1406ء) نے معاشیات کی تعریف یہ کی ہے:

"إنّ المعاش هو عبارةٌ مِن ابتغاء الرّزق و السّعی فی تحصیلهٖ"[18].

(معاشیات ایک ایسا علم ہے کہ جس میں وسائل رزق تلاش کیے جاتے ہیں۔ اور ان کے حصول کے لیے محنت اور کوشش کی جاتی ہے۔)

(۲) حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ۱۱۴۷ھ/1734ء میں اپنی کتاب "حُجّةُ اللّٰه البالغة" لکھی ہے، اس کتاب میں اور "البدور البازغة" میں علم معاشیات کی بڑی جامع تعریف کی ہے۔ "البدور البازغة" کی عبارت درجِ ذیل ہے:

"الحکمة المعاشية: أن تستوفی حوائجک علیٰ مراعاة:

(۱) مقتضی الأخلاق الفاضلة،

(۲) و مقتضی العلوم التّجاربيّة، (۳) و الرّأی الکلّی"[19].

(حکمتِ معاشی یہ ہے کہ تم اپنی حاجات کو 1۔ انسانی فطرت کے بنیادی اخلاق، 2۔ دور کے تجرباتی علوم، 3۔ اجتماعِ انسانی کے عمومی اور کلی مفادات کے تقاضوں کی رعایت رکھتے ہوئے پورا کرو۔)

اس تعریف کے مطابق انسانی زندگی کی حاجات کی نوعیت اور حیثیت متعین کرنے کے لیے بھی تین بنیادی امور کو پیش نظر رکھا جائے گا:

1۔ ایک یہ کہ انسانی احتیاجات کی تعیین میں بنیادی اقدار و اخلاق کی رعایت رکھی جائے۔

www.rahimia.org

2۔ دوسرے یہ کہ ہر دور کی ٹیکنالوجی اور تجرباتی علوم کے تقاضوں کو سامنے رکھا جائے۔

3۔ تیسرے یہ کہ ان حاجات کا پورا کرنا اجتماعی مفادِ عامہ کے نقطہ نگاہ سے بھی درست ہو۔

اسی طرح ان حاجات کی تسکین کے لیے حاصل کیے گئے وسائل معاش کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور صَرف میں بھی انھی تینوں بنیادی اصولوں کو سامنے رکھا جائے گا۔

(۳) سرمایہ داری نظام کے بانی ایڈم سمتھ نے 1776ء میں اپنی کتاب ''دولت ِاقوام'' میں لکھا: اقتصادیات (Economics) وہ علم ہے، جو انسان کی زندگی کے اس پہلو سے بحث کرتا ہے، جس کا تعلق ''دولت'' سے ہے۔ چناں چہ اس نے اپنی کتاب میں ''دولت'' کے چار پہلوؤں؛ ''پیدائش''، ''تقسیم''، ''تبادلہ'' اور ''صَرف'' کے انسانی زندگی کے ساتھ تعلق سے بحث کی ہے۔ سرمایہ دارانہ نقطہ نگاہ سے ان چاروں حوالے سے فردِ واحد یا سرمایہ دار طبقہ کردار ادا کرتا ہے[20]۔

(۴) سوشلزم کے نزدیک معاشیات ایک ایسا علم ہے، جس میں انسانی محنت کی اساس پر سماجی اور اجتماعی حوالے سے دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور صَرف کے عمل پر بحث کی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک ان چاروں دائروں میں انفرادی نقطہ نگاہ سے بحث نہیں کی جاتی۔

1.6۔ معاشیات کا موضوع

اس علم کا موضوع انسان کی معاشی زندگی کی احتیاجات اور اس سے متعلق وہ وسائل معیشت اور ''دولت'' ہے، جس کے عوارضِ ذاتیہ یعنی ''پیدائش دولت'' اور ''صَرفِ دولت'' وغیرہ کے بارے میں گفتگو اور بحث کی جاتی ہے۔

www.rahimia.org

1.7۔معاشیات کی غرض و غایت اور مقصد

اقتصادیات کے مطالعے کا مقصد یہ ہے کہ اشیا (Goods) اور خدمات (Services) کے ذریعے انسان کی بے شمار حاجات اور ضروریات کو پورا کرنے کے متعلق علم حاصل کیا جائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ انسانوں کی حاجات کی بابت کچھ علم ہونا چاہیے اور دولت اور قدرتی وسائل (Natural Resources) کے متعلق کچھ معلومات ہونی چاہئیں۔ان سب کو مدنظر رکھتے ہوئے خدا کی عطا کی ہوئی نعمتوں کو انسانی بہتری اور فلاح و بہبود کے لیے کیسے استعمال کیا جائے۔یعنی انسانوں کو حتیٰ المقدور بھوک اور تکالیف سے آزاد کرایا جائے۔اور ان کی حاجات اور ضروریات کو پورا کیا جائے،تاکہ وہ خوش حال ہوسکیں[21]۔اس طرح خدا کے بندے امن وسکون کی زندگی بسر کرتے ہوئے خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اور اس کی یاد سے غافل نہ ہوں۔

- - - - - - - - - - - - - - - - -

www.rahimia.org

(2)

جدید معاشیات کی چند بنیادی اصطلاحات

اقتصادیات کی تعریف، موضوع اور غرض و غایت کے بعد اس علم کی چند بنیادی اصطلاحات کا جاننا بھی ضروری ہے۔ یوں تو اس علم کی اصطلاحات بہت ہیں، لیکن ہم یہاں پر صرف ان اصطلاحات کا تذکرہ کریں گے، جو بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یوں معاشیات سے متعلق ہونے والی بحث و گفتگو میں بیان کیے جانے والے الفاظ کے وہ معنی مراد نہ لیے جائیں، جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں، بلکہ ان کے اصطلاحی مفاہیم ہی مراد لیے جائیں، تاکہ بحث و گفتگو اپنے منطقی انداز میں سمجھ میں آجائے۔

پھر بعض معاشی اصطلاحات اس قسم کی ہیں کہ مختلف زاویہ ہائے فکر رکھنے والے ماہرین کے ہاں ان کے مختلف مفاہیم پیشِ نظر رہے ہیں۔ اس لیے ان کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے۔ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ ہر اصطلاح کا پورا پورا مفہوم ان نظاموں سے متعلق ماہرین کی روشنی میں بیان کریں۔

2.1۔ حاجات (Wants)

انسانی جسم کی وہ حالت، جب کہ انسان کسی شئے کا محتاج ہوتا ہے، پھر اس شئے کے حاصل ہونے پر اسے تسکین اور راحت ملے، اسے حاجت کہا جاتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک انسان کی حاجات کے تعین کے لیے انسانیت کی مسلمہ اقدار و اَخلاق، دور کے تجرباتی علوم اور اجتماعی مفادِ عامہ کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ چناں چہ اسی تناظر

www.rahimia.org

میں معاشی حاجات کا تعین کیا جانا چاہیے۔

انسان کی معاشی حاجات کی تین قسمیں ہیں:

i۔ ضروریات (Necessities): یہ وہ احتیاجات ہیں، جو انسان کی زندگی کے لیے اشد ضروری ہیں۔ مثلاً کھانا، کپڑا اور گھر وغیرہ۔ ان احتیاجات کو پورا کیے بغیر انسان کی زندگی بسر نہیں ہوسکتی۔

ii۔ آسائشات (Comforts): یہ وہ حاجات ہیں، جن کے پورا ہونے سے انسان آسانی اور سہولت سے زندگی بسر کر سکے۔ ان احتیاجات کو پورا کرنے سے انسان کی کارکردگی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

ii۔ تعیّشات (Luxuries): یہ وہ ہیں جو انسان کے لیے خاص طور پر تو ضروری نہیں ہیں، لیکن ان کے استعمال سے انسان عیش کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔تعیّشات کے استعمال سے انسان کی کارکردگی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نقطہ نظر سے انسانیت کے بنیادی اَقدار و اَخلاق، انسانی زندگی کے تجربات اور اجتماعی مفادِ عامہ کی رُو سے انسانی حاجات کی تسکین کے لیے ''رفاہیتِ متوسطہ'' یعنی آسائشات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

2.2۔اشیا و خدمات (Goods and Services)

علم معاشیات میں ''اشیا'' وہ ہیں، جو انسان کی کسی نہ کسی حاجت کو پورا کریں۔ اگر وہ مادی ہوں تو ''اشیا'' (Goods) کہلاتی ہیں اور اگر غیر مادی ہوں جیسے انسان کی ذہنی و عقلی اور جسمانی خدمات، تو انھیں ''خدمات'' (Services) کے الگ لفظ سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ ویسے ''اشیا'' کا لفظ دونوں پر بھی بولا جا سکتا ہے[22]۔

اشیا کی دو قسمیں ہیں:

[1] مفت اشیا (Free Goods): یہ وہ قدرتی اشیا ہیں، جو بغیر کسی محنت اور معاوضے کے حاصل ہوجاتی ہیں۔ مثلاً ہوا، سورج کی روشنی وغیرہ[23]۔ ان سے بغیر کسی

www.rahimia.org

عوض کے ''افادہ'' حاصل ہوتا ہے۔

[2] معاشی اشیا (Economic Goods): ایسی اشیا جنھیں انسان بذریعہ محنت حاصل کرتا ہے[24]۔ پھر انھیں حاصل کرنے کے لیے دوسرے انسان کو معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے[25]۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھیں ایک شخص سے دوسرے کے پاس منتقل کیا جاسکتا ہے، یا ان کا افادہ واستعمال منتقل ہوسکتا ہے۔

سرمایہ داری ذہن رکھنے والے ماہرینِ معاشیات ''محدود'' ہونا بھی ''معاشی اشیا'' کے اوصاف میں سے بیان کرتے ہیں۔ نیز وہ ''مفت اشیا'' کے ساتھ بھی ۔ لامحدود ۔ وصف کا اضافہ کردیتے ہیں[26]۔

اس طرح وہ زمین اور قدرتی وسائل کو ''مفت اشیا'' کے زمرے سے خارج کردیتے ہیں اور زمین وغیرہ کو محدود قرار دے کر ''معاشی اشیا'' میں داخل کرتے ہیں۔ اور انھیں ''قانونِ طلب ورسد'' کے تابع کردیتے ہیں۔ لیکن دوسرے ماہرینِ معاشیات اس قید اور وصف کا اضافہ نہیں کرتے، بلکہ ان کے نزدیک ہر چیز جب قدرتی اور فطری حالت میں ہوتی ہے تو وہ ''مفت اشیا'' میں داخل ہے۔ خواہ وہ کائنات میں محدود تعداد میں ہو یا لامحدود ہو۔

سرمایہ داری نظام کے حامی ماہرینِ معاشیات کا یہ نظریہ کہ ''انسانی حاجات لامحدود ہیں'' اور بعض قدرتی وسائل انسانی ضروریات کے مقابلے میں محدود ہوتے ہیں''[27] دینی نقطہ نگاہ سے درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ جہاں تک ''انسانی ضروریات'' کا تعلق ہے، ان کے پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قدرتی وسائل بڑی وافر مقدار میں پیدا کیے ہیں۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا''[28]۔

(کوئی جان دار روئے زمین پر ایسا نہیں، مگر یہ کہ اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے

www.rahimia.org

ذمے ہے۔)

ظاہر ہے کہ اس رزق کو قدرتی وسائل کی صورت میں ہی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ان سے انسان کی ''ضروریات'' بہ خوبی پوری ہوجاتی ہیں،لیکن جہاں تک انسان کی خواہشات کا تعلق ہے، تو پھر ایک انسان کی خواہشات ہی اتنی ہوجائیں گی کہ پوری کائنات بھی اس کے سامنے محدود ہوگی۔

اس تناظر میں دین اسلام کے نقطہ نگاہ سے بھی ''مفت اشیا'' کے ساتھ ''لامحدود'' کی قید لگانا درست نہیں ہے۔اس لیے کہ کوئی شئے جب تک قدرتی حالت میں ہوتی ہے، وہ کسی کی ملکیت نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے اوراس نے بغیرکسی معاوضے کے ہر انسان کو یکساں طور پر اپنی اپنی استعداد کے موافق اُس سے فائدہ اٹھانے کا اختیار دیا ہے، لیکن جب کوئی شخص محنت ومشقت برداشت کرکے اُس شئے کو اپنے قبضے میں لے آتا ہے تو پھر بہ طور تصرف اور نفع کے اس کی ملکیت شروع ہوتی ہے۔تب ہی معاوضے اور تبادلے کا عمل شروع ہوتا ہے۔

دراصل سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں اشیا کے محدود اور کم یابی پر جو اتنا زور دیا جاتا ہے، اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس طرح طلب و رسد کے قانون کو ذخیرہ اندوزی کے ذریعے سے من مانے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔اشیا کی کم یابی اور محدود ہونے کا زیادہ تر مدار سرمایہ داروں کی ذخیرہ اندوزی پر ہوتا ہے، یا صحیح منصوبہ بندی نہ ہونے کی وَجہ سے قدرتی وسائل سے بھرپور استفادہ نہیں کیا جاتا۔ جو یقیناً نظامِ حکومت کی کوتاہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

2.3۔معاشی اشیا کی اقسام

معاشی اشیا کی دو قسمیں ہیں:

i۔ اشیائے صَرف (Consumer's Goods): ایسی تمام اشیا' اشیائے صَرف کہلاتی ہیں، جن کے استعمال سے براہِ راست تسکین حاصل ہوتی ہے۔معلم،

www.rahimia.org

ڈاکٹر اور حجام وغیرہ کی خدمات کے علاوہ روٹی، قلم، کتاب، ریڈیو، سائیکل وغیرہ چیزیں بھی اس میں شامل ہیں۔

ii۔ اشیائے سرمایہ (Capital Goods): یہ اشیا براہِ راست انسانی ضروریات کو پورا نہیں کرتیں، بلکہ مزید اشیا ''پیدا'' کرنے یا ''آمدنی'' کے حصول میں مدد دیتی ہیں۔ مثلاً خام مال جیسے دھاتیں، کپاس، کھالیں یا نیم تیار شدہ مال جیسے سوت، کیمیاوی مرکبات یا مکمل اشیا جیسے مشینیں، اوزار، آلات وغیرہ[29]۔

2.4۔ دولت (Wealth) / سرمایہ (Capital)

عام بول چال میں روپیہ پیسہ یا زمین و جائیداد کو ''دولت'' کہا جاتا ہے، لیکن معاشیات میں ''دولت'' سے مراد ''معاشی اشیا'' ہیں۔

سرمایہ داروں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر ''معاشی اشیا'' ذاتی صَرف اور استعمال کے لیے رکھ لی جائیں تو ''دولت'' ہیں اور اگر مزید اشیا پیدا کرنے کے لیے گردش میں لائی جائیں تو ''سرمایہ'' ہیں، لیکن سوشلسٹوں کے نزدیک ''دولت'' ہر حال میں ''صَرف'' ہوتی ہے۔ خواہ براہِ راست استعمال میں لا کر صَرف کرلیا جائے اور اپنی کسی حاجت کی تسکین کرلی جائے یا ''انسانی محنت'' اور دولت کو ''صَرف'' کرکے کسی چیز میں مزید ''افادہ'' پیدا کرنے کے لیے استعمال میں لایا جائے۔ ان کے ہاں ''سرمایہ''، ''قدرِ زائد'' ہے، جو ''منجمد محنت'' یا ''انسانی سماجی محنت'' ہے۔ اور وہی مزید اشیا پیدا کرتی ہے۔ اس سے متعلقہ پوری بحث لفظ ''سرمایہ'' کی تشریح میں آئندہ بیان ہوگی۔

2.5۔ افادہ (Utility)

عام طور پر ''افادہ'' کا لفظ فائدہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لیکن معاشیات میں اس کا مفہوم کچھ مختلف ہے۔ کسی شئے میں انسانی ضروریات کو پورا کرنے کی جو صلاحیت پائی جاتی ہے، معاشیات میں اسے ''افادہ'' کہتے ہیں۔ مثلاً روٹی ہماری بھوک

www.rahimia.org

مٹاتی ہے اور پانی پیاس بجھاتا ہے وغیرہ وغیرہ[30]۔

افادہ کی دو قسمیں ہیں:

i۔ قدرتی افادیت(Natural Utility):

یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا شدہ کسی شئے کی وہ صلاحیت، جسے انسان اپنے استعمال میں لاتا ہے، اس میں وہ تمام قدرتی وسائل اور خام مواد شامل ہے، جو ابھی فطرتی اور قدرتی حالت میں ہیں۔ مثلاً دریاؤں کا پانی، جنگلات کی لکڑی، زمین میں دبی معدنیات وغیرہ۔

ii۔ تخلیقی افادیت(Productive Utility):

یعنی قدرتی اشیا میں انسانی محنت اپنی قوت وتوانائی ''صَرف'' کرکے ایسی مزید صلاحیت پیدا کردے کہ جس سے انسان کو ''افادہ'' حاصل ہو۔ مثلاً لکڑی کو فرنیچر کی شکل دینا وغیرہ۔

پھر تخلیقی افادیت کی معاشیات کے بنیادی شعبوں؛ زراعت، تجارت اور صنعت کے حوالے سے چند قسمیں ہیں:

i۔ افادۂ حفاظت (Security Utility):

ایک شئے کی آپ ایک خاص مدت تک حفاظت کرتے ہیں اور اس پر آپ کی محنت صَرف ہوتی ہے تو اس طرح بھی شئے میں ''افادہ'' پیدا ہوتا ہے۔ اِسے ''افادۂ حفاظت'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک کاشت کار فصلوں کی پیداوار اٹھانے کے لیے محنت بھی کرتا ہے اور ایک خاص مدت تک اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ جب کہ فصل کی نشو ونما میں ذاتی طور پر اس کا کردار نہیں ہوتا۔ اس افادہ کا تعلق ابتدائی طور پر شعبۂ زراعت سے ہے۔ اور ثانوی طور پر مصنوعات اور تجارتی اشیا کے تحفظ کے لیے ہونے والی جدوجہد اور محنت بھی ''افادۂ حفاظت'' کی ایک نوعیت ہے۔

www.rahimia.org

ii۔ افادۂ شکل (Form Utility):

محنت صَرف کرکے کسی شئے کی شکل وصورت تبدیل کرنے سے بھی ''افادیت'' پیدا ہوجاتی ہے۔ اِسے ''افادۂ شکل'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً لکڑی کی شکل تبدیل کرکے فرنیچر تیار کرنے سے لکڑی میں ایک نئی افادیت پیدا ہوگئی۔ عام طور پر کسی شئے میں یہ افادیت، صنعت وحرفت کے ذریعے سے پیدا کی جاتی ہے۔

ii۔ افادۂ مقام (Place Utility):

محنت سے کسی چیز کی جگہ تبدیل کردینے سے بھی افادہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ دریا کے کنارے پڑی ریت جب شہر میں منتقل کردی تو اس میں افادیت پیدا ہوگئی۔ اسے ''افادۂ مقام'' کہا جاتا ہے۔ تاجر ایک شہر کی مصنوعہ چیز کو دوسرے شہر لے جائے تو اس طرح وہاں کے لوگوں کے لیے اس شئے میں افادیت پیدا ہوجاتی ہے۔ کسی شئے میں یہ افادیت، عام طور پر تبادلۂ اشیا اور تجارت کے ذریعے سے پیدا ہوتی ہے۔

2.6۔ قانون تقلیل افادہ (Law of Diminishing Utility)

انسانی احتیاجات اور انھیں پورا کرنے والی اشیا میں موجود ''افادیت'' کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لیے معاشیات کا ایک اہم قانون ''قانونِ تقلیل افادہ'' ہے۔ جب ہم اپنی کسی حاجت کو پورا کرنے کے لیے کوئی شئے صَرف کرتے ہیں تو چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں اِسے خرچ کرتے ہیں۔ تمام اکائیوں کو بیک وقت اکٹھے ہی استعمال نہیں کرتے۔ اب جیسے جیسے کسی شئے کی مختلف اکائیوں کو الگ الگ استعمال کرتے رہیں گے، ویسے ویسے ان کے صَرف کی حاجت کم ہوتی چلی جائے گی۔ یوں اس خاص وقت میں اُس شئے سے حاصل ہونے والا افادہ کم ہوتا چلا جائے گا۔ مثلاً اگر کوئی انسان بھوک مٹانے کے لیے ڈبل روٹی (Bread) کا استعمال کرتا ہے تو انھیں الگ الگ اکائیوں کی شکل میں استعمال کیا جاتا

www.rahimia.org

ہے۔ پھر جیسے جیسے ایک سلائس پر دوسرا سلائس کھاتے جائیں گے تو ان کا افادہ کم ہوتا جائے گا۔ حتیٰ کہ ایک درجے پر جا کر ''افادہ صفر'' ہوجائے گا، بلکہ مزید کھانے سے ''افادہ منفی'' شروع ہوجائے گا۔

اس قانون کو سمجھنے کے لیے درجِ ذیل اصطلاحات کا ذکر ضروری ہے:

i۔ **ابتدائی افادہ** (Initial Utility): کسی شئے کی پہلی اکائی کا استعمال کرنے سے جو افادہ حاصل ہوتا ہے، اسے ''ابتدائی افادہ'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً ڈبل روٹی کھاتے وقت پہلے سلائس کا افادہ ''ابتدائی افادہ'' ہے۔

ii۔ **مختتم افادہ** (Marginal Utility): اس سے مراد کسی شئے کی ہر اگلی اکائی سے حاصل ہونے والا افادہ ہے۔ مثلاً پہلے سلائس کا افادہ اگر 10 درجے ہے تو دوسرے سلائس کا 8 درجہ اور تیسرے کا 6 درجہ وغیرہ۔

iii۔ **کل افادہ** (Total Utility): وہ افادہ جو کسی شئے کی تمام اکائیوں سے مجموعی طور پر حاصل ہو۔ مثلاً ایک آدمی نے 3 سلائس کھائے تو ان کا مجموعی افادہ ''کل افادہ'' کہلائے گا۔

iv۔ **مثبت افادہ** (Positive Utility): جب کسی شئے کی اکائیوں کے استعمال سے تسکین اور راحت ملتی رہے تو یہ ''افادہ مثبت'' کہلاتا ہے۔

v۔ **صفر افادہ** (Zero Utility): افادہ صفر اس وقت ہوتا ہے، جب کوئی حاجت مکمل طور پر پوری ہوجائے اور شئے کو مزید صَرف کرنے کی حاجت باقی نہ رہے۔

vi۔ **منفی افادہ** (Negative Utility): اگر حاجت پوری ہونے کے بعد بھی کوئی شئے صرف کی جائے تو وہ تسکین دینے کے بجائے الٹا نقصان دیتی ہے۔ اسے ''منفی افادہ'' کہا جاتا ہے۔

افادے کی ان حالتوں کو درجِ ذیل نقشے سے بہ خوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ فرض کیا کہ آپ سلائس کھا رہے ہیں اور سلائس کی ہر اکائی سے حاصل ہونے والا ''افادہ'' درجِ ذیل چارٹ کی صورت میں سامنے آتا ہے:

www.rahimia.org

بریڈ کی اکائیاں	زائد اکائی سے حاصل شدہ افادہ (افادہ مختتم)	کل افادہ
1	(مثبت افادہ) 10 یونٹ	10
2	(مثبت افادہ) 8 یونٹ	18 = 8+10
3	(مثبت افادہ) 5 یونٹ	23 = 5+18
4	(مثبت افادہ) 2 یونٹ	25 = 2+23
5	صفر	25 = 0+25
6	(منفی افادہ) -2 یونٹ	23 = 2-25
7	(منفی افادہ) -5 یونٹ	18 = 5-23

پہلے سلائس سے حاصل ہونے والا افادہ 10 ہے۔ یہ ''ابتدائی افادہ'' ہے؛ اگر صارف 4 سلائسز استعمال کر کے کھانا ختم کر دیتا ہے تو چوتھی اکائی سے حاصل ہونے والا افادہ "2" اس کا ''افادۂ مختتم'' ہوگا، اور اس کا ''کل افادہ'' 25=(2+5+8+10) ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جوں جوں صارف سلائس کی زیادہ اکائیاں استعمال کرتا جاتا ہے، ہر بعد میں آنے والی اکائی کا افادہ، پہلے استعمال شدہ اکائی کی نسبت سے کم ہوجاتا ہے۔ مگر مجموعی افادہ بڑھتا رہتا ہے۔ اب 4 سلائسز کا ''افادہ مثبت'' رہا۔

پانچویں سلائس پر ''افادہ صفر'' ہوگیا۔ یعنی گزشتہ مجموعی افادہ پر کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ چھٹے سلائس استعمال کرنے سے افادہ کے بجائے اُلٹا نقصان ہوا۔ یعنی ''منفی افادہ'' حاصل ہوگا اور اس طرح کل افادہ بھی کم ہوجائے گا۔

قانونِ تقلیل افادہ کی معاشیات میں بڑی اہمیت ہے۔ اس قانون سے معاشیات کے بہت سے اہم مسائل حل کیے جاتے ہیں۔

www.rahimia.org

2.7۔ پیدائشِ دولت (Production of Wealth)

دنیا میں قدرتی وسائل اور مادہ (Matter) روزِ ازل سے موجود ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اسے کم یا زیادہ کرنا یا تخلیق کرنا کسی انسان کے لیے ناممکن ہے۔ البتہ انسان اس کا تحفظ، شکل اور مقام وغیرہ تبدیل کر کے اس میں ''افادیت'' کی تینوں اقسام میں سے کوئی سا ''افادہ'' پیدا کر سکتا ہے، جسے صَرف کر کے انسان اپنی کسی حاجت کو پورا کر سکے۔ کسی شئے میں یہی افادۂ تحفظ، افادۂ شکل یا افادۂ مقام پیدا کرنے کو معاشیات میں ''پیدائش'' کہا جاتا ہے۔ قدرتی یا پیدا شدہ وسائل میں عملِ پیدائش کے ذریعے ''دولت'' وجود میں آتی ہے۔

2.8۔ عاملینِ پیدائشِ دولت (Factor of Production)

دولت کی پیدائش کے عاملین وہ کہلاتے ہیں، جو قدرتی وسائل میں ''افادیت'' یا ''سرمایہ'' میں مزید افادیت پیدا کرنے کے لیے کردار ادا کرتے ہیں۔ عاملینِ پیدائش دولت کا تعین اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ تقسیم دولت کا عمل انھی کے مطابق ہو۔

معاشیات کے مختلف نظریات کے تناظر میں زیادہ سے زیادہ عاملین پیدائش دولت چار ہو سکتے ہیں:

i۔ زمین (Land)
ii۔ محنت (Labour)
iii۔ سرمایہ (Capital)
iv۔ تنظیم (Orgnization)

i۔ زمین (Land)

معاشیات میں ''زمین'' محض سطحِ ارض کا نام نہیں ہے، بلکہ معاشی اصطلاح میں ''زمین'' سے مراد وہ تمام قدرتی وسائل اور اشیا ہیں، جو پیدائش دولت کے عمل میں قدرتی مادہ کی حیثیت سے استعمال ہوتے ہیں۔ چناں چہ سطح زمین اور اس کے نیچے پائی جانے

www.rahimia.org

والی تمام معدنیات، دریا، جنگلات وغیرہ ''زمین'' کی تعریف میں داخل ہیں۔ اسی طرح فضا میں پائی جانے والی قدرتی اشیا؛ ہوا، سورج کی روشنی، بارش وغیرہ بھی ''زمین'' کی تعریف میں داخل ہیں۔غرض یہ کہ تمام قدرتی وسائل، جب کہ ان میں کوئی عملِ محنت نہ کیا گیا ہو، زمین ہے۔

سرمایہ دارانہ نقطہ نگاہ سے ''زمین'' سرمائے سے الگ عامل پیدائش دولت ہے۔ اسی لیے جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام میں تقسیم دولت کے وقت اس کا الگ حصہ ''لگان'' کی صورت میں وصول کیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''زمین'' پر مبنی قدرتی اشیا اپنی ابتدائی حالت میں کسی خاص فرد کی ملکیت نہیں، بلکہ تمام انسانوں کے لیے مشترکہ طور پر مباح ہیں۔ ملکیت اور اس پر لگان وصول کرنے کا معاملہ اُس وقت زیر بحث ہوگا، جب زمین پر انسانی محنت کا عمل دخل ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نقطہ نظر سے وہ قدرتی وسائل جن میں انسانی محنت کے ذریعے سے افادیت پیدا کی جائے اور اُسے مزید پیدائش کے لیے استعمال میں لایا جائے ''سرمایہ'' کے دائرے میں داخل ہیں۔ اس لیے بعض مفکرین کے نزدیک یہ الگ عامل پیدائش دولت نہیں، بلکہ ''سرمایہ'' کا حصہ ہے[31]۔

ii۔محنت (Labour)

معاشیات میں محنت سے مراد انسان کی وہ تمام ذہنی یا جسمانی قابلیتیں اور صلاحیتیں ہیں، جنھیں صَرف کرکے وہ کسی ''شئے'' میں ''افادیت'' پیدا کرتا ہے۔ انسانی محنت اشیا کے تحفظ، شکل وصورت یا مقام کی تبدیلی کی صورت میں ہوتی ہے، جس سے ان میں افادیت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح انسانی محنت پیدائش دولت کے عمل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اور پھر یہ عمل دنیا میں کسی ایسے معاوضے کے لیے ہو، جس سے اس کی کوئی حاجت پوری ہوتی ہو۔ گویا ''محنت'' کی تعریف میں تین چیزوں کا لحاظ ضروری ہے:

الف: انسان کی دماغی یا جسمانی محنت مراد ہے، حیوان کی محنت نہیں۔

www.rahimia.org

ب: شئے میں افادہ (تحفظ،شکل وصورت یا مکان کی تبدیلی) کا پیدا ہونا۔

ج: محنت کا مقصد کسی مادی یا مالی معاوضے کا حصول ہو۔

ورزش، کھیل کود اور لغو وفضول کاموں کی محنت و مشقت ''معاشی محنت'' میں شامل نہیں۔

محنت کی معاشی اہمیت

''محنت'' تمام معاشی نظریات میں بنیادی عامل پیدائش دولت کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیوں کہ عمل پیدائش اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ انسانی محنت کسی نہ کسی شکل میں اس میں شامل نہ ہو۔

پھر سرمایہ دارانہ نقطہ نظر کے ماہرین معاشیات ''مشین'' وغیرہ کے کام کو ''سرمایہ'' قرار دیتے ہیں، اُسے ''محنت'' قرار نہیں دیتے ہیں۔

جب کہ کارل مارکس (Karl Marks) نے ''انسانی محنت'' کی دوقسمیں کی ہیں:

الف: جان دار محنت: انسان کی وہ محنت جو وہ کام کے وقت خرچ کررہا ہے اور شئے میں مزید افادیت پیدا کر رہا ہے ''جان دار محنت'' کہلاتی ہے۔

ب: بے جان محنت یا متجسم محنت: یعنی انسان کی وہ محنت جسے کسی شئے کی تیاری پر خرچ کی جا چکی ہے۔ اوراس کی وجہ سے شئے میں ''قدر'' پیدا ہوگئی ہے۔ جیسے مشین اور دولت (جسے مزید دولت پیدا کرنے کے لیے پھر صَرف کیا جائے) دراصل ''متجسم محنت'' ہیں۔ چناں چہ مارکس ایک جگہ لکھتا ہے:

> ''سماجی محنت کی متجسَّم مقدار جنس (دولت) ...میں اوّل سے آخر تک رہتی ہے''(32)۔

iii۔سرمایہ (Capital) / دولت (Wealth)

''زمین'' (Land) میں ''انسانی محنت'' (Labour) سے جو اشیا و اَجناس بہ شمول

www.rahimia.org

زمین و مشین وجود میں آتی ہیں اور انھیں مزید ویلیو ایڈ کرنے کے لیے زراعت، صنعت اور تجارت میں استعمال کیا جاتا ہے، اُسے کیپٹل (Capital) کہا جاتا ہے۔ چناں چہ زراعت، صنعت اور تجارت کی مصنوعات اور مشین، زمین اور اشیا و اَجناس کی صورت میں تمام اشیا ''سرمایہ'' (Capital) کے ذیل میں آتی ہیں۔

سوشلسٹ نقطہ نظر سے کیپٹل ''**مُنجمَد** انسانی محنت'' کا دوسرا نام ہے۔

دولت

اگر انھی تمام اشیا میں مزید ویلیو ایڈ نہ کی جائے اور انھیں کاروبار میں استعمال نہ کیا جائے، بلکہ ذاتی صرف کے لیے رکھ لیا جائے تو اسے ''دولت'' (Wealth) کہا جاتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام نے نقد ''زر'' (Money) کو بھی سرمائے اور کیپٹل میں شمار کیا ہے۔ اسی لیے اُن کے ہاں زر (Money) کو قرض کی صورت میں دے کر سود وصول کرنے کو درست سمجھا جاتا ہے، حال آں کہ زر میں فی ذاتہ کسی قسم کی کوئی ویلیو ایڈ نہیں ہوسکتی۔ اس لیے اُصولاً اُسے کیپٹل میں شمار کرنا غلط ہے۔

دینِ اسلام کے نقطۂ نظر سے زر (Money) صرف تبادلۂ اشیا کے لیے ایک آلۂ مبادلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ نقد زر کو کرائے پر چڑھانے اور اصل زر سے زائد وصول کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے خرید کی گئی اشیا میں تو ویلیو ایڈ ہوسکتی ہے، لیکن خود زر میں کسی قسم کی ویلیو ایڈ نہیں ہوسکتی۔ اس لیے دینِ اسلام کے نقطۂ نظر سے زر، کیپٹل میں شمار نہیں ہوتا۔

iv۔ تنظیم (Orgnizaition)

سرمایہ دارانہ نقطہ نظر سے معاشیات میں اس کا مطلب وہ تنظیم اور منصوبہ بندی ہے، جو ایک ماہرِ فن اور مالک مذکورہ عناصر (یعنی زمین، محنت اور سرمایہ) سے فائدہ اٹھانے کے لیے تجویز کرتا ہے۔ یعنی زمین، محنت اور سرمائے کو ملا کر وہ جو پلاننگ کرتا اور نفع نقصان کا ذمہ دار بنتا ہے، اُسے تنظیم کہا جاتا ہے۔

www.rahimia.org

عام طور پر سرمایہ دارانہ نقطہ نظر رکھنے والے مفکرین کے ہاں پیدائش دولت کے یہ چار عاملین ہیں۔ بعض مفکرین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ عقلی طور پر ''زمین'' سرمائے میں شامل ہے۔ جب کہ ''تنظیم''، ''محنت'' میں شامل ہے کہ یہ ذہنی محنت ہے۔ اس طرح اصل دو عامل پیدائش دولت سرمایہ اور محنت رہ جاتے ہیں[33]۔

2.9۔ تقسیم دولت (Distribution of Wealth)

معاشیات میں تقسیم دولت سے مراد یہ ہے کہ دولت کی پیدائش کرنے والے عاملین میں پیدا شدہ دولت کی تقسیم کی جائے۔

سرمایہ دارانہ ماہرین معاشیات کے نزدیک چوں کہ عاملینِ پیدائش دولت چار ہیں:

i۔ زمین ii۔ محنت iii۔ سرمایہ iv۔ تنظیم

ان کے نزدیک پیداوار کو ان چار عاملین پیدائش دولت کے درمیان ایک خاص تناسب کے ساتھ تقسیم ہونا چاہیے۔

(الف) ''لگان'' (Rent): یعنی پیداوار کا ایک حصہ ''زمین'' (Land) کے معاوضے کے طور پر لیا جاتا ہے۔

(ب) ''اُجرت'' (Wage): پیداوار کا دوسرا حصہ ''محنت'' (Labour) کا ہوتا ہے۔ اسے ''اُجرت'' کہا جاتا ہے۔

(ج) ''سود'' (Interest): پیداوار کا تیسرا حصہ ''سرمایہ'' (Capital) کا ہوتا ہے، جسے ''سود'' کہا جاتا ہے، خاص طور پر ''زر'' کا معاوضہ ''سود'' کہلاتا ہے۔

(د) ''منافع'' (Profit): پیدا وار کا چوتھا حصہ ''آرگنائزر'' یا آجر کا ہوتا ہے، جسے ''منافع'' کا نام دیا جاتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں ان چاروں کے حصص میں طلب و رسد کی بنیاد پر کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

بعض سرمایہ دارانہ ماہرینِ معاشیات نے دو عاملِ پیدائشِ دولت : ''سرمایہ'' اور

www.rahimia.org

''محنت'' قرار دیے ہیں تو اُن کے نزدیک زمین، مشین اور اشیا اور اَجناس پر مشتمل ''سرمایہ'' کا معاوضہ ''لگان اور کرایہ'' اور زر پر مشتمل سرمائے کا معاوضہ ''سود'' ہے اور ''محنت'' میں مزدور کا معاوضہ ''اجرت'' اور منتظم کی محنت کا معاوضہ ''منافع'' ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ''سرمایہ'' کے مقابلے پر ''محنت'' کی سوداکاری (bargaining) کی قوت کم ہوتی ہے۔ اس لیے پیداوار کا زیادہ تر حصہ سرمایہ دار منافع اور سود کی شکل میں وصول کرلیتا ہے اور زمین بھی عام طور پر مالک کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس لیے زمین کا معاوضہ ''لگان'' کی صورت میں بھی مالک کی جیب میں جاتا ہے۔ جب کہ محنت کشوں کو معمولی اُجرت لینے پر مجبور کردیا جاتا ہے۔

دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق عاملینِ پیدائشِ دولت دو ہیں: سرمایہ اور محنت؛ محنت بہ طور عاملِ پیدائش اور سرمایہ معاون عاملِ پیدائش۔ اشیا و اَجناس اور زمین اور مشین پر مشتمل ''سرمایہ'' اور انسانی ''محنت'' میں تعاونِ باہمی کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایسی ہر ایک صورت میں منافع کی تقسیم کا طریقۂ کار فریقین کے حصص اور کاموں کی ذمہ داریوں کی نوعیت کے مطابق طے کیا جائے گا۔

2.10۔ تبادلۂ دولت (Exchange of Wealth)

پیدا شدہ دولت اور تقسیم شدہ دولت کے بعد مالکان باہمی رضامندی سے اپنی ملکیتی اشیا کے درمیان بالعوض تبادلہ کرتے ہیں۔ اسے ''تبادلۂ دولت'' کہا جاتا ہے۔ تجارت اور اس سے متعلقہ تمام امور اسی اصطلاح کے ذیل میں آتے ہیں۔

2.11۔ زر (Money)

تبادلہ اشیا کے عمل کو آسان بنانے کے لیے سونے چاندی کو بطورِ زر استعمال کیا جاتا ہے۔ زر کی حقیقی تعریف تو صرف یہ ہے کہ ''وہ ایک آلہ مبادلہ ہے، جو قانونی طور پر تبادلہ اشیا کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے''۔

www.rahimia.org

اس کی تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے: ''زر وہ شئے ہے، جو بہ طورِ آلۂ مبادلہ قبولیتِ عامہ کا حامل ہو اور جو ساتھ ہی پیمائش قدر اور ذخیرۂ قدر کا کام بھی سرانجام دے''۔

پھر زر کی دو قسمیں ہیں:

i۔ حقیقی زر: جو کہ سونے چاندی پر مشتمل ہے۔

ii۔ اعتباری زر: چیک وغیرہ اور کاغذی نوٹ اور بینکوں کی طلبی امانتوں (Demand Deposits) پر مشتمل ہوتا ہے۔

2.12۔منڈی (Market)

عام طور پر منڈی سے مراد ایسی جگہ لی جاتی ہے، جہاں مختلف اشیا کی خرید وفروخت کی دوکانیں ہوتی ہیں اور خریدار وہاں جا کر اپنی ضروریات کی اشیا خریدتے ہیں، لیکن معاشیات میں یہ لفظ وسیع مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے۔ معاشیات میں منڈی سے مراد کوئی خاص جگہ نہیں ہوتی، بلکہ وہ تمام علاقہ ہوتا ہے، جس میں خریدار اور فروخت کار آپس میں آسانی سے مل سکیں اور اشیا کا لین دین کر سکیں۔

2.13۔قدر (Value)

معاشیات میں ''قدر'' دو اشیا کی اُس نسبت کو کہتے ہیں، جس پر اُن کا آپس میں تبادلہ ہوسکتا ہو۔ دوسرے لفظوں میں قدر سے مراد کسی شئے کی اپنے بدلے میں دوسری اشیا حاصل کرنے کی طاقت یا قوتِ خرید (Purchasing Power) ہے۔

2.14۔ قیمت (Price)

جب کسی چیز کی قدر کو زر یا روپے پیسے کی شکل میں ظاہر کیا جائے تو وہ اس چیز کی ''قیمت'' کہلاتی ہے۔ فقہی نقطہ نظر سے بازار میں اشیا کے لیے جو زر متعین کیا جاتا ہے، اُسے ''قیمت'' کہتے ہیں اور خریدار اور فروخت کنندہ بازاری قیمت سے قطع نظر جس رقم پر

www.rahimia.org

سودا طے کرلیں، اُسے ''ثمن'' کہا جاتا ہے۔

2.15۔طلب (Demand)

عام بول چال میں طلب سے مراد کسی شئے کی ضرورت یا خواہش کی جاتی ہے، لیکن معاشیات میں کوئی خواہش اس وقت تک ''طلب'' کا درجہ حاصل نہیں کرسکتی، جب تک کہ خواہش رکھنے والے شخص کے پاس اس خواہش کو پورا کرنے کے وسائل اور اُسے پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ اس لیے کہ وسائل (رقم) کے بغیر کسی شئے کو خریدنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ارادہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر رقم بھی موجود ہو، لیکن اس شئے کی خریداری کا ارادہ نہ ہو تو اس صورت میں بھی خواہش پوری نہ ہوسکے گی۔

2.16۔قانونِ طلب (Law of Demand)

جب کسی شئے کی قیمت کم ہوجاتی ہے تو اس کی طلب بڑھ جاتی ہے اور جب قیمت میں اضافہ ہوجاتا ہے تو مقدارِ طلب کم ہوجاتی ہے۔ قیمت میں تبدیلی کی وجہ سے مقدارِ طلب میں جو کمی بیشی ہوتی ہے، اسے سرمایہ دارانہ معاشیات میں ایک اصول کی حیثیت حاصل ہے، جسے ''قانونِ طلب'' کہا جاتا ہے اور یہ قانون یہ ہے کہ:

''باقی امور بدستور رہتے ہوئے اگر کسی شئے کی ''قیمت'' میں اضافہ ہوجائے تو اس کی ''طلب'' سکڑ جاتی ہے اور قیمت گر جائے تو طلب پھیل جاتی ہے''۔

'باقی امور بدستور' کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً صارفین کی پسند، اُن کا ذوق اور فیشن وغیرہ تبدیل نہ ہو، نیز ان کی آمدنی میں کمی بیشی نہ ہو اور آبادی کی تعداد میں بھی کمی یا اضافہ نہ ہو۔

2.17۔رسد (Supply)

رسد سے مراد اشیا کی وہ تعداد یا مقدار ہے، جو ایک خاص قیمت پر منڈی میں

www.rahimia.org

فروخت ہونے کے لیے پیش کی جاتی ہے۔مثلاً 18 روپے فی کلوگرام کے حساب سے 500 کلوشکرفروخت کے لیےمنڈی میں لائی جاتی ہے۔ایسی صورت میں شکر کی یہ مقدار معاشی اصطلاح میں شکر کی ''رَسد'' کہلائے گی۔

2.18۔قانونِ رسد (Law of Supply)

قانونِ رسد اصل میں قانونِ طلب کے بالکل برعکس ہوتا ہے، یعنی ''قیمت'' بڑھنے کی صورت میں ''رسد'' میں اضافہ ہوتا ہے اور قیمت کم ہونے کی صورت میں رسد میں کمی واقع ہوتی ہے۔قانونِ رسدکوان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے:

''باقی امور بدستور رہتے ہوئے اگرکسی شئے کی قیمت میں اضافہ ہوجائے تو اس کی رسد بڑھ جاتی ہے اور اگر قیمت میں کمی واقع ہوجائے تو رسد میں کمی آجاتی ہے''۔

2.19۔بینک (Bank)

بینک سے مراد وہ ادارہ ہے''جو اپنے اور دوسروں کے قرضوں کا کاروبار کرتا ہے۔ بینک کا کاروبار یہ ہے کہ وہ لوگوں سے قرض لے اور دوسرے لوگوں کوقرض دے اور یوں زرکی تخلیق کرے''(34)۔

2.20۔صَرفِ دولت (Consumption of Wealth)

جس طرح انسان مادہ (Matter) کوتخلیق نہیں کرسکتا، اسی طرح اُسے ضائع اورفنا بھی نہیں کرسکتا، بلکہ اُس کے استعمال سے مادہ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔اس طرح اس کی افادیت اور صلاحیت کو استعمال میں لاکر اُس افادیت کو زائل کرسکتا ہے۔چناں چہ دولت کے صَرف سے مراد یہ ہے کہ کسی شئے میں پیداشدہ افادہ کوزائل کرکے اپنی ذاتی یا کاروباری ضروریات کو پورا کرنا۔

www.rahimia.org

پھر سرمایہ دارانہ نقطہ نظر سے ''صَرف'' کا تعلق صِرف ذاتی استعمال کے ساتھ خاص ہے۔ اسی لیے ان کے نزدیک ''اشیائے صَرف'' میں وہ ''دولت'' داخل ہے، جسے انسان براہِ راست استعمال کر کے خرچ کرلے اور وہ اشیا جن سے مزید کمانا مقصد ہو تو انھیں سرمایہ دارانہ نقطہ نظر سے ''اشیائے سرمایہ'' کہا جاتا ہے۔

سوشلسٹ نقطہ نظر سے ''صَرف'' کا مفہوم ہر قسم کی دولت کے لیے عام ہے۔ خواہ وہ براہِ راست استعمال کر کے ''صَرف'' ہوجائے یا بالواسطہ طور پر مزید پیداوار کے لیے اس کا ''صَرف'' ہوجائے۔

اسلام کے نقطہ نظر سے کسی شئے میں پیداشدہ افادیت کا خرچ ہونا ''صَرف'' ہے۔ پھر اس کی تین صورتیں ہیں:

i۔ اِسراف و تبذیر: ذاتی یا کاروباری ضروریات سے زائد کسی چیز کو خرچ کرنا۔

ii۔ بُخل و تقتیر: ذاتی یا کاروباری ضروریات سے کم خرچ کرنا۔

iii۔ اعتدال و توازُن: ذاتی و کاروباری ضروریات کے مطابق کسی شئے کی افادیت کو اعتدال و توازن سے خرچ کرنا۔

اسلام نے صَرف کے پہلے دو طریقوں کی ممانعت کی ہے اور تیسرے راستے اعتدال اور توازن کا حکم دیا ہے۔

- - - - - - - - - - - - - - - - -

www.rahimia.org

(3)

اسلامی معاشیات کی چند بنیادی اصطلاحات

ہر ایک معاشی نظام میں انسانی احتیاجات کے لیے وسائلِ معاش کے حصول کی ضرورت ہوتی ہے۔علمِ معاشیات میں عام طور پر درجِ ذیل چار مراحل سے گفتگو ہوتی ہے:

1۔ وسائلِ معاش کی پیدوار: جسے ''پیدائشِ دولت'' کہا جاتا ہے۔

2۔ پیدا شدہ وسائل کی تقسیم: جسے ''تقسیمِ دولت'' کہا جاتا ہے۔

3۔ تقسیم شدہ وسائل کا باہمی تبادلہ: جسے ''تبادلۂ دولت'' کہا جاتا ہے۔

4۔ حاصل کردہ وسائلِ معاش کا استعمال: جسے ''صرفِ دولت'' کہا جاتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام میں بھی انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے وسائل کی ''پیدائش'' سے لے کر ''صَرفِ دولت'' کے مراحل زیرِ بحث ہوتے ہیں۔

اس حوالے سے دینِ اسلام کی معاشی تعلیمات میں استعمال کی جانے والی اصطلاحات کی ہم نے انھی چار مراحل میں درجہ بندی کی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے ارتفاقاتِ معاشیہ کی جو ترتیب حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتابوں: ''حُجّۃُ اللّٰہ البالغۃ'' اور ''البُدور البازغۃ'' میں قائم کی ہے، اُسے پیشِ نظر رکھا ہے۔ نیز اسلامی اصطلاحات کی تفہیم میں فقہی کتابوں میں بیان کردہ تعریفات اور اُن کی شرائط اور دائرۂ حدود کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ اس طرح اسلامی معاشی نظام کی بنیادی اصطلاحات کی جو ترتیب قائم ہوتی ہے، اس کے مطابق علمِ معاشیات کی حقیقت، تعریف اور اقسام کے ساتھ ساتھ چاروں مراحل کی اصطلاحات آئندہ صفحات میں پیش کی جا رہی ہیں۔

www.rahimia.org

3.1۔اصطلاحات علم معاشیات

1۔ **علم معاشیات (Economy)**: وسائل کے صحیح استعمال سے انسانی احتیاجات پورا کرتے ہوئے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا طریقہ۔قرآن حکیم نے ''معیشت'' کا لفظ کئی جگہ استعمال کیا ہے:

1.1۔**معیشتِ بطیرہ**: تعیش پسندانہ اور متکبرانہ معیشت۔قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ (35) (کتنی ہی غارت کردیں ہم نے بستیاں، جو اِترا چلی تھیں اپنی گزران میں)۔

1.2۔**معیشت ضنکا**: معیشت کی تنگی اور معاشی بھوک و اِفلاس کے لیے یہ اصطلاح قرآن حکیم نے استعمال کی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (36) (اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے، تو اُس کو ملنی ہے گزران تنگی کی)۔

1.3۔**معیشتِ مطمئنہ**: تمام ذرائع اور وسائلِ معاش کے ذریعے سے انسانی ضروریات و حاجات پورا کرنے کے لیے رزق کی اطمینان بخش فراہمی کا نظام۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:
وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ (37) (اور بتلائی اللہ نے ایک مثال، ایک بستی تھی چین امن سے، چلی آتی تھی اُس کو روزی فراغت کی ہر جگہ سے)۔

2۔ معاشیات کی حقیقت بیان کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

''الحکمة المعاشية: أن تستوفی حوائجک علٰی مراعاة:
(۱) الأخلاق الفاضلة، (۲) و مقتضی العلوم التجربية،

www.rahimia.org

(۳) و الرأی الکلّی"[38].

(حکمتِ معاشی یہ ہے کہ تم اپنی حاجات کو 1۔انسانی فطرت کے بنیادی اخلاق، 2۔دور کے تجرباتی علوم، 3۔اجتماعِ انسانی کے عمومی اور کلی مفادات کے تقاضوں کی رعایت رکھتے ہوئے پورا کرو۔)

حکمتِ معاشی میں دو چیزیں پیشِ نظر ہیں: ایک انسانی احتیاجات اور دوسرا ان کے پورا کرنے کے معاشی وسائل۔ دونوں چیزوں کے تعین میں اعلیٰ اَخلاق، تجرباتی علوم اور اجتماعی مفادات پیشِ نظر رکھے جائیں گے۔

3۔ حاجاتِ انسانی: اس سے مراد وہ انسانی ضروریات ہیں، جن کے بغیر انسان کی زندگی بسر نہیں ہوتی۔ زندگی کی ضروریات کے حوالے سے یہ اصطلاح سیرتِ نبویہؐ میں بھی ملتی ہے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک خاتون نے ایک چادر پیش فرمائی تو آپؐ نے اُسے ایسی حالت میں قبول کیا، جس کے بارے میں راوی کہتے ہیں کہ: آپؐ نے اُس کی طرف اپنی حاجت ظاہر کرتے ہوئے لیا:

"فَأَخَذَهَا النَّبِیُّ ﷺ مُحْتَاجًا إِلَیْهَا فَلَبِسَهَا"، الحدیث[39].

(آپ نے وہ چادر حاجت مند کی صورت میں قبول فرمائی اور اسے پہن کر اپنی حاجت پوری کی۔)

اسی طرح حاجات کا اصلی ہونا ضروری ہے۔ بلا ضرورت کے کسی چیز کا طلب کرنا خواہش ہے۔ اسے حاجت نہیں کہا جاسکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

فَیَقُولُ الرَّجُلُ لَوْ جِئْتَ بِهَا بِالْأَمْسِ لَقَبِلْتُهَا مِنْکَ، فَأَمَّا الْیَوْمَ فَلَا حَاجَةَ لِی فِیهَا[40]. (آدمی کہے گا کہ اگر اسے تم کل لائے ہوتے تو میں لے لیتا، لیکن آج مجھے اس کی حاجت نہیں رہی۔)

4۔ معاشی وسائل: ایسے معاشی وسائل کہ جن سے انسانی احتیاجات اور ضروریات پوری ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

www.rahimia.org

وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ (41)۔

(اور ہم نے تمھارے لیے زمین میں معیشت کے سامان بنا دیے اور ان کے لیے جن کو تم روزی نہیں دیتے۔)

5۔ ملکیت: انسان جب کسی شئے میں کوئی افادیت اور ویلیو پیدا کرتا ہے، تو وہ اُس کا مالک بن جاتا ہے۔ انسان کئی طریقوں سے اشیا و اجناس وغیرہ کا مالک بن جاتا ہے۔ اپنی سعی اور محنت سے، خرید و فروخت اور تبادلہ دولت کے ذریعے سے، وراثت اور اجارہ وغیرہ کے ذریعے سے حاصل کردہ مال ''ملکیت'' کہلاتا ہے۔

زمین کی ملکیت کے حوالے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ یہ تعریف کرتے ہیں:

''وَالْأَرْض کلُّھا فِی الْحَقِیقَة بِمَنْزِلَة مَسْجد أَو رِبَاطٍ، جُعِل وَقفًا علی ابناء السَّبِیل، و ھم شُرَکَاءُ فِیهِ، فَیُقدِّم الأسبق فالأسبق، وَمعنی الْملک فِی حق الْآدَمِیّ کَونه أَحَق بِالِانْتِفَاعِ من غَیره''(42).

(تمام زمین حقیقت میں مسجد یا سرائے کی طرح ہے، جسے مسافروں کے لیے وقف کیا جاتا ہے اور سب لوگ اس میں شریک ہوتے ہیں۔ بس جو سب سے پہلے آئے، وہ پہلے پائے۔ اس کے بعد پھر جو آئے۔ ملکیت کا مطلب آدمی کے حق میں یہ ہے کہ وہ اُس چیز سے نفع اُٹھانے میں دوسرے سے زیادہ حق دار ہے۔)

6۔ رفاہیت: اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی میں ایسی معاشی خوش حالی کہ جس میں حاجت کے ساتھ ضروری جمالیاتی تقاضے بھی پورے ہوتے ہوں۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

6.1۔ رفاهیتِ بالغہ: امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

''ذو الرّفاهيّة اللَّامُتناهِيّة، و الإمعانِ المُفرِط فی الاستِقراء'' (43).

(ایسا فرد جو: (i) نہ ختم ہونے والی خوش حالی کے وسائل چاہتا ہے، (ii) اور ان کی تلاش میں حد سے زیادہ باریکی اور دلی لگاؤ سے کام لیتا ہو۔)

www.rahimia.org

6.2۔ **رفاہیتِ متوسطہ:** یہ اُس فرد کی معاشی سطح ہے، جو (i) خوش حالی کے ضروری وسائل چاہتا ہے (ii) اور انھیں حبِ جمال کے لازمی تقاضوں کے مطابق میانہ روی کے ساتھ پورا کرتا ہے۔ شاہ صاحب اس سے متعلق فرماتے ہیں: ''**ذو المرتبةِ الوُسطی منهُما**'' [44] (یعنی دونوں حوالے سے درمیانے درجے میں ضروریات کو پورا کرنے والا فرد)۔

6.3۔ **رفاہیتِ قاصرہ:** ایسا فرد جو (i) خوش حالی کے ضروری وسائل بھی حاصل نہیں کرپاتا۔ (ii) حبِ جمال کے لازمی تقاضوں کو بھی پورا کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

''**القاصِر فیهما لا یَستَوفی حوائجَه إلّا قریبًا مِن استیفاء البهائم**'' [45] (ان دونوں حوالوں سے وہ ایسا کم تر انسان ہے کہ وہ اپنی حاجات کو تقریباً جانوروں کے انداز میں پورا کرتا ہے۔)

ان تینوں میں سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان ''**رفاہیتِ متوسطہ**'' اختیار کرے۔ اس حوالے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

''**و کان متوسِّطًا بین الرّفاهیّةِ البالغة و التّقشُّفِ البالِغ**'' [46].

(انسان کو چاہیے کہ وہ رفاہیتِ بالغہ اور بالکل جانوروں کی سطح کی زندگی بسر کرنے کے بجائے ''**رفاہیتِ متوسطہ**'' (میانہ روی پر مبنی خوش حالی) اختیار کرے۔)

3.2۔ اصطلاحاتِ پیدائشِ دولت

2.1۔ **حکمتِ اکتسابیہ:** دولت کی پیدائش کے لیے پیشہ وارانہ مہارت کے نظام کو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''**حکمتِ اکتسابیہ**'' کا عنوان دیتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

www.rahimia.org

"حکمةٌ اکتسابیةٌ تنشأ مِن تمیُّز کلّ أحدٍ بصناعةٍ تلیق بمقدرته و یُساعِدُه علیها الأسباب فی العادة مِن فِلاحةٍ و نِجارةٍ و حِدادةٍ و غیر ذٰلک. ... و مهما رقّت النّفوس و ارتفقتُ و استراحتُ، و احتاجوا إلٰی حواشی المعاش انقدحت المکاسب، و لا حدّ لها و لا إحصاءَ، فبعض الأزمان یکون أکثر صناعةٍ مِن بعضٍ"[47].

(وسائلِ معاش حاصل کرنے سے متعلق کسی پیشے کی حکیمانہ مہارت اس طرح سے پیدا ہوتی ہے کہ ہر ایک انسان اپنی استعداد، طاقت اور معمول کے اسباب کی موافقت سے کسی نہ کسی کام کی مہارت میں امتیاز حاصل کرلیتا ہے۔ مثلاً کاشت کاری، لکڑی اور لوہے کا کام کرنا وغیرہ۔ ... اور جیسے جیسے انسانی معاشرے ترقی کرتے ہیں، اور اگلے درجے میں پہنچتے ہیں اور راحت حاصل کرتے ہیں تو وہ ہر ایک معاشی شعبے کے ذیلی شعبوں کے محتاج ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح نئے پیشے وجود میں آتے ہیں، جن کی نہ کوئی حد بیان کی جاسکتی ہے اور نہ گنتی۔ پس پیشوں کی مہارت بعض زمانوں میں دوسرے بعض ادوار سے زیادہ ہوسکتی ہے۔)

پیدائشِ دولت کے بنیادی شعبے یہ ہیں:

2.2۔ 1۔ زراعت (Agriculture): جانوروں، پودوں، خوراک، فائبر، حیاتیاتی ایندھن اور انسانی زندگی کو برقرار رکھنے اور بڑھانے کے لیے استعمال ہونے والی دیگر مصنوعات کے لیے کاشت اور افزائش "زراعت" کہلاتی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

"و أصولُ المَکاسب: (۱) الزّرع، و الرّعی، و التِقاط الأموال المُباحة مِن البرّ و البحر، مِن المَعدن، و النّبات، و الحیوان"[48].

(کسب کے بنیادی اُصول: (۱) زراعت، جانور چرانا، جنگل اور سمندر سے اموالِ مباحہ؛ معدنیات، نباتات اور جانور اور مچھلی وغیرہ حاصل کرنا ہے۔)

www.rahimia.org

2.3۔ 2۔صنعت وحرفت (Industry & Crafts): اِس سے مراد وہ تمام سرگرمیاں اور مشاغل ہیں جو انسان کے اپنے ہاتھوں اور ہنر سے بنائی گئی چیزوں سے تعلق رکھتی ہیں۔امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

”(۲) **و الصّناعات: مِن نِجارة، و حِدادة، و حِياكة، و غيرها مِمّا هو مِن جعل الجواهر الطّبيعية بحيث يتأتّى منها الارتفاق المطلوب**“[49].

(۲۔ اور صنعت: مثلاً لکڑی کا کام، لوہے کی مصنوعات، کپڑے کی مصنوعات وغیرہ۔ (یعنی) مطلوبہ حاجت کے لیے مادی اشیا میں کسی قسم کی کوئی افادیت (Utility) پیدا کرنا۔)

2.4۔ 3۔تجارت (Trade): اجناس (goods) اور خدمات (services) کے رضا کارانہ تبادلے کو ”تجارت“ کہا جاتا ہے۔امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

”(۳) **ثُمّ صارت التّجارة كَسبًا**“ [50] (۳۔ پھر تجارت کو پیشہ بنانا)، یعنی: زرعی یا صنعتی پیداوار سے حاصل کردہ مال کی تجارت کو بہ طورِ پیشہ اپنانا۔

2.5۔ 4۔ملکی انتظامی ذمہ داریوں کا پیشہ: امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

”(۴) **ثمّ صار القيامُ بمصالح المدينة كسبًا**“[51].

(۴۔ پھر ملکی مصلحتوں کو قائم کرنے کے انتظامی نظم ونسق کو پیشہ اختیار کرنا)، یعنی ریاست کی اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مذکورہ بالا تینوں شعبوں کا اور دیگر ملکی انتظامی شعبوں کا سیاسی اور معاشی نظم ونسق قائم کرنا۔

2.6۔ 5۔ ہر انسانی حاجت سے متعلق پیشے: امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:

”(۵) **ثُمّ صار الإقبالُ علىٰ كل ما يحتاج النّاس إليه كسبًا**“[52].

(۵۔ پھر انسانی حاجت اور ضرورت پورا کرنے والے تمام کاموں کی طرف توجہ دینا اور اُس کے لیے تیار کرنے کا پیشہ ہے۔)

2.7۔ کَسَب: ایسی پیشہ وارانہ مہارت، جس کے ذریعے سے انسان کسی چیز میں افادیت پیدا کرکے آمدنی کماتا ہے اور کامیابی اور نفع حاصل کرتا ہے۔ایک حدیث میں ہے

www.rahimia.org

کہ:

قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ؟ قَالَ ﷺ **:**

"عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ و كُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ"[53].

(عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! کون سا کسب سب سے پاکیزہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر اچھی (دھوکہ دہی سے محفوظ) تجارت"۔)

2.8۔ کاسب: وہ فرد جو زراعت، صنعت، تجارت وغیرہ پیشوں میں اپنے مال میں کوئی بھی ذہنی اور جسمانی محنت کرکے افادیت (Utility) پیدا کرتا ہے اور اُس کے ذریعے سے اپنی ضروریات پوری کرتا ہے۔ ایسے محنت کش کو اللہ کا دوست کہا گیا ہے: **"الكاسِبُ حبيبُ اللّٰه"** [54] (محنت کش اللہ تعالیٰ کا دوست ہے)۔

2.9۔ اجیر: ایسا محنت کش جو کسی دوسرے کے مال میں اپنی ذہنی یا جسمانی محنت کو استعمال میں لا کر کام کرتا ہے اور اُس پر یومیہ / ماہانہ / سالانہ اُجرت یا تنخواہ حاصل کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُه"[55].

(مزدور اور محنت کش کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو!۔)

2.10۔ مکاسب: زراعت، صنعت، تجارت وغیرہ ایسے پیشے، جن کے ذریعے سے انسان اپنے وسائلِ معاش حاصل کرتا ہے۔

2.11۔ مستاجر: ایسا فرد جو اپنی زمین یا اپنے مال میں کسی دوسرے سے اُجرت پر کام کراتا ہے، "مستاجر" کہلاتا ہے۔

2.12۔ عاملینِ پیدائشِ دولت: دینِ اسلام کی تعلیمات کا مجموعی مطالعہ اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ عاملینِ پیدائشِ دولت دو ہیں:

(i) رأس المال: زمین اور اشیا و اجناس پر مشتمل وہ "سرمایہ"، جس سے مزید

www.rahimia.org

دولت کمانے کے لیے اُس میں کوئی ویلیوایڈ کی جاتی ہے۔اس میں ''زمین'' (Land) بھی شامل ہے، وہ الگ سے کوئی عاملِ پیدائش دولت نہیں ہے۔ اس لیے کہ زمین کو آباد کرکے کسی محنت کش نے اس میں ویلیوایڈ کی ہے،تو اب اس سے مزید فائدہ اُٹھانے کے لیے استعمال کرنے کا نام سرمایہ ہے۔

(ii) انسان کی وہ ذہنی اور جسمانی محنت، جس کے ذریعے سے وہ زمین اور سرمائے میں ویلیوایڈ کرکے ایک نئی افادیت (Utility) پیدا کرتا ہے۔اس میں آرگنائزیشن بھی شامل ہے، وہ الگ سے عاملِ پیدائشِ دولت اس لیے نہیں ہے کہ اُس میں آرگنائزر ذہنی محنت اور منصوبہ بندی کی مشقت برداشت کرتا ہے۔

3.3۔ اصطلاحات تقسیمِ دولت

پیدائشِ دولت کے بعد دوسرا اہم معاشی مرحلہ اُس دولت کو عاملینِ پیدائشِ دولت پر عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کرنا ہوتا ہے۔ اسے معاشی اصطلاح میں ''تقسیمِ دولت'' کہا جاتا ہے۔اس حوالے سے چند بنیادی اُمور پیشِ نظر رکھنا ضروری ہیں:

3.1۔ حقِ معیشت میں مساوات: ملکی اور قومی وسائل میں تمام افراد یکساں اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تقسیمِ دولت کے حوالے سے فیصلہ فرمایا تھا کہ:

''**هٰذا معاشٌ فالأُسوةُ فيه خيرٌ من الأَثَرة**''[56].

(یہ مال کا تقسیم کرنا معاشیات کا مسئلہ ہے۔اس میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے بجائے مساوات بہتر ہوتی ہے۔)

3.2۔ پیدا شدہ اشیا واَجناس میں تماثل کی رعایت: پیدا شدہ وسائل میں ہر ایک کی محنت

www.rahimia.org

اور سرمائے کی قرار واقعی حیثیت کی حفاظت۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے اشیا و اجناس میں ایک محنت کش کی محنت سے پیدا ہونے والی اِفادیت کو اُسی طرح کی دوسری شئے میں پیدا کی جانے والی افادیت کے مساوی قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں چھ چیزوں کے باہمی تبادلے میں کمی زیادتی کو ناجائز قرار دیا، اُس میں آپ ؐ نے فرمایا: ”مِثلاً بمثلٍ، سواءً بسواءٍ“ (چھ اشیا کی خرید وفروخت میں تماثل اور مساوات ہو تو جائز ہے)۔ گویا کہ ہر ایک شئے میں کی جانے والی محنت دوسرے انسان کی محنت کے مساوی ہے۔

3.3۔ **اُجرت (Wages)**: تقسیمِ دولت میں محنت کش مزدور کی مزدوری کو ”اُجرت“ کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”میں قیامت کے دن اُس مزدور کی طرف سے مقدمہ لڑوں گا، جس مزدور نے اچھی طرح پورا کام کیا اور پھر مستاجر نے اس کی مزدوری ادا نہیں کی“(57)۔

3.4۔ **ربح (Profit)**: تجارت وغیرہ میں نفع حاصل کرنے کو ”ربح“ کہتے ہیں۔ یہ نفع کوئی تاجر اشیا و اجناس میں افادیت (Utility) کی تینوں اقسام میں سے کوئی ایک افادہ پیدا کر کے حاصل کرتا ہے۔

3.4۔ اصطلاحاتِ تبادلۂ دولت

دولت کی پیدائش اور تقسیم کے بعد افراد کے درمیان تبادلۂ اشیا کا عمل وجود میں آتا ہے۔ اس سلسلے کی اصطلاحات درجِ ذیل ہیں:

4.1۔ حکمتِ تعاملیہ: اس کا مطلب ہے کہ افراد کے درمیان باہمی طور پر معاملات طے پاتے ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں:

(i) معاوضہ لے کر تبادلۂ اشیا سے متعلق معاملات،

www.rahimia.org

(ii) بغیر کسی معاوضے کے تعاونِ باہمی کے طور پر ایک دوسرے کو چیز دینا۔

چناں چہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

"إذا امتازَ، و انفَرَزَ کُلُّ رجُلٍ بکَسْبٍ، و کلّ کَسْبٍ برجُلٍ، فإنّه لا یفی بالحوائج کُلِّها، فاندفعوا لا محالۃ:

(i) إلیٰ مُبادَلَۃٍ لیتِمّ الارْتفاقُ،

(ii) و إلیٰ تبرُّعاتٍ تُبتَغیٰ بها مرضاۃُ العِباد"[58].

(جب ہر آدمی اپنے اپنے پیشے میں امتیازی مہارت حاصل کرکے اپنی الگ شناخت پیدا کرچکا اور ہر کسی نے ایک پیشہ سنبھال لیا اور ہر ایک پیشہ ایک آدمی کے ساتھ مخصوص ہوگیا، پھر بھی اُس کی تمام ضروریات اکیلے پوری نہیں ہوسکتیں تو ایسی صورت میں لامحالہ ایسا ہوگا کہ:

(i) (افراد کے درمیان اپنی اپنی تیار کردہ اشیا کا قیمت کے عوض باہمی) تبادلہ ہو، تاکہ (سب کی حاجات سے متعلق) ارتفاق مکمل ہو۔

(ii) اور وہ ایک دوسرے کو بغیر قیمت کے اشیا فراہم کریں، تاکہ (اُن کی حاجات پوری کرکے) انسانوں کی رضا اور خوشی حاصل کی جائے۔)

تبادلۂ اشیا کے حوالے سے درجِ ذیل اصطلاحات ہیں:

4.3۔ **بیع** (Selling & Purchasing): خرید و فروخت، یعنی ایک مال کا دوسرے مال کے عوض رضامندی کے ساتھ تبادلہ کرنا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "**بیع: و هی مُبادَلَۃُ مالٍ بمالٍ**"[59] (مال کے عوض میں مال کا تبادلہ 'بیع' ہے)۔

4.4۔ **بائع** (Salesman): کسی شئے یا جنس کا مالک جو اُسے فروخت کرتا ہے، اُسے "بائع" کہتے ہیں۔

4.5۔ **مَبیع** (Sold): جو چیز فروخت کی جائے۔

4.6۔ **مُشتری** (Buyer): خریدنے والا، مول لینے والا، گاہک۔

www.rahimia.org

4.7۔ **ثمن (Price)**: خریدار اور بیچنے والا آپس میں کسی چیز کی جو قیمت مقرر کریں اُسے ''ثمن'' کہتے ہیں۔ ثمن کی درجِ ذیل اقسام ہیں:

4.8۔ **درھم**: درہم خالص چاندی کا بنا ہوا سکّہ ہوتا ہے جو 70 جو کے برابر ہوتا ہے، جس کا وزن 2.975 گرام ہوتا ہے۔ وزن کے اعتبار سے سات دینار کا وزن دس درہم کے برابر ہوتا ہے۔ درہم کا وزن چودہ قیراط کے برابر ہوتا ہے۔

4.9۔ **دینار**: دینار لفظ یونانی لاطینی لفظ Denarius کی تعریب ہے۔ عہد خلافت میں سونے کے سکے کا یونٹ تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں دینار کی قیمت دس درہم تھی، جو بعد میں بارہ درہم تک بڑھ گئی۔ وزن کے اعتبار سے سات دینار کا وزن دس درہم کے برابر ہوتا ہے۔

4.10۔ **قیراط**: قیراط (Carat) سونے کے خالص پن کو ناپنے کا معیار ہے۔ 24 قیراط سونا خالص ترین سمجھا جاتا ہے۔ قیراط کمیت (وزن) کے پیمانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ہیرے جواہرات اور قیمتی پتھروں کا وزن عام طور پر قیراط میں ناپا جاتا ہے۔ قیراط عربی زبان کے ایک وزن کا نام بھی ہے جو پانچ جو کے برابر ہوتا ہے۔

4.11۔ **بیع باطل**: وہ بیع ہے جو اپنی ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے درست نہ ہو۔ یعنی بیع کے رکن (ایجاب وقبول) میں یا محل (بیچی جانے والی چیز یا قیمت) میں کوئی خلل واقع ہو۔ خرید وفروخت کے معاملے میں اگر مبیع اور ثمن دونوں، یا مبیع وثمن میں سے کوئی ایک ایسا ہو کہ شریعتِ محمدیہ اور سابقہ ادیان میں سے کسی بھی شریعت میں اس کی خرید وفروخت کی اجازت نہ ہو تو اس صورت میں بیع باطل ہے۔

4.12۔ **بیع فاسد**: اگر وہ چیز کسی دین میں مال ہو اور ہم اسے ثمن بنا سکیں، مثلاً شراب اور خنزیر جو کہ دیگر ادیان میں مال ہیں، ان کی بیع کپڑے وغیرہ کے بدلے ہو، یا

www.rahimia.org

بیع میں کوئی ایسی شرط شامل کر لی جائے جس کی شریعت اجازت نہ دیتی ہو تو اس صورت میں بیع فاسد ہوگی۔

4.13۔ **بیع مُحاقلہ** : کھیت میں پودوں پر لگے ہوئے گندم کے خوشے، خشک گندم (خوشوں سے الگ کی ہوئی گندم) کے عوض اس طرح فروخت کرنا کہ خشک گندم کا وزن تو معلوم ہو، مگر خوشے کی گندم کا وزن معلوم نہ ہو، صرف اندازہ ہو۔ اس بیع سے منع کیا گیا۔

4.14۔ **بیع مُزابَنہ** : خشک کھجوریں (درخت سے اتری ہوئی کھجوریں) تازہ کھجوروں کے عوض جو درخت پر لگی ہیں، اس طرح فروخت کرنا کہ خشک کھجوروں کا وزن تو معلوم ہو، مگر درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوروں کا وزن معلوم نہ ہو صرف اندازہ ہو۔ اس بیع سے بھی منع کیا گیا۔

4.15۔ **بیع عَرایا**: 'عرایا' جمع ہے 'عریۃ' کی، اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کھجوریں پکنے کے وقت اس کے کھانے میں رغبت رکھے، لیکن اپنے فقر کی وجہ سے کھانے کی طاقت نہ رکھتا ہو، تاہم اس کے پاس خشک کھجوریں ہیں، چناں چہ وہ پانچ وسق خشک کھجوروں کے بدلے درخت پر لگی کھجوروں کا اندازہ کر کے خرید لے۔ (وسق کے لیے صفحہ 99 ملاحظہ ہو)۔

4.16۔ **بیع عِینہ**: کوئی شخص کسی سے کوئی چیز ادھار قیمت میں فروخت کرے اور اسے خریدار کے حوالہ کر دے، پھر قیمت لینے سے پہلے ہی خریدار سے اصل قیمت سے کم میں اسے خرید لے۔ اس بیع سے منع کیا گیا کہ یہ سود کو جائز کرنے کا حیلہ ہے۔

4.17۔ **بیع مُرابَحہ**: کوئی چیز خریدی اور اس پر کچھ اخراجات کیے پھر قیمت اور اخراجات کو ظاہر کر کے اس پر نفع کی ایک مقدار بڑھا کر اس کو فروخت کر دینا اسے بیع مرابحہ کہتے ہیں۔

4.18۔ **بیع مُلامَسہ**: بیع ملامسہ کا مطلب یہ ہے کہ رات یا دن میں خریدار بیچنے والے

www.rahimia.org

کے کپڑے کو چھولے تو اب لینا لازم ہو جائے گا، چاہے پلٹ کر نہ دیکھا ہو یعنی خریدار وفروخت کنندہ کے مابین کپڑے کو دیکھ لینے یا الٹ پلٹ کر جانچ لینے سے پہلے محض اسے چھو لینے سے عقد بیع ہو جائے۔حضور ﷺ نے اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

4.19۔ **بیع مُنابَذہ**: بیع منابذہ کا مطلب یہ ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کی طرف سامان پھینک دے، تو محض اس فعل کی وجہ سے عقد منعقد ہوجاتا ہے، مثلاً فروخت کنندہ کپڑے کوخریدار کی طرف پھینک دے، یعنی اسے دیکھ لینے یا الٹ پلٹ کر جانچ لینے سے پہلے ہی وہ اس کی بیع پکی کر لیں۔حضور ﷺ نے اس بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔

4.20۔ **بیع مُساوَمہ**: مساومہ خرید کا ایک ایسا عمومی عمل ہے جس میں تجارتی مال کی قیمت اسکی پرانی ادا کی گئی قیمت یا اس پر آنے والے خرچ کے اثر کے بغیر' بھاؤ تاؤ' سے خریدار اور فروخت کنندہ کے مابین مقرر کی جاتی ہے۔

4.21۔ **بیع الحَصاۃ**: جسے "**بیع بإلقاء الحجر**" بھی کہا جاتا ہے، پتھر ڈالنے کی بیع کہلاتی ہے۔کسی جگہ قابل فروخت چیز رکھی ہوئی ہے، خریدار نے پتھر پھینکا اور ایک قابل فروخت چیز پر لگ گیا، جس چیز پر پتھر لگا وہ خریدار کی ہوگئی اور گویا کہ ایجاب وقبول ہو گئے۔چاہے بیچنے والا راضی ہو یا نہ ہو۔یہ "**القاءِ حجر**" کی یا "**بیع حَصاۃ**" ہے۔اس کوممنوع قرار دیا گیا۔

4.22۔ **بیع سَلَم**: (LIVRER V.A) اس بیع کو کہتے ہیں جس میں ثمن (قیمت) فوراً ادا کرنا ضروری ہو اور مبیع (فروخت شدہ چیز) کو بعد میں خریدار کے حوالے کرنا بیچنے والے پرلازم ہو۔**بیع سَلَم** کو لفظ "بدلی" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔اس بیع کے جواز کی شرائط ہیں۔

4.23۔ **عقدِ مُعاوَضہ**: کوئی چیز کسی چیز کے بدلہ میں لینا یا دینا۔لہٰذا عقدِ معاوضہ ایسا

www.rahimia.org

عقد ہوتا ہے جس میں عقد کرنے والے ایک دوسرے کو کچھ دیں، یعنی اس میں کچھ عوض لیا جاتا ہے۔

4.24۔ **صَفْقَةٌ فِي صَفْقَةٍ:** ایک عقد کرتے ہوئے کوئی سے دو معاملات اور معاہدات کرنا، جس کی شرعاً اجازت نہیں۔

4.25۔ **اجارہ:** (Lease): لغت میں اجارہ کہتے ہیں ''بیع المنافع'' (کسی شئے کے اندر موجود منفعت کو بیچنا) کو۔ اور اصطلاح میں ایسے معاملے کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی شئے کی منفعت کو عوض کے بدلے میں دوسرے کے ہاتھ بیچنا ہو۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ''**إجارة: و هي مبادلةُ مالٍ بمنفعةٍ**''[(60)] (کسی شئے کی منفعت حاصل کر کے مال ادا کرنا)۔

4.26۔اجارہ کی کئی اقسام ہیں:

4.26.1۔ **اجارۂ صحیحہ:** وہ اجارہ جس میں چیز کی منفعت بھی معلوم ہو اور اُس کی طے کردہ اُجرت بھی معلوم ہو۔

4.26.2۔ **اِجارۂ فاسدہ:** وہ اجارہ ہے، جس میں کسی بھی طرف سے اس عقد کے بنیادی اُمور کے خلاف شرائط عائد کی جائیں، یعنی جو اپنی اصل کے لحاظ سے شریعت کے مطابق ہے، مگر اس میں کوئی وصف ایسا ہے جس کی وجہ سے ناجائز ہو۔

4.26.3۔ **اِجارۂ باطلہ:** وہ اجارہ جو اپنی اصل کے لحاظ سے ہی غلط اور خلافِ شرع ہو۔

3.5۔ اصطلاحات صَرفِ دولت

5.1۔ نفقات: ''نفقہ'' کے لغوی معنی 'خرچ' کے ہیں۔ اِس سے مراد وہ شئے ہے جو

www.rahimia.org

انسان اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے، یعنی اخراجاتِ اولاد یا بیوی کا خرچ وغیرہ۔ اِصطلاحاً نفقہ سے مراد عورت کے روزمرہ کے اخراجات ہیں، جن میں خوراک، لباس اور سکونت شامل ہیں، جو مرد کی استطاعتِ معاش کے مطابق اس کے ذمہ ہوتے ہیں۔

5.2۔ **انفاق:** خیر کے کام میں مال خرچ کرنا، اخراجات برداشت کرنا، راہِ خدا میں خرچ کرنا، (خصوصاً) نفقہ دینا، کھلانا پلانا۔

5.3۔ **زکٰوۃ:** زکٰوۃ ایسی مالی عبادت کا نام ہے، جو ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر اپنے مال کا چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فی صد نکالنا فرض ہے۔ اسے نادار، غریب، یتیم اور مستحقین کو ادا کیا جائے۔ زکٰوۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ زکٰوۃ کے دو بنیادی مقاصد اور مصالح بیان کرتے ہیں:

1۔ ایک مصلحت تو یہ ہے کہ زکٰوۃ ادا کرنے سے انسانی نفس کی تہذیب ہوتی ہے کہ اُس میں سے بخل وغیرہ بداَخلاقیاں ختم ہوں اور اُس میں سخاوتِ نفس پیدا ہو۔ اس کی بہیمیت ٹوٹے اور ملکیت غالب ہو۔

2۔ دوسری مصلحت کا تعلق ملکی ریاستی نظم و نسق اور انسانی اجتماعیت سے ہے۔ اس لیے کہ انسانی معاشرے میں کمزور، ضعیف اور حاجت مند لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اُن کی ضروریات اگر پوری نہ کی جائیں تو وہ ہلاک ہو جائیں گے اور بھوک سے مر جائیں گے۔ نیز سوسائٹی کے نظم و نسق کے لیے قومی اور ملکی ترقی کے لیے مال کا موجود ہونا ضروری ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”**نظام المدینة یتوقّفُ علٰی مالٍ یکون به قِوام معیشة الحَفَظة ... و الانفاقات المشترکة**“[61] (مملکت کا نظام مال پر موقوف ہے، جس کے ذریعے سے انتظامیہ اور سیکیورٹی کے اخراجات اور قومی سطح کے مشترکہ اخراجات پورے کیے جائیں)۔

www.rahimia.org

5.4۔ **صدقۂ فطر:** جو مسلمان اتنا مال دار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو، یا اس پر زکوٰۃ تو واجب نہیں، لیکن ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال یا سامان اس کے پاس موجود ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچتی ہو تو اس پر عیدالفطر کے دن صدقہ دینا واجب ہوتا ہے۔ چاہے وہ مال تجارت کا ہو یا نہ ہو، اور چاہے سال پورا گزر چکا ہو یا نہ گزرا ہو۔ اس صدقے کو شریعت کی اصطلاح میں ''صدقۂ فطر'' کہتے ہیں۔

5.5۔ **کفّارات: الکفّارۃ:** جو چیز گناہ کو دور کردے اور اسے ڈھانپ دے اسے ''کفارہ'' کہا جاتا ہے۔ کفارے یا فدیے کے طور پر قربانی یا کوئی اَور چیز دینا جو جذبات کی شدت کو کم کرنے والی ہو۔ کفارہ: گناہ کا شرعی اُتار۔

5.6۔ **دیّت:** دیت وہ مال ہے، جو کسی کو قتل کرنے یا بدن کے کسی عضو کو کاٹنے، یا بدن پر زخم لگانے سے کسی فرد یا اس کے وارث پر واجب ہوتی ہے۔ دیت کے احکام فقہی کتابوں کے باب دیات میں بیان ہوئے ہیں۔ مختلف چوٹوں کے لیے اسلام میں مختلف مقدار میں دیت معین ہوئی ہے۔ جہاں پر دیت کی مقدار معین نہیں ہے وہاں پر ''اِرش''(تاوان) کے نام سے مجروح شخص کو کچھ مال دیا جاتا ہے۔

5.7۔ **صدقاتِ نافلہ:** صدقۂ نافلہ سے مراد ایسا صدقہ ہے جو بندوں پر واجب نہیں، یعنی ثواب کی نیت سے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کسی کو کوئی چیز دینا چاہے وہ غریب ہو یا مالدار ہو یا رشتہ دار ہو۔

5.8۔ **مالی نذر:** اصطلاح شرع میں وہ عبادتِ مقصودہ ہے، جو جنسِ واجب سے ہو اور وہ خود بندہ پر واجب نہ ہو، مگر بندہ نے اپنے قول سے اسے اپنے ذمہ واجب کرلیا ہو۔ مثلاً یہ کہا کہ ''میرا یہ کام ہو جائے تو میں اتنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا''۔ اسے ''نذرِ شرعی'' کہتے ہیں۔ اس کے شرعی معنی غیر لازم عبادت کو اپنے پر لازم کرلینا ہیں۔

www.rahimia.org

5.9۔ **عُشَر**: زمین کی پیداوار سے بہ طورِ زکوٰۃ کے دسواں حصہ نکالنا ''عشر'' کہلاتا ہے۔ ''عُشر'' کا لغوی مطلب ہے: دسواں حصہ۔ دینی اصطلاح میں یہ زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق جس کھیت کی زراعت میں آب پاشی کے لیے بوجھ اُٹھانا پڑے، اس پیداوار میں سے نصف عشر دینا واجب ہے اور جس کھیت کی زراعت میں مشقت کم ہو وہاں عشر یعنی دسواں حصہ دینا واجب ہے۔

5.10۔ **خِراج (مقاسمہ و مؤظف)**: وہ وظیفہ جو مسلمان حاکم قابلِ زراعت خراجی زمین پر مقرر کر دیتا ہے۔

5.11۔ عشور: لوگوں سے ان کے مال کا دسواں حصہ لینا۔

5.12۔ ضرائب: اسلامی محصول (ضریبہ) وہ محصول ہے جو اسلامی حکومت اپنے رعایا سے مملکت کا نظم ونسق چلانے کے لیے لیتی ہیں۔

5.13۔ **اسراف**: کسی چیز کو ضائع کیے بغیر خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنے کا نام ''اسراف'' ہے، یعنی حد سے زیادہ فضول خرچی کرنا۔

5.14۔ **تبذیر**: کسی چیز کو اس طرح استعمال یا خرچ کیا جائے کہ وہ ضائع اور برباد ہو جائے۔

3.6۔ اصطلاحات تعاونِ باہمی

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ معاشی اصطلاحات میں ایک عنوان ''**حکمتِ تعاوُنیہ**'' کا قائم کرتے ہیں، یعنی معاشی معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تعاون کرنا۔ شاہ صاحبؒ نے اس کے ذیل میں درجِ ذیل دینی معاشی اصطلاحات شامل کی ہیں:

6.1۔ **مُضارَبہ**: دو شخصوں کے درمیان ایسے معاہدے کو ''مضاربہ'' کہا جاتا ہے، جس

www.rahimia.org

میں ایک جانب سے سرمایہ ہو، جسے ''ربّ المال'' کہا جاتا ہے، اور دوسری جانب سے ''محنت'' ہو، جسے ''مضارِب'' کہا جاتا ہے، اور پھر حاصل ہونے والا نفع دونوں کے مابین حسبِ معاہدہ تقسیم کیا جاتا ہو۔

مضاربت کے بنیادی اصول وشرائط درج ذیل ہیں:

i۔ مضاربت میں سرمایہ کا نقدی ہونا ضروری ہے، اگر ''سرمایہ'' سامان، قرض یا جامد اثاثوں کی شکل میں ہوگا تو مضاربت صحیح نہیں ہوگی۔

ii۔ عقدِ مضاربت کے وقت سرمایہ کا اس طور پر معلوم ہونا ضروری ہے کہ بعد میں کسی قسم کا کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو، یعنی رب المال مضارب کو سرمایہ پر قبضہ کرادے یا اس کی طرف اشارہ کردے۔

iii۔ عقدِ مضاربت میں سرمایہ مکمل طور پر مضارب کے حوالہ کرنا ضروری ہے، اس طور پر کہ پھر اس سرمایہ میں رب المال کا کسی قسم کا کوئی عمل دخل نہ رہے، اسی طرح رب المال کوئی کام بھی نہیں کرے گا، بلکہ کام صرف مضارب ہی کرے گا، اگر رب المال پر بھی کام کی شرط لگائی گئی تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔

iv۔ عقدِ مضاربت میں منافع کی تقسیم حقیقی نفع کے تناسب سے طے کی جانی ضروری ہے، اگر کسی ایک کے لیے معین رقم یا سرمایہ کے تناسب سے پہلے سے نفع طے کرلیا (یعنی کل سرمایہ کا اتنا فیصد ملے گا) تو مضاربت جائز نہیں ہوگی۔

v۔ مضارب کو صرف حاصل شدہ نفع میں سے ہی حصہ ملے گا، اصل سرمایہ میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتا۔

vi۔ اگر مضارب کے لیے اصل سرمایہ میں سے کچھ مشروط کیا گیا تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔

www.rahimia.org

vii۔ اگر نقصان ہوگیا تو اس کو پہلے حاصل شدہ نفع سے پورا کیا جائے گا، اگر اس سے بڑھ گیا تو وہ رب المال کے ذمہ ہوگا اور اصل سرمایہ سے پورا کیا جائے گا۔ مضارب کو نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانا جائز نہیں، بلکہ نقصان کی صورت میں سرمایہ کار نقصان برداشت کرے گا اور مضارب کی محنت رائیگاں جائے گی، مضارب امین کی حیثیت سے کام کرے گا۔

viii۔ مضاربہ میں سرمایہ اور کاروبار حلال ہو، معاملہ میں کوئی شرطِ فاسد نہ ہو۔

6.2۔ **مُزارَعہ:** زراعت کے لیے زمین دینے کو شریعت کی اصطلاح میں ''مزارعہ'' کہا جاتا ہے۔ امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ درست نہیں ہے، جب کہ صاحبین اور دیگر ائمہ کے نزدیک چند ایسی ضروری شرائط کے ساتھ جس سے جانبین کو نقصان نہ ہو، جائز ہے۔

6.3۔ **شرکت:** شرکت دو یا دو سے زیادہ لوگوں کا کسی چیز میں مالک بننے کو کہتے ہیں۔ اس کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

6.4۔ **شرکتِ مِلک:** اس شرکت کو کہتے ہیں کہ دو آدمی کسی مال کے مالک ہونے میں شریک ہوجائیں۔ خواہ میراث کی صورت میں ہوں، یا ہبہ قبول کرنے کی صورت میں، یا مشترکہ طور پر خریدنے کی صورت میں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ دونوں اپنے اپنے حصے کے مالک ہیں، اپنے شریک کے حق میں اجنبی ہیں اور اس کے حصے میں کسی قسم کا تصرف اس کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتے۔

6.5۔ **شرکتِ عقد:** دو آدمیوں کا مال اور منافع میں شریک ہونے کا معاملہ طے کرلینا ہے۔ شرکتِ عقد کی تین قسمیں ہیں:

6.5.1۔ **الف: شرکتِ اموال:** دو یا زائد آدمیوں کا اس طور پر معاملہ کرنا کہ وہ اپنے متعین کردہ مال میں سے تجارت کریں گے اور نفع اور نقصان میں خاص تناسب سے شریک ہوں گے۔

www.rahimia.org

6.5.2۔ب: **شرکتِ صنائع**: اس کو"**شرکت الابدان**" یا"**شرکت التّقبُّل**" یا "**شرکت الأعمال**" بھی کہا جاتا ہے۔صنائع صنعت وصناعت کی جمع ہے۔مطلب کاریگری، ہنرمندی ہے۔ دو یا زائد اشخاص آپس میں یہ طے کرلیں کہ ہم خاص قسم کا کام (جیسے کپڑے سینا یا رنگ کا کام کرنا یا عمارت تعمیر کرنا وغیرہ) کریں گے اوراس میں جوبھی آمدن ہوگی، اس میں شریک ہوں گے۔اس میں مال اورنفع کا کوئی ذکرنہیں ہوتا، بلکہ دونوں کسی عمل میں شریک ہوتے ہیں۔اور مال کسی دوسرے کا ہوتا ہے۔کاروبار کوسر انجام دینا اجتماعی فرض ہوتا ہے۔

6.5.3۔ج: **شرکتِ وجوہ**: اس معاملہ میں شریکین کے پاس مال نہیں ہوتا، بلکہ دونوں یہ طے کرلیتے ہیں کہ ہم اپنے تعلقات کی بنا پرلوگوں سے اُدھار پرخرید کرفروخت کرتے ہیں اور جونفع ہوتا ہے اسے آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔شرکت وجوہ: وجوہ وجہ کی جمع ہے۔معنی اسباب کے ہیں۔اس شرکت میں ہرشخص اپنے اپنے کریڈٹ پر مال لے کرآتا ہے۔ اور دونوں یا تینوں فریق باہم مل کرکام کرتے ہیں۔یہ شرکت صرف حنفیوں کےنزدیک جائز ہے۔شافعیہ صرف شرکت عنان کے قائل ہیں۔اس شرکت کی اجازت صرف ان چیزوں میں ہے جواس قدر **مختلط** ہوجائیں کہ جدا کرنا مشکل ہو[62]۔

پھران میں ہرایک دوقسم پر ہے:

6.6۔ i۔ **شرکتِ مُفاوَضہ**: کا معنی مساوات، برابری اور باہمی تفویض ہے۔اس نسبت سے شرکت مفاوضہ وہ شرکت کہلاتی ہے جس میں تمام شرکا، سرمایہ، کاروباری ذمہ داریاں، تصرفات اورنفع ونقصان میں برابر ہوتے ہیں اس میں ہر شریک اپنے ساتھی کی جانب شرکت کے معاملات کوعلی الاطلاق تفویض کر دیتا ہے، اس طرح اس میں وکالت اور کفالت دونوں ہوتی ہیں۔ اس کے اَحکام

www.rahimia.org

مندرجہ ذیل ہیں:

الف: شریکین میں سے جو بھی کوئی چیز خریدے گا، وہ دونوں کے درمیان مشترک ہوگی، سوائے گھر کی ضروری اشیا کے۔

ب: شریکین میں سے اگر کسی پر قرضہ لازم ہوتا ہے تو وہ دوسرے پر بھی لازم ہوگا، لہٰذا قرض خواہ اس سے بھی مطالبہ کر سکے گا۔

ج: ایک شریک اگر کوئی معاہدہ کرتا ہے تو اس معاہدہ کے حقوق دوسرے پر بھی لازم ہوں گے۔

د: ایک شریک کا کوئی بھی تصرف اس پر اور اس کے شریک پر نافذ ہوگا۔

ھ: نفع اور نقصان برابری کی بنیاد پر تقسیم ہوگا۔

6.7۔ ii۔ **شرکتِ عنان:** شرکت عنان: عنان کے لغوی معنی لگام اور باگ ڈور کے ہیں۔ اس میں مال اور نفع کا ذکر تو ہوتا ہے لیکن مساوات نہیں ہوتی۔ شرکاء نفع ونقصان میں برابر کے حصہ دار نہیں ہوتے۔ اس میں ہر ایک ددسرے کا وکیل تو ہوسکتا ہے کفیل نہیں ہوسکتا۔ اس میں ہر رکن فقط اپنے ہی معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے دوسرے حصہ داروں سے فقط اپنے حصے کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ اس کے احکام مندرجہ ذیل ہیں:

الف: شریکین میں سے ایک اگر کوئی چیز خریدے گا وہ دونوں کے درمیان مشترک نہیں ہوگی۔

ب: شریکین میں سے اگر کسی پر قرضہ لازم ہوتا ہے تو وہ دوسرے پر لازم نہیں ہوگا، لہٰذا قرض کا مطالبہ صرف قرض لینے والے سے ہوگا۔

ج: ایک شریک اگر کوئی معاہدہ کرتا ہے تو اس معاہدہ کے حقوق دوسرے پر لازم نہیں ہوں گے۔

د: ایک شریک کا کوئی بھی تصرف اس پر اور اس کے شریک پر صرف اس

www.rahimia.org

صورت میں نافذ ہوگا جب کہ طے شدہ تجارتی معاملہ ہو، ورنہ نافذ نہیں ہوگا۔

ھ: نفع شرکت کے معاہدے میں طے شدہ شرح فیصد اور نقصان سرمائے کے تناسب سے ہوگا۔

6.8۔ ھِبہ: کسی کو بغیر عوض کے اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے مال دینا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فرمایا:

"و هِبةٌ: و هی بذل مالٍ بلا عوضٍ لحاجاتٍ خفيّةٍ تُترقَّبُ، إمّا فی الدّنيا و إمّا فی الآخرة"[62].

(ہبہ یہ ہے کہ انسان بغیر کسی عوض کے کوئی مال ایسی مخفی ضروریات و حاجات کے لیے خرچ کرلے، جو بعد میں دنیا اور آخرت میں حاصل ہونے والی ہے۔)

6.9۔ اعارہ / عارية: کوئی شئے کسی کو اُدھار دینا۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "إعارة: و هی بذل المنافع بلا عوضٍ لمثل تلك الحاجات" [63] (اعارہ سے مراد کسی شئے کی منفعت کو ایسی ہی دنیوی اور اُخروی مخفی حاجات کی وجہ سے کسی دوسرے کو استعمال کے لیے دینا)۔

عاریت: کسی چیز کو استعمال کے لیے بلا معاوضہ دینے کا نام "عاریت" ہے اور "چیز" کا بھی نام ہے جس سے لوگ باری باری فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ لفظ اصل میں "التَّعاوُر" سے لیا گیا ہے، جس کے معنی باری باری لینے کے ہیں۔

6.10۔ قرض: تعاونِ باہمی کی ایک شکل قرض بھی ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

"و دَين، و فيه معنى الإعارة و معنى البيع كليهما، و قد يترجّحُ معنى البيع كما فی (بيع) السَّلَم، و قد يترجّح معنى الإعارة، كما فی قرض الدّراهم و الدّنانير"[64].

(قرض میں اعارہ یعنی اُدھار کا معنی بھی پایا جاتا ہے اور بیع کا معنی بھی پایا جاتا

www.rahimia.org

ہے۔کبھی اس میں بیع کا معنی غالب ہوتا ہے، جیسے بیع سلم، اور کبھی اس میں اعارہ یعنی اُدھار کا معنی پایا جاتا ہے، جیسا کہ درہم و دینار کے قرض میں ہوتا ہے۔)

6.11۔ **کفالہ:** ضمانت اور دیکھ بھال کو کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں باہم ایک دوسرے کا ضامن بننا یا باہم ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرنا مراد ہے۔

6.12۔ **عقدِ تبرُّع:** ایسا عقد ہے جس میں کسی شئے کے بدلہ میں کوئی چیز نہ لی جائے جیسے ہبہ، ودیعت، وصیت وغیرہ۔ ان عقود میں عوض لیے بغیر شئے حوالے کر دی جاتی ہے۔ مثلاً کوئی آدمی اپنی زمین یا کوئی چیز مسجد و مدرسہ، سکول و کالج اور دیگر نیکی اور مفادِ عامہ کے امور کے لیے بغیر عوض کے حوالے کرنے کا وعدہ کرے تو یہ عقدِ تبرع ہوگا، اس کا پورا کرنا مستحب ہوتا ہے۔

6.13۔ **وصِیّت:** بہ طورِ احسان کسی کو اپنے مرنے کے بعد اپنے مال یا منفعت کا مالک بنا دینا۔ وصیت 1/3 مال میں جاری ہوسکتی ہے۔

6.14۔ **رھن:** دوسرے کی کسی مالی شئے کو اپنے حق میں اس لیے روکنا کہ اس کے ذریعے سے اپنے حق کا کل یا جز وصول کرنا ممکن ہو۔ رہن میں رکھی ہوئی چیز کو "مرھون"، رہن رکھنے والے کو "راھن" اور جس کے پاس کوئی چیز رہن رکھی جائے اس کو "مرتھن" کہتے ہیں۔ عقدِ رہن بالاجماع جائز ہے۔

3.7۔متفرق اصطلاحات

7.1۔ **ترکہ:** وہ مال وجائداد جو مرنے والا دوسرے کے حق سے خالی چھوڑ کر مر جائے۔

7.2۔ **شُفعہ:** غیر مَنقول جائیداد کو کسی شخص نے جتنے میں خریدا اُتنے ہی میں اس جائیداد کے مالک ہونے کا حق جو دوسرے شخص کو شراکت یا ہمسائیگی کی وجہ سے حاصل ہوجاتا ہے، اس کو "شفعہ" کہتے ہیں۔

www.rahimia.org

7.3۔ **اراضی وقف:** وہ زمین جو رفاہِ عام کے لیے وقف کردی گئی ہو۔

7.4۔ **اراضی موات:** وہ غیرآباد اور بنجر زمین جو کسی کی ملکیت نہ ہو۔

7.5 **اراضی متروکہ:** عامۃ الناس کے لیے چھوڑی گئی زمین متروکہ کہلاتی ہے، مثلاً قبرستان، پارک وغیرہ۔

7.6۔ **اکتناز:** کنز سے مراد وہ مال ہے جس کو محفوظ کر کے رکھ لیا گیا ہو یا اس مال کو زمین میں دبا کر دفن کر دیا گیا ہو۔ زر کی ذخیرہ اندوزی کو بھی اکتناز کہا جاتا ہے۔

7.7۔ **احتکار:** کھانے کی چیز کو اس لیے روکنا (اسٹاک کرنا) کہ گراں (یعنی مہنگی) ہونے پر فروخت کرے گا۔ بنیادی ضروریات کی اشیا و اجناس کی ذخیرہ اندوزی بھی اسی میں داخل ہے۔

7.8۔ **رِبا (سود):** لغت میں ربا کا معنی زیادتی، بڑھوتری اور بلندی ہے۔ ربا کی اصطلاح کاروبار اور تجارت میں بے انصافی اور استحصال سے فوائد حاصل کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اُردو میں رِبا کو سود کہتے ہیں۔ رِبا کی درجِ ذیل اقسام ہیں:

7.8.1۔ **ربا النّسیئۃ:** مہاجنی سود۔ یعنی وہ زیادتی جو مدت کے مقابلہ میں وصول کی جائے، قرآنِ کریم، سنتِ نبویہ اور آثارِ صحابہ اور اجماعِ امت نے قرض پر طے کر کے لی جانے والی ہر زیادتی کو ''ربوا'' قرار دیا ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ لکھتے ہیں:

''اہلِ عرب قرض اور دَین کے ذریعے جو نفع کماتے تھے، اس کو ''رِبا'' یا ''سود'' سمجھتے اور اس کے جواز کے قائل تھے۔ اور یہ وہی معاملہ رِبا تھا، جس کو آج ''مہاجنی سود'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چناں چہ آج کی طرح مشرکینِ عرب میں بھی اس لین دین کے مختلف طریقے رائج تھے:

(ا) ایک طریقہ یہ تھا کہ صاحبِ ضرورت کو نقد روپیہ قرض دیتے اور

www.rahimia.org

ایک مدت معین کر کے فی روپیہ کچھ مقدار سود کی لگاتے تھے۔

(۲) دوسری صورت یہ تھی کہ جب معین مدت ختم ہو جاتی تو سود اور اصل قرض کو ملا کر اپنی اصل رقم قرار دیتے اور پھر اس مجموعے پر سود شروع کر دیتے۔ اسی کا نام سود در سود ہے۔

(۳) زیور، ہتھیار، یا اسی قسم کی اشیا رہن رکھتے اور ان کے عوض قرار دیتے اور اگر معین مدت میں قرض دار قرض ادا نہ کرتا تو روپیہ پر سود لگاتے اور اشیا کی قیمت کم سے کم قرار دے کر ان کو ہضم کر جاتے۔ فقہا کی اصطلاح میں اس کو ''ربا النّسیئہ'' کہا جاتا ہے''[65]۔

7.8.1۔ **ربا الفضل** (ربا الحدیث): تجارتی سود۔ وہ مشروط زیادتی جو عقدِ معاوضہ میں کیلی اور وزنی چیزوں میں متعاقدین میں سے کسی ایک کے لیے لگائی جائے۔ یعنی جو چیزیں بھی اصلاً ناپ کر یا تول کر فروخت کی جاتی ہیں، جب ان کا تبادلہ ان ہی کی جنس کے ساتھ کیا جائے تو یہ ضروری ہے کہ وہ دونوں چیزیں برابر، برابر ہوں، اور یہ معاملہ دست بہ دست کیا جائے۔ اس میں اُدھار بھی ناجائز ہے اور کمی بھی ناجائز ہے، اور ایسا معاملہ سودی ہوگا۔

7.9۔ **قمار**: ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ ہارنے والے کی کوئی چیز جیتنے والے کو دی جائے گی، قمار (جوا) ہے۔

3.8۔ اوزان

8.1۔ **صاع**: یہ ایک پیمانہ ہے، جس کی جمع ''اصواع'' ہے۔ یہ پیمانہ خرید و فروخت میں ناپنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ صاع کا دوسرا نام مختوم بھی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ والیان نے اس کے اوپر ڈھلی مہر لگا دی تھی، تا کہ اس میں کمی بیشی نہ کی

www.rahimia.org

جا سکے۔ صاع کی مقدار معلوم کرنے کے مختلف طریقے ہیں، مثقال کے ذریعے حساب کر کے بھی اس کی مقدار معلوم کی جا سکتی ہے، دراہم کے ذریعے بھی اور مُد کے ذریعہ بھی۔

مثقال کے حساب سے ایک صاع دوسوستر تولہ بنتا ہے۔ دراہم کے حساب سے دو سوتہتر تولہ اور مُد کے حساب سے دوسواسّی تولہ چھ ماشہ بنتا ہے۔ اور احتیاط چوں کہ آخری والے حساب میں ہے؛ اس لیے اسی کو لینا زیادہ بہتر ہے۔ (اوزانِ شرعیہ) پھر جدید اوزان کے اعتبار سے ایک صاع تین کلو، ایک سو انچاس گرام، دوسواسی ملی گرام بنتا ہے۔ لہٰذا اگر ایک کلو گندم چالیس روپے کی ہے تو ایک صاع گندم کی مالیت 125 روپے 98 پیسے بنے گی۔

مفتاح الاوزان میں ہے کہ: ’’صاع: تین کلو، ایک سو انچاس گرام، دوسواسی ملی گرام (3 کلو، 149 گرام، 280 ملی گرام)‘‘۔

8.2۔ **مِثقال**: یہ دراصل وزن کی ایک اکائی ہے اور اس کو اکثر طلائی دینار اور چاندی کے درہم کے وزن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک مثقال کا وزن 100 **جَو (شعیر)** کے دانوں کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔ ایک طلائی دینار کا وزن ایک مثقال ہوتا ہے، جو 25-4 گرام ہوتا ہے۔ جب کہ ایک درہم کا وزن 10/7 مثقال ہوتا ہے، یعنی 975-2 گرام۔

8.3۔ **وسق**: وسق کی جمع اوسق ہے، ایک اونٹ کے بوجھ کو وسق کہتے ہیں۔ وسق وہ پیمانہ ہے جس میں ساٹھ صاع پھل سماتے ہیں۔ ایک صاع تقریباً ساڑھے چار سیر (3 کلو، 149 گرام، 280 ملی گرام) ہوتا ہے۔ شرعی استعمال: کھیتوں میں زکوٰۃ کے نصاب میں وسق استعمال ہوتا ہے۔

8.4۔ **جریب**: زمین ماپنے کی زنجیرِ جو بیس گٹھے یا 60 گز کی ہوتی ہے، زمین کے ایک بیگھہ کے برابر کا ماپ۔ جریب مساحت زمین کی ایک خاص مقدار جو فقہا کے

www.rahimia.org

درمیان اختلافی ہے۔ جریب 8 قفیز کے برابر پیمانے کو کہتے ہیں۔ جریب کی مقدار انگریزی گز سے 35 گز طول (لمبائی) اور 35 گز عرض (چوڑائی) ہے۔ چار (4) کنال، اسّی (80) مرلے۔

8.5۔ **قفیز**: قَفِیْز ایک کیل (پیمانہ) ہے۔ (وہ چیز جسے پیمانے سے ماپا جاتا ہے) اس کی جمع "اقفزۃ" اور "قفزان" ہے۔ قفیز گندم وغیرہ ناپنے کے ایک پیمانے کا نام ہے۔ **اَلْقَفِیْزُ فِی اللُّغَةِ: مِکْیَالٌ، وَهُوَ ثَمَانِیَةُ مَکَاکِیکَ** یعنی قفیز ایک ایسا پیمانہ ہے جو آٹھ مکوک کے برابر ہے اور چوں کہ ایک مکوک ڈیڑھ صاع کے برابر ہے، لہٰذا ایک قفیز 12 صاع کے برابر ہے، یعنی وہ ٹوکرا جس میں 12 صاع غلہ سما جائے۔

8.6۔ **ذراع**: ایک پیمانے کا نام ہے۔ بازو کا وہ حصہ جو کہنی سے شروع ہو کر درمیانی انگلی کے سرے پر ختم ہوتا ہے۔ حدیث و فقہ کی کتابوں میں دو قسم کا ذراع معروف ہے: متقدمین کے ہاں بتیس انگشت (انگلی) کا ذراع تھا، جب کہ متأخرین میں چوبیس انگشت کا ذراع معروف ہے۔ احناف اور شوافع کے نزدیک ایک ذراع چوبیس انگل کے برابر ہے۔ مالکیہ کے نزدیک 36 انگل کے برابر ہے۔

8.7۔ **دانق**: ایک پیمانہ۔ یہ فارسی لفظ ہے، جو عموماً ایران اور عراق میں رائج ہے۔ اس کی جمع "دوانق" یا "دوانیق" ہے۔ صاحب قاموس کہتے ہیں: "**الدّانق قیراطان**" یعنی ایک دانق دو قیراط کا ہوتا ہے۔ ابن اثیر کہتے ہیں "**الدّانق سُدُس الدّرهم**": دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے۔ گویا ایک درہم میں چھ دانق ہوئے۔

8.8۔ **رِطل**: رِطل ایک معیار ہے، جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے اور ایک پیمانہ بھی ہے۔ رطل درہم کے حساب سے 130 درہم کے برابر، مثقال کے حساب سے 90 مثقال کے برابر، مد کے حساب سے نصف مد کے برابر اور استار کے حساب سے 20 استار کے برابر ہوتا ہے۔ پاکستانی وزن سے ایک رطل نصف سیر کا اور ایک مد

www.rahimia.org

ایک سیر اور صاع چار سیر لیکن مد اور رطل کی مقدار میں اختلاف ہے۔

8.9۔ مُــــــد: ایک پیمانہ، جو وزن میں دو رطل ہوتا ہے، یا ایک اوسط درجے آدمی کی ہتھیلیوں کو بھر کر ہاتھ پھیلانے کی مقدار کے برابر۔

8.10۔ اوقیـــــہ: مشہور وزن ہے، جس کی جمع ''اواق'' ہے، جو اکثر عرب اور اسلامی اصطلاحات میں استعمال ہوتا ہے۔ فقہا کے نزدیک ایک اوقیہ 40 درہم کا ہوتا ہے، جو 7 مثقال کے برابر ہے جب کہ ایک درہم 3.17 گرام کے برابر ہے تو اس حساب سے جدید وزن میں 3.17×40=126.8 گرام بنتے ہیں۔

- - - - - - - - - - - - - - - - -

www.rahimia.org

(4)

معاشیات کے بنیادی شعبے

انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے وسائل معیشت کے حصول کے تین بنیادی ذرائع ہیں:

1۔زراعت (Agriculture)

2۔صنعت وحرفت (Industry)

3۔تجارت (Trade)

4.1۔زراعت (Agriculture)

معاشیات کا پہلا انتہائی اہم شعبہ زراعت ہے، اس میں ''زمین'' میں ''محنت'' کرکے اشیا میں ''افادیت'' پیدا کی جاتی ہے۔ یہ افادۂ تحفظ کی صورت میں ہوتا ہے۔ ایک کاشت کار فصل وغیرہ کاشت کرکے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اس وسائل معاش میں بڑھوتری اور نشو ونما کا کردار ادا کرکے افادیت پیدا کرتا ہے۔ انسانیت کا ابتدائی دور زراعت ہی کی نشو ونما اور ترقی کا مرہونِ منت ہے۔ یہ شعبہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے آج بھی بنیادی ذرائع پیدائش دولت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس شعبے کی بہت سی ذیلی شاخیں ہیں۔ زمین کی کاشت کاری سے لے کر جانوروں کی پرورش تک بہت سے شعبے ہیں۔

4.2۔صنعت وحرفت (Industry and Handicraft)

معاشیات کا دوسرا اہم ترین شعبہ صنعت وحرفت ہے۔ اس شعبے میں پیدا شدہ

www.rahimia.org

وسائل یا قدرتی مادے میں ''افادۂ شکل'' (Utility of Form) کے ذریعے سے افادیت پیدا کی جاتی ہے۔ ابتدائی زمانے میں یہ دست کاری اور حرفت کی شکل میں تھی۔ صنعتی دور کے آنے کے بعد بطور انڈسٹری کے اس کا رواج ہوا۔

جدید دور میں ''صنعت'' کسی بھی معاشی شعبے میں پیداواریت کی موجود جملہ تنظیمی اکائیوں کے مجموعے کا نام ہے اور ''صنعتی فرم'' ایک تنظیمی اکائی کے لیے بولا جاتا ہے۔ گویا ''صنعتی فرم'' کی حیثیت جز کی ہے اور اس شعبے کی ''صنعت'' کی حیثیت کل کی ہے۔ مثلاً ائیرکنڈیشن کے شعبے کی صنعت میں اے سی بنانے والی ایک فیکٹری مثلاً ''ہائیر'' فرم کہلائے گی، جب کہ اے سی بنانے والی تمام فیکٹریاں مثلاً جنزل، مٹسوبشی، گری اور ایل جی وغیرہ کا مجموعہ اس شعبے کی ''صنعت'' شمار ہوگا۔

4.3۔ تجارت (Trade)

معاشیات کا تیسرا اہم ترین شعبہ تجارت ہے۔ جس کا مطلب ''افادۂ مقام'' (Utility of Place) کے ذریعے سے وسائل معاش میں افادیت پیدا کرنا ہے۔ اس طرح تجارت میں ''تبادلۂ اشیا'' کے ذریعے خریدار اور فروخت کنندہ اپنی اپنی انسانی ضروریات کی تسکین کرتے ہیں۔ چناں چہ جب بھی کسی معاشرے میں دو یا زیادہ افراد آپس میں اشیا و خدمات کا لین دین کرتے ہیں تو معاشیات میں اس خرید و فروخت کو تجارت کہا جاتا ہے۔ اشیا و خدمات کی یہ خرید و فروخت جس مقام پر ہوتی ہے، اُسے ''منڈی'' کہا جاتا ہے۔

جب تجارت ملک کے مختلف حصوں یا علاقوں کے درمیان کی جائے تو اسے اندرونی یا داخلی تجارت (Domestic Trade) کہتے ہیں۔ جب کہ دو یا دو سے زیادہ ملکوں کے درمیان تجارت کو بیرونی یا غیر ملکی تجارت (Foreign Trade) کہا جاتا ہے۔

- - - - - - - - - - - - - - - - -

www.rahimia.org

(5)

معاشیات کے اہم ادوار

5.1۔قدرتی وسائل کے استعمال کا دور

انسان کے ابتدائی ادوار میں انسانی احتیاجات کی تسکین' قدرت کے پیدا کردہ وسائل سے ہی کی جاتی تھی۔یعنی اشیا کی ''قدرتی افادیت'' ہی انسانی احتیاجات کی تسکین کا باعث بنتی تھی۔ بعد کے زمانے میں انسان نے زراعت، صنعت، تجارت وغیرہ کے ذریعے سے ''تخلیقی افادیت'' پیدا کر کے اپنی احتیاجات کی تسکین کا نظام قائم کیا۔

5.2۔زرعی دور

انسانی زندگی کے اگلے ارتقائی مرحلے میں ''تخلیقی افادیت'' کا پہلا مرحلہ ''زراعت'' کی صورت میں شروع ہوا۔یعنی اس نے زمین پر موجود قدرتی نباتات کے تحفظ، پرورش اورنشوونما کے ذریعے سے زرعی حوالے سے اشیا میں ''افادیت'' پیدا کرنا شروع کی۔ اور پھر آگے چل کر ''مصنوعی کاشت'' کا طریقہ دریافت کیا۔ جس سے ''افادۂ تحفظ'' میں وسعت پیدا ہوئی۔ قدیم مفکرین کے ہاں زراعت کے لیے ''فلاحت'' کا لفظ غالبًا اسی لیے استعمال ہوتا رہا ہے کہ اس دور میں نباتات کی بقا اور تحفظ کے لیے کی جانے والی محنت اورکوششوں کو ''فلاحت'' (بقا و پرورش) کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

اس دور میں انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے ''تخلیقی افادیت'' سے پیدا ہونے

www.rahimia.org

والی اشیا کو بالادستی حاصل ہوئی اور قدرتی اشیا کے استعمال کی حیثیت ثانوی ہوتی چلی گئی۔ اس دور میں پیدائش دولت کا اہم ترین ذریعہ ''زمین'' قرار پائی۔ ابتدائی زرعی دور میں زمین کے وسائل سے اجتماعی طور پر استفادہ کرنے کا سماجی نظام قائم ہوا، لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، زمین پر قابض طبقات نے اس دور کے ذریعۂ پیدائش دولت (یعنی زمین) پر اجارہ داری قائم کرکے ''فیوڈلزم'' کی بنیاد رکھی۔ اس طرح زمین پر قبضے کی اساس پر زرعی دور میں جاگیردارانہ سوچ نے تمام سماجی، معاشی اور سیاسی رشتوں کی نوعیت اجتماعیت کی بجائے انفرادیت اور طبقاتیت کی صورت میں قائم کردی۔

دنیا کے مختلف خطوں میں زرعی دور کے ارتقا کے مراحل یکساں نہیں رہے۔ کسی خطے میں زراعت کی ترقی کا دور بہت پہلے شروع ہوا اور کسی دوسرے براعظم میں زرعی ترقیات کا دور بعد میں ظہور پذیر ہوا۔ یورپین معاشرے میں زرعی دور کے اجارہ داری طریقے کو ''فیوڈلزم'' کا نام دیا گیا ہے۔

5.3۔تجارتی دور

زرعی ترقیات کے بعد اگلا دور زرعی اشیا یا حرفتی مصنوعات کے باہمی تبادلے کی بنیاد پر تجارت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ابتدائی زمانے کی تجارت بارٹر سسٹم (شئے کے بدلے شئے) کے تحت جاری رہی، لیکن اس سے تبادلۂ اشیا کے عمل میں مشکلات پیدا ہوئیں تو تبادلے میں سہولت پیدا کرنے کے لیے سونا اور چاندی کی صورت میں ''زر'' کی تخلیق ہوئی اور اس کے نتیجے میں تجارتی عمل تیز رفتاری کے ساتھ انسانی معاشروں میں فروغ پذیر ہوا۔ اس طرح انسانی معاشرے میں زراعت کے مقابلے پر تجارت کو بالادستی حاصل ہوگئی۔

تجارتی دور میں انسانی سماج کے تمام سیاسی، سماجی اور معاشی روابط و تعلقات پر اشیائے تجارت اور قدرِ تبادلہ یعنی زر کو بالادستی حاصل ہوتی چلی گئی۔ زر پر کنٹرول رکھنے والے طبقات نے بہ تدریج تعاونِ باہمی کے اس تجارتی عمل کو ''مرکنٹائلزم'' کی صورت دے دی۔ اس طرح ''تجارتی نظریۂ زر'' نے بالادستی حاصل کرکے استحصال کے نئے

www.rahimia.org

راستے کھولے۔ یہ تجارتی دور بھی مختلف براعظموں میں یکساں طور پر نہیں آیا، بلکہ صدیوں کے فاصلوں کے ساتھ مختلف براعظموں میں اس کے ارتقائی مراحل مختلف صورتوں میں ظاہر ہوئے۔

5.4۔ صنعتی دور

تجارتی دور کے بعد مشین کی ایجاد سے صنعتی دور کا آغاز ہوا۔ اگرچہ ابتدائی صنعت و حرفت جو ہنرمندوں کی دست کاری کی صورت میں وجود میں آئی تھی، ابتدائی دور میں بھی رہی ہے۔ زرعی اور تجارتی ادوار میں ہاتھ سے بنی ہوئی مصنوعات کی صورت میں اشیا میں افادیت پیدا کی جاتی رہی۔ لیکن تقریباً دوسو سال قبل مشین کی ایجاد نے صنعت کو ایک نیا رُخ دیا اور اشیا کی پیدائش کے عمل کو تیز تر کر کے صنعت کو زراعت اور تجارت پر بالادستی دے دی۔

صنعتی دور کے آغاز سے ہی ''تجارتی نظریۂ زر'' آگے بڑھ کر ''سرمایہ'' کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس طرح سرمائے کی طاقت نے صنعت کے پیداواری عمل کو تیز تر کر دیا۔ اور یوں سرمائے کے انفرادی اور طبقاتی استعمال نے انسانی معاشرے میں ''کیپٹل اِزم'' کو وجود بخشا۔ تمام تر سیاسی، سماجی اور معاشی تعلقات بہ شمول زراعت اور تجارت' سرمائے کی بالادستی کے تابع ہو کر رہ گئے۔ حال آں کہ صنعت کی اس ایجاد نے اس بات کو یقینی بنایا تھا کہ ایک مشین پر جب تک مزدوروں کی ایک جماعت مل کر اشیا کی پیدائش کا عمل نہیں کرتی، اس وقت تک کسی بھی فیکٹری سے بھرپور نتائج حاصل نہیں کیے جاسکتے۔ افراد کی اجتماعی طاقت سے پیدا ہونے والی مصنوعات کی پیدائش کے نتیجے میں صنعت کے اجتماعی پہلو کو تعاونِ باہمی کی اساس پر زیادہ واضح طور پر اُبھر کر سامنے آنا چاہیے تھا، لیکن سرمایہ داروں کے استحصالی طبقات نے صنعت کے اجتماعی عمل کو مخصوص افراد کے مفادات کا ذریعہ بنا کر رکھ دیا۔

www.rahimia.org

5.5۔ ڈیجیٹل دور

صنعتی دور میں پہلے مشین کا پہیہ میکانکی طریقۂ کار کے مطابق چلتا رہا۔ اس کے ذریعے سے وسائلِ معاش کی پیداوار کا عمل تیزی سے آگے بڑھا۔ پھر الیکٹرانک ٹیکنالوجی کی 1880ء میں دریافت کے بعد صنعتی دور ایک نئے مرحلے میں داخل ہوا اور میکانکی نظام کو الیکٹرک ٹیکنالوجی سے وابستہ کر کے پیداواری عمل مزید تیز ہوا۔ پھر 1950ء کے بعد سے ڈیجیٹل انقلاب (Digital Revolution) برپا ہوا، جو آج تک نئے پہلوؤں کی دریافت سے نئی شکلوں کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ اسی دور میں کمپیوٹر ایجاد ہوا اور ڈیجیٹل ایج نے وسائلِ معاش کے حصول کے لیے پیداواری رشتوں کو ایک نئی شکل عطا کی۔ اس ڈیجیٹلائز دور میں ہر چیز کی رسائی آپ کی انگلیوں پر ہے۔ موبائل فون، لیپ ٹاپ، ٹیبلیٹ، کمپیوٹر کی مدد سے آپ جو چاہے دیکھ سکتے ہیں، معلومات حاصل کر سکتے ہیں، خریداری کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ کاروبار بھی کر سکتے ہیں۔

اس دور نے سرمایہ داری کے فروغ کے لیے بھی بڑا کردار ادا کیا ہے۔ حال آں کہ یہ دور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے درمیان اجتماعی روابط کو وجود میں لاتا ہے، جس کے ذریعے سے انسانی سماجی ترقی اور معاشی خوش حالی کے لیے بہت سے اجتماعی اُمور سرانجام دیے جاسکتے ہیں، لیکن سرمایہ دارانہ نظام کے سبب جہاں صنعتی دور میں سرمایہ سمٹ کر چند فیکٹری مالکان کے قبضے میں آ گیا تھا، اب اس ڈیجیٹل دور میں ارتکازِ دولت کا حجم بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ آئی ٹی کے شعبے سے وابستہ بڑی بڑی کمپنیاں، خاص طور پر گزشتہ چند سالوں سے اجارہ دار بن کر سامنے آ رہی ہیں۔ انسانی اجتماعیت اور ڈیجیٹل رابطوں سے وجود میں آنے والی دولت سمٹ کر چند اجارہ دار کمپنیوں اور افراد کے قبضے میں جا رہی ہے۔ جب کہ آرٹیفیشل اینٹیلیجنس (AI) نے دولت کے ارتکاز کو مزید بڑھا دیا ہے۔ اس شعبے سے وابستہ ہنرمند اپنی صلاحیتوں کو عالمی سافٹ وئیر کی مخصوص کمپنیوں کے ہاتھوں غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ وہ اُن کی ہوسِ دولت کو پورا کرنے کے لیے بہ طور آلۂ کار اپنی

www.rahimia.org

محنت بیچنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔

اس ڈیجیٹلائزڈ دور میں جس کاروبار نے بہت مقبولیت حاصل کی ہے وہ انٹرنیٹ مارکیٹنگ ہے۔جس نے کئی لوگوں کو آسمانوں پر تو کئی کو پاتال میں پہنچا دیا ہے۔فراڈ اس کاروبار کا سب سے بڑا عنصر ہے۔ایڈسرفنگ، انویسٹمنٹ، پلان ٹری (دیگر لوگوں کو شامل کرنا) اوران کی انویسٹمنٹ پر منافع حاصل کرنا شامل ہے۔قانونی طور پر یہ سائبر کرائم کے زمرے میں آتا ہے مگر افسوس ہمارے سائبر کرائم کے ادارے اس پر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔

شارٹ کٹ کے نتیجے میں حلال حرام کی تمیز بھی ختم ہو گئی ہے۔آن لائن مارکیٹنگ، آن لائن بزنس اوراس طرح کے دیگر کاروبار میں فراڈ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ ہنرمندی کے بغیر ''ہینگ لگے نہ پھٹکری، رنگ بھی چوکھا آئے'' کے مصداق راتوں رات امیر ہونے کا جوطریقہ عام ہے، اس کی روک تھام ضروری ہے۔امیر ہونا کوئی بری بات نہیں ہے، مگرکسی کو دھوکہ دے کر، کسی کا پیشہ غصب کر کے، فراڈ کر کے پیسہ کمانا اخلاقی، قانونی اورشرعی طور پر جرم میں شمار ہوتا ہے۔

- - - - - - - - - - - - - - - - -

www.rahimia.org

(6)

نظام ہائے معیشت

جب کسی بھی مدرسۂ فکر (School of Thought) کی روشنی میں ایسا ادارتی سلسلہ قائم کیا جائے، جس میں انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے وسائل معاش کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور صَرف کے بنیادی تصورات، اصول اور ضابطے، حکمتِ عملی اور طریقۂ کار وضع کیے گئے ہوں اور ان پر عمل درآمد کے ذمہ دار افراد کے فرائض اور ذمہ داریوں کا ایک باقاعدہ اور مربوط نظام قائم کیا جائے تو اُسے اُس مدرسۂ فکر کا ''نظامِ معیشت'' کہا جاتا ہے۔

انسانی تاریخ کے اہم معاشی ادوار (زرعی دور، تجارتی دور اور صنعتی دور) کا تجزیہ کرنے والے مفکرین اور ماہرین نے ان ادوار میں درجِ ذیل نظام ہائے معیشت کا تعین کیا ہے:

6.1۔ فیوڈل اِزم (Feudalism)

زرعی دور میں پیدائش دولت کا مرکز ومحور ''زمین'' رہی ہے۔ جب تک زرعی معیشت اجتماعیتِ انسانی کی بنیاد پر کام کرتی رہی تو انسانیت کے لیے کوئی مشکلات پیدا نہیں ہوئیں۔ لیکن جب زرعی دور میں ''زمین'' پر آمریت پسند لوگوں نے نسلی یا طبقاتی بنیادوں پر ادارتی تسلط حاصل کیا تو فیوڈل تصورات اور اصول وضابطے سامنے آئے۔ فیوڈل لارڈز نے زمین پر مبنی زرعی معیشت کے وسائل پر قبضہ کیا۔ اسے اجتماعیت کے دائرے سے نکال کر انفرادی مفادات کے طور پر بروئے عمل لائے۔ استحصال کرنے والے اشخاص اور ان

www.rahimia.org

کی ذمہ داریوں کا ادارتی سلسلہ اور نظام قائم ہوا۔ اس طرح زمین کو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اصطلاحات کے تناظر میں ''رأیِ کُلّی''، یعنی اجتماعی مفادِ عامہ کے بجائے ''رأیِ جُزئی'' یعنی انفرادی یا گروہی مفاد کے لیے استعمال کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ یورپ کی معاشی تاریخ میں وسائل معاش پر اس طرح کے انفرادی تسلط نے سیاسی، سماجی اور معاشی حوالے سے جو نظام تشکیل دیا، اُسے فیوڈلزم کہا جاتا ہے۔

دنیا کے مختلف براعظموں پر ''زمین'' کی بنیاد پر انسانیت کے استحصال کی مختلف شکلیں زرعی ادوار میں قائم رہی ہیں۔ یورپین سماج میں گیارہویں صدی عیسوی سے لے کر سولہویں صدی عیسوی تک کا دور، فیوڈلزم کا دور کہلاتا ہے۔

6.2۔ مرکنٹائل اِزم (Mercantilism)

تجارت کی بنیاد پر وسائل معاش کی ترقیات کا زمانہ، تجارتی دور کہلاتا ہے۔ تبادلۂ اشیا کا اصل تصور تعاونِ باہمی کی اساس پر اجتماعی مفادِ عامہ کے لیے اشیا کی افادیت کے تبادلاتی عمل کو فروغ دینا تھا۔ تجارتی دور میں زر (Money) کی تخلیق کا عمل بھی تعاونِ باہمی کے تقاضوں کے تحت وجود میں آیا۔ چناں چہ ایک زمانے تک اجتماعی مفاد کے مطابق تبادلۂ اشیا کا عمل براہِ راست (barter system) یا زر کے واسطے سے جاری رہا۔

لیکن جب انفرادی مفادات کے حامل افراد نے تجارتی اشیا اور زر پر قبضہ کیا اور سوسائٹی کے اجتماعی مفادات کو پس پشت ڈال دیا تو ''تجارتی نظریۂ زر'' وجود میں آیا۔ اس کے نتیجے میں ایسا ادارتی سلسلہ قائم ہوا، جس میں تجارتی عمل کے انفرادی تصورات، اصول وضوابط پر مبنی نظامِ معیشت کی صورت گری ہوئی۔ یورپ کی معاشی تاریخ میں اس کو مرکنٹائل اِزم کہا جاتا ہے۔

یہ نظام بھی دنیا کی مختلف اقوام میں مختلف شکلوں میں رائج رہا ہے۔ یورپین سماج میں مرکنٹائل اِزم کا دور سولہویں صدی سے اٹھارویں صدی تک کا زمانہ ہے۔

www.rahimia.org

6.3۔کیپٹل اِزم (Capitalism)

صنعت وحرفت کی اساس پر وسائل معاش کی پیدائش کا عمل انسانیت کے ابتدائی دور سے ہی جاری رہا ہے۔ اس کی اساس قدرتی اشیا میں انسانی محنت کے ذریعے سے پیدا ہونے والی افادیت کے اجتماعی عمل پر تھی۔ افراد بھی اجتماعی مفاد کے لیے اشیا کی مصنوعات تیار کرتے تھے اور وہ ایک اجتماعی عمل کے ذریعے انسانیت میں تعاونِ باہمی کو فروغ دینے کا باعث ہوتا تھا۔لیکن مشین کی ایجاد کے بعد اس اجتماعی عمل کی تنظیم نو ہوئی اور ایک مشین پر مزدوروں کی اجتماعی محنت نے پیداوار کے عمل کو تیز تر کردیا۔اس ایجاد سے حقیقت میں انسانی مفاد کے حوالے سے بڑی سہولت پیدا ہوئی۔

اس ایجاد کا تعاونِ باہمی کے اصول پر استعمال یقیناً انسانیت کے لیے ترقی کا باعث ہوتا، لیکن یہاں بھی انفرادی اور طبقاتی مفادات کے حامل گروہوں نے مشین پر قبضہ کرکے صنعتی پیداواری عمل کو اپنے مخصوص طبقات کے مفادات کے لیے استعمال کیا۔اس طرح پیداشدہ وسائل معاش کو مزید پیدائش دولت کے لیے استعمال کرنے کے نتیجے میں ''کیپٹل'' وجود میں آیا۔یوں صنعتی دور میں کیپٹل ایک اقتصادی طاقت کے طور پر سامنے آیا اور کیپٹل پر قابض طبقات نے اس کی اساس پر معاشی تصورات، اصول، ضابطے اور طریقہ ہائے کار متعین کیے اور ایک باقاعدہ ادارتی سلسلے کو منظّم کیا۔اس طرح سے صنعتی دور میں ''کیپٹل اِزم'' وجود میں آیا۔

کیپٹل اِزم کا ظہور سب سے پہلے یورپین سماج میں صنعتی دور میں ہوا۔ اٹھارہویں صدی سے لے کر اب تک دنیا کے بہت سے ممالک میں کیپٹل اِزم کا تسلط ہے۔

6.4۔سوشلزم / کمیونزم (Communism / Socialism)

صنعتی دور میں مشین کی ایجاد کے بعد کیپٹل اِزم کے پیداشدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے سوشلزم وجود میں آیا۔ اس نظام میں ہی ریاست کے ادارتی سلسلے کے تحت

www.rahimia.org

صنعتوں کے استعمال کے اشتراکی تصورات کو سامنے رکھتے ہوئے دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور صَرف کے نظریات و افکار، اصول اور ضابطے، طریقۂ کار اور حکمتِ عملی پر مبنی جو نظام وجود میں آیا، اُسے سوشلزم کہا جاتا ہے۔ ریاستی طاقت کے بغیر افراد کے اجتماعی کمیونزم پر مبنی ادارتی سلسلے پر مبنی اجتماعی معاشی نظام کو ''کمیونزم'' کہا جاتا ہے۔

6.5۔اسلام کا اقتصادی نظام (Islamic Economic System)

دین اسلام کی اقتصادی تعلیمات کی روشنی میں تمام زرعی، تجارتی اور صنعتی ادوار میں اجتماعی ادارتی نظام قائم رہے ہیں۔ دین اسلام کی معاشی تعلیمات انسانی احتیاجات کا تعین اور وسائل معاش کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور صَرف کے اساسی نظریات، اصول اور ضابطے، حکمتِ عملی اور طریقۂ کار کی نشان دہی کرتی ہیں۔ اور ان تعلیمات کے مجموعی اور مربوط نظام کو اسلام کا اقتصادی نظام کہا جاتا ہے۔ چوں کہ دین اسلام ان تمام پہلوؤں کے حوالے سے بنیادی رہنمائی اور قوانین وضوابط، عملی سیرت و کردار پیش کرتا ہے، اس لیے اسلام کی اقتصادی تعلیمات ایک مکمل نظامِ فکر وعمل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

بعض حضرات کا یہ تصور کہ ''اسلام کوئی معاشی نظام نہیں ہے۔ ...اسلام صرف چند بنیادی اقتصادی اقدار کی نشان دہی کرتا ہے اور کوئی نظام نہیں رکھتا'' [66] قطعی طور پر غلط ہے۔ اس لیے کہ ساتویں صدی عیسوی سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے زوال تک تقریباً ایک ہزار سال کے عرصے میں اسلامی حکومتوں کے دور میں اسلام کا اقتصادی نظام دنیائے انسانیت پر نافذ العمل رہا ہے۔ اس جدید صنعتی دور میں بھی یہ نظام قائم کیا جاسکتا ہے۔

- - - - - - - - - - - - - - - - -

www.rahimia.org

یورپین معاشروں کے
معاشی افکار و نظریات کا ارتقائی جائزہ

یورپین سماج میں معاشی ارتقا کے مختلف مراحل رہے ہیں۔ چناں چہ زرعی دور میں فیوڈل اِزم، تجارتی دور میں مرکنٹائل اِزم اور صنعتی دور میں کیپٹل اِزم بالترتیب وجود میں آئے۔ یورپ کے معاشی ارتقا کا اب تک دریافت شدہ اجتماعی عملی مرحلہ سوشلزم اور تصوراتی طور پر اجتماعی نظریۂ کمیونزم ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے کہا ہے کہ: ''یورپ نے جو تحریکات متعارف کرائی ہیں، ان کا آخری مرحلہ سوشلزم ہے''[67]۔

چناں چہ یورپین سماج کے ارتقا کے حوالے سے:

☆ فیوڈلزم کا دور (گیارہویں صدی عیسوی سے سولہویں صدی تک)
☆ مرکنٹائل اِزم کا دور (سولہویں صدی سے اٹھارہویں صدی کے نصف اوّل تک)
☆ کیپٹل اِزم کا دور (اٹھارہویں صدی کے نصف آخر سے بیسویں صدی تک)
☆ سوشلزم کا دور (بیسویں صدی میں مشرقی یورپ اور ایشیا کے کچھ علاقے اور لاطینی امریکا پر قائم ہوا۔)

جہاں تک ایشیا، افریقا اور اندلس وغیرہ میں معاشی حوالے سے ارتقا کے مراحل ہیں۔ تو ان خطوں میں زرعی اور تجارتی ترقی کا دور اسلام کی تعلیمات کے سبب بہت پہلے اصلاح و ترقی کے مراحل سے گزر چکا ہے۔ چوں کہ صنعتی دور کا آغاز یورپ سے ہوا اور اس دور

www.rahimia.org

کے آغاز سے ہی سرمایہ دارانہ نظام بھی یورپ میں آیا، جس میں صنعتی حوالے سے ہونے والی ترقی کو شروع سے ہی کیپٹل اِزم کا رُخ دے دیا۔ چناں چہ انفرادیت کے نقطہ نظر سے صنعتی دور کے پیداواری رشتوں کی ترتیب سرمایہ دارانہ تصورات کے تحت قائم کی گئی۔ اس طرح عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ صنعتی دور اور سرمایہ دارانہ افکار ونظریات دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہیں، حال آں کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔

سرمایہ دارانہ طرزِ فکر وعمل کے اس ظلم نے عام انسانیت کے لیے مصائب کے پہاڑ توڑے تو خود یورپ میں ہی اس کے خلاف ایک واضح ردِعمل سامنے آیا۔ چناں چہ یورپین معاشرے میں ہی ایسے افکار وخیالات اور معاشی نظریات سامنے آئے، جنھوں نے سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اور صنعتی دور میں کسی حد تک انسانیت کے مفادات کو اجتماعی رُخ دینے کے لیے سوشلزم اور کمیونزم کے افکار ونظریات وجود میں آئے۔

اس تناظر میں اس چیز کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے کہ جس طرح اسلام نے ایشیا، افریقا اور اُندلس وغیرہ میں زرعی دور اور تجارتی دور کے حوالے سے انقلابی معاشی تعلیمات کے ذریعے معاشی نظام میں تبدیلیاں پیدا کیں اور انھیں انسان دوست بنانے میں کردار ادا کیا۔ اسی طرح صنعتی دور کے پیداواری رشتوں کو اسلام کی انسانیت نواز تعلیمات کی روشنی میں درست کرنے کا لائحۂ عمل پیش نظر رکھا جائے اور ہدف یہ ہو کہ جدید صنعتی دور میں معاشیات کے حوالے سے اسلام کی تعلیمات ہماری کیا رہنمائی کرتی ہیں۔

اس سلسلے میں اسلام کی معاشی تعلیمات پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ یورپین سماج میں معاشی حوالے سے ارتقا کے جو مختلف مراحل سامنے آئے ہیں، ان کے بنیادی تصورات، افکار ونظریات کا مطالعہ کیا جائے۔ ذیل میں یورپین سماج کے معاشی ارتقا کے ان مختلف مراحل اور نظاموں کا ایک جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

www.rahimia.org

(1) فیوڈل اِزم (Feudalism)

فیوڈل اِزم کی اصطلاح یورپین سماج میں گیارہویں صدی عیسوی سے لے کر سولہویں صدی تک کے دور کے بارے میں استعمال کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کا آغاز آٹھویں صدی سے ہوجاتا ہے۔ اس دور کا تعلق یورپ میں ہونے والی زرعی ترقیات سے ہے۔ اس سے پہلے کا یورپ زرعی حوالے سے ترقی یافتہ نہ تھا۔ فیوڈل اِزم کے بنیادی تصورات زرعی پیداواری رشتوں کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ یہ تصورات زرعی پیداواری رشتوں کی ایسی ترتیب پر قائم ہیں، جہاں ایک طبقہ' نسلی طبقاتی امتیاز کی وجہ سے ''زمین'' پر قابض ہوجاتا ہے۔ یہ طبقہ زمین سے متعلق تمام پیداواری رشتوں کو انسانیت دوستی کی بنیاد پر استعمال کرنے کے بجائے گروہی اور طبقاتی مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ گویا فیوڈل لارڈز کے زمین کے وسائل پر قبضے سے ایسا سیاسی اور معاشی نظام قائم ہوا کہ زمین پر کام کرنے والے عام انسانوں کو عملاً حیوان بنا کر رکھ دیا گیا۔ انسانوں کی آزادی وحریت سلب ہوکر رہ گئی اوران کی محنت کا استحصال کرکے ''دولت'' میں اضافہ کیا جاتا رہا۔

فیوڈل اِزم کا تاریخی پس منظر

ابتدائی زمانے میں ''زمین'' تمام انسانوں کی ملکیت سمجھی جاتی تھی اور انتفاع کے لحاظ سے سب میں مشترک تھی۔ جو شخص پہلی مرتبہ کسی زمین کو استعمال کرنا شروع کردیتا، اُس پر اُس کی عارضی ملکیت قائم ہوجاتی اور یہ ملکیت اس وقت تک قائم رہتی، جب تک اس پر اس کا قبضہ رہتا تھا۔ قبضے کے ہوتے ہوئے اس کو بے دخل کرکے کسی دوسرے شخص کا قابض ہوجانا' انصاف اور قانونِ فطرت کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ البتہ قبضہ باقی نہ رہنے کی صورت میں دوسرے شخص کو اس زمین کے استعمال کرنے کا حق حاصل تھا۔ چوں کہ ایسے قبضے کے ہونے کی صورت میں طاقت کا ہونا ضروری تھا اوراس بات کا قوی امکان رہتا تھا کہ اس سے زیادہ طاقت ور شخص کو یہ مقام پسند آگیا تو وہ اس کو بے دخل کرکے خود

www.rahimia.org

اس پر قبضہ کرلے گا۔ اس لیے اس عارضی ملکیت پر انسان زیادہ دنوں قناعت نہ کرسکا، بلکہ اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد ہی مستقل ملکیت کا تصور قائم ہوا۔ پہلے تو صرف زمین استعمال کرنے کا حق تھا، لیکن مستقل ملکیت کا تصور قائم ہونے کے بعد زمین دار کی ذاتی حیثیت کی بنیاد پڑ گئی۔ ابتداءً قبضے نے بلا شرکتِ غیرے نفع اٹھانے کا حق پیدا کیا۔ اگرچہ وہ عارضی تھا، لیکن یہی بعد میں رفتہ رفتہ مستقل ملکیت کا سبب بن گیا۔ اہل روما میں جائیداد کا ابتدائی تصور یہیں سے پایا جاتا ہے۔

مستقل ملکیت کا تصور قائم ہونے کے بعد زمین اور جائیداد کا مالک ایک شخص یا خاندان نہ ہوتا تھا، بلکہ اس زمانے میں پدرسری خاندان کے نمونے پر جو اجتماعیتیں قائم تھیں، وہی اس کی مالک ہوتی تھیں اور انھیں کے ذمے اس کا پورا انتظام ہوتا تھا۔ اس کے بعد ان جماعتوں کے مشترکہ حقوق سے رفتہ رفتہ لوگوں کے شخصی حقوق علاحدہ ہوتے گئے اور بلاآخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ شخص واحد اس کا مالک سمجھا جانے لگا۔ ابتدائی زمانے کے مالکانِ زمین آزاد آسامیوں کے ذریعے کام کرانے سے ناواقف تھے۔ اس زمانے میں بالعموم غلاموں کی جماعتیں کاشت کیا کرتی تھیں اور اس کی شکل یہ تھی کہ ادنیٰ درجے کے غلام چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کردیے جاتے اور انھیں اعلیٰ اور معتبر قسم کے غلاموں کی ماتحتی میں دے کر ان کی نگرانی میں کاشت کاری کا کام انجام دیا جاتا۔

اس کے بعد مالکوں نے آزاد آسامیوں کو زمین مستقل پٹہ پر دے کر مقررہ ''لگان'' لینے کا طریقہ رائج کیا۔ چناں چہ اس زمانے میں پہلی مرتبہ روم میں تنہا ایک فرد کے پاس بہت بڑی جائیدادوں کا ذکر ملتا ہے کہ جنھیں وہ آزاد آسامیوں کے ذریعے کاشت کراتے تھے۔ اس طریقے کے رائج ہونے کے بعد کاشت کاروں کی دو قسمیں ہوگئیں: 1۔ غلام کاشت کار 2۔ آزاد آسامی کاشت کار۔ ان نئے کاشت کاروں کے ساتھ زمین دینے کا یہ معاملہ پہلے تو معاہدے کے ذریعے طے ہوتا تھا، لیکن جب بعد میں اس شکل کو زیادہ ترقی ہوئی تو اس کے لیے ایک خاص اصطلاحی نام ''محدود ملکیت'' مقرر کردیا گیا۔ اس محدود

www.rahimia.org

ملکیت کو روم میں اتنی زیادہ مقبولیت حاصل ہوگئی تھی کہ کاشت کاروں کو زمین کے ساتھ دل چسپی پیدا کرانے کا یہی واحد ذریعہ سمجھا جانے گا۔ اوراس میں کاشت کاروں کو اتنے وسیع اختیارات ملنے لگے تھے کہ روم کے حکمران کاشت کار ہی کو مالک سمجھتے تھے۔ جب تک وہ وقت پر محصول ادا کرتے رہتے، زمین کے مالک کو بھی کسی قسم کی مداخلت کا اختیار نہ ہوتا تھا۔ البتہ محصول ادا نہ کرنے کی صورت میں مالک کو بے دخل کردینے کا اختیار حاصل تھا۔ روم میں یہی دوہری ملکیت کا اصول ان زمینوں میں بھی پایا جاتا تھا، جو سرحد کے فوجیوں کے پاس تھیں۔ یہ سرحدی لوگ زمینوں پر بظاہر مالکانہ حیثیت سے قابض ہوتے تھے، لیکن زمین حقیقتاً حکومت ہی کی رہتی تھی۔ البتہ جب تک یہ فوجی خدمت انجام دیتے رہتے، ان لوگوں کو اس زمین پر کاشت کرنے کی پوری اجازت ہوتی تھی۔ اس صورت میں ان کی فوجی خدمتیں معمولی درجے کے محدود حقوق والے کاشت کاروں کے برابر سمجھی جاتی تھیں۔

محققین مؤرخین کی نظر میں یہی محدود ملکیت کی شکل فیوڈل اِزم کی بنیاد قرار پائی اور اس کی تمام اچھی اور بُری درجِ ذیل شکلیں اسی سے پیدا ہوئیں:

1۔ حقوقِ استفادہ نے اسی محدود ملکیت سے موروثی شکل اختیار کی۔ کیوں کہ اس طرح کی دی ہوئی تمام زمینیں عام طور پر آزاد آسامیوں کے ورثا کی طرف منتقل ہوجایا کرتی تھیں۔

2۔ انھی آزاد آسامیوں سے کھیت کو بٹائی پر دینے کا طریقہ رائج ہوا۔ کیوں کہ یہ لوگ اپنی سالانہ پیداوار کا ایک حصہ زمین کے مالکوں کو نذر کیا کرتے تھے۔

3۔ غالباً کچھ غلاموں کی حیثیت میں ترقی اور کچھ آزاد آسامیوں کی حالت میں تنزلی سے رعایا کا درمیانی طبقہ پیدا ہوا، جو نہ تو غلام کاشت کار کی طرح مجبورِ محض اور بے بس ہوتا تھا اور نہ آزاد آسامیوں کی طرح اس کو پورے اختیارات حاصل تھے۔ یہ درمیانی طبقہ اس وقت پیدا ہوا جب آزاد آسامیوں کو پہلے جیسے حقوق و مراعات حاصل نہ ہوتے تھے اور رفتہ رفتہ زمین داروں کی گرفت سخت سے سخت

www.rahimia.org

ہوتی گئی تھی۔

4۔ اسی محدود ملکیت کے نظام کو دیکھ کر فیوڈل اِزم قائم کیا گیا، جس کی صورت یہ ہوئی کہ غیر مہذب قوموں کے بادشاہ تقریباً سو سال تک اس بگڑی ہوئی شکل کا بغور مطالعہ کرتے رہے اور ان کو اس کے اندر کچھ ایسے جراثیم نظر آئے کہ وہ اس پر ایک نئے نظام کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہوگئے۔

5۔ ابتدا میں تو یہ جاگیر صرف بادشاہ کے مصاحبوں کو درباداری کے صلے میں ملا کرتی تھی اور یہ لوگ اپنی ذاتی آزادی (جو خاندانی جائیداد کے مالکوں کا معزز ترین حق تھا) اس کے صلے میں قربان کردیا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں اس کا رواج عام ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس نظام میں کاشت کار کی حیثیت زرعی غلام کی ہوگئی تھی اور ابتدائی زمانے کے غلام کاشت کار اور ان نام نہاد آزاد کاشت کاروں میں کوئی زیادہ فرق باقی نہ رہا۔

الغرض! اس طرح فیوڈل اِزم کی بنیاد پڑی اور یہ سسٹم تمام رومی اور یونانی دنیا میں رائج رہا۔

فیوڈل اِزم کی تباہ کاریاں

فیوڈل اِزم نے یہاں تک تسلط حاصل کیا کہ اللہ کی زمین جو سب میں مشترک تھی اور جس کے مساویانہ حیثیت سے سب انسان حق دار تھے، زمین داروں اور جاگیرداروں کے ایک محدود طبقے میں سمٹ کر رہ گئی اور کاشت کاروں کا طبقہ جبر و تحکم کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہر قسم کے وحشیانہ مظالم برداشت کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اس کے نہ آزاد کاشت کار جیسے حقوق باقی رہے اور نہ رعایا کے ابتدائی حقوق، بلکہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں اور طبعی استعدادوں کو چھوڑ کر زرعی غلام میں تبدیل ہوگیا۔ ان دونوں طبقوں میں فیوڈل لارڈز کو ہر طرح سے آزادی حاصل تھی اور دوسرا کاشت کار طبقہ ہر حیثیت سے غلام اور بے بس تھا۔ اسے زمین کو چھوڑ کر نہ کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت تھی اور نہ اپنی محنت سے نفع

www.rahimia.org

اٹھانے کی سکت تھی اور نہ ہی آقاؤں کی تبدیلی کا اختیار تھا اور نہ اپنے آقاؤں سے سرخ روئی کی کوئی امید تھی۔ جیسا کہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قبل از اسلام کے فیوڈل دور کا تجزیہ کیا ہے۔ چناں چہ آپ رومیوں اور عجمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''طبقہ امرا کے لیے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کی بس یہ شکل باقی رہ گئی تھی کہ کاشت کاروں، تاجروں اور دیگر کارپردازوں سے بھاری بھاری لگان اور کثیر مقدار کا ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے اُن کی زندگیاں تنگ ہوگئی تھیں۔ اگر یہ لوگ اس سے انکار کرتے تو انھیں سخت سے سخت سزائیں دی جاتیں اور اگر اطاعت کرتے تو اتنی زیادہ محنت و مشقت برداشت کرنی پڑتی کہ ان کی زندگیاں گدھوں اور بیلوں کی طرح ہوجاتیں۔ یہ بے چارے ہر وقت محنت و مشقت اور خدمت گزاری میں لگے رہتے تھے۔ انھیں اتنا وقت بھی نہ ملتا تھا کہ وہ اپنی دنیاوی ذاتی مفاد کے متعلق کچھ سوچ سکیں اور اُخروی سعادت کی طرف نظر اٹھانے کی تو ان میں بالکل ہمت ہی نہیں رہی تھی۔ بسا اوقات پورے ملک میں ایک شخص بھی نہ ہوتا کہ جس کو دین کی کچھ فکر ہو''(68)۔

اس طرح یورپین معاشرہ طبقاتی کشمکش میں مبتلا تھا۔ جس کی وجہ سے فیوڈل لارڈز کی عام زندگی میں عیش پرستی آگئی تھی اور سیاسی اقتدار شخصی آرزوؤں کو پورا کرنے کا وسیلہ بن گیا تھا۔ انفرادیت کا بھوت سب کے سر پر سوار تھا اور ریاست کی بنیاد مخصوص طبقے کی اغراض پر رکھی جاتی تھی، جس کی بنا پر اُمرا اور عوام کے درمیان زبردست خانہ جنگیاں ہوا کرتی تھیں۔ مظلوم عوام کی شورشوں کو ظالمانہ طور پر دبا دیا جاتا تھا۔ ایسی صورت میں ان کے گھروں کو جلانا، کھیتوں کو تباہ کرنا، قتل کرنا، غلام بنانا، غرض ہر قسم کا وحشیانہ سلوک عوام اور کاشت کاروں کے ساتھ جائز سمجھا جاتا تھا(69)۔

فیوڈل اِزم کے بنیادی تصورات

فیوڈل اِزم میں ''لارڈ'' زمین کا ''دہ خدا'' بن کر مذہب، سیاست، معیشت اور

www.rahimia.org

ثقافت کو یرغمال بنا لیتا ہے۔ اس نظام میں سیاسی، معاشی، سماجی اور مذہبی طاقت کو ذاتی و گروہی مفادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ چناں چہ زمین کا مالک حکمران ہوتا تھا۔ چوں کہ اس دور میں ''زمین'' ہی پیداوار کا بنیادی عامل تھی۔ اس لیے ''زمین'' سے پیدا ہونے والی تمام اشیا کا مالک حکمران ہوتا تھا۔ کسان اور کاشت کار کو محنت کا معاوضہ صرف ''اُجرت'' کی صورت میں دیا جاتا تھا اور اس میں سے بھی انھیں بطور ''لگان'' مالک کو اپنی محنت کے معاوضے میں سے بہت بڑا حصہ ادا کرنا ہوتا تھا۔

اس زمانے میں کسانوں کے لیے ''سرف'' (Serf) کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ یہ لوگ زمین کی طرح ایک بکنے والی شئے تھے اور زمین کا حصہ شمار ہوتے تھے۔ ایک دھرتی پر رہنے والے یہ لوگ نسل در نسل بکتے رہتے تھے۔ ان کی قیمت عام جانوروں سے بھی کم تر تھی۔

ان سرفوں کی چند قسمیں تھیں:

☆ بورڈرز (Bordars): یہ محل اور جاگیر میں ملازمت کرتے تھے۔ انھیں گزارے کے لیے گاؤں کے آس پاس دو تین ایکڑ زمین دے دی جاتی تھی۔

☆ کاٹرز (Cotters): ان کو جاگیر پر محض ایک جھونپڑی بنا کر رہنے کی اجازت تھی۔

☆ ولین (Villeins): ان کو کرائے پر زمینیں لینے کا اختیار تھا اور ان زمینوں کا لگان ادا کرنا پڑتا تھا۔

فیوڈل اِزم میں مذہب کا کردار

یورپ کا مذہبی کلیسا' ہمیشہ فیوڈل لارڈز کا نہ صرف اتحادی رہا، بلکہ رفتہ رفتہ خود مذہبی کلیسا نے بھی یورپ کے سب سے بڑے جاگیردار کی شکل اختیار کر لی۔ اس طرح یورپ کی نصف سے زیادہ زمینیں چرچ کی ملکیت بن گئیں۔ جیسے فیوڈل لارڈز کسانوں کا استحصال کرتے تھے، ایسے ہی چرچ اور کلیسا کے پوپ بھی محنت کشوں کی کمائی پر ڈاکہ ڈالتے تھے۔

www.rahimia.org

(2) مرکنٹائل اِزم (Mercantilism)

یورپ میں فیوڈل اِزم کے بعد کا دور مرکنٹائل اِزم کہلاتا ہے، جو سولھویں صدی کے وسط سے شروع ہو کر اٹھارہویں صدی کے نصف تک جاری رہا۔ یورپ میں زرعی دور کی ترقیات کے بعد جب تجارتی عمل کو فروغ حاصل ہوا تو ''زر'' کے ارتکاز نے ''تجارتی نظریۂ زر'' کو فروغ دیا۔ جس کے نتیجے میں ''مرکنٹائل اِزم'' وجود میں آیا۔ گویا ''تبادلۂ اشیا'' کا ایک ایسا طریقۂ کار وجود میں آیا، جس میں ''اشیا'' کے بجائے ''زر'' کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ جیسے زرعی دور میں ''زمین'' مرکزی اور محوری حیثیت رکھتی تھی، اسی طرح تجارتی دور میں ''زر'' کو مرکزی اور محوری حیثیت حاصل ہوگئی۔ تمام پیداواری رشتے اور تجارتی تعلقات کا محور ''زر'' بن کر رہ گیا۔ جن لوگوں کے قبضے میں زر اور تجارت کا کنٹرول تھا، انھوں نے ہی انسانوں کی محنتوں کا استحصال شروع کرلیا اور خرید و فروخت کے ایسے طریقے وضع کیے، جس سے زیادہ سے زیادہ زر اکٹھا ہو سکے۔ اسی کو تجارتی نظریۂ زر کہا جاتا ہے۔

تجارت کا فطری نظام یہ ہے کہ پیداشدہ اشیا کا تبادلہ انسانوں کے مفاد کے لیے کیا جاتا ہے۔ انسانوں کو چوں کہ ''حاجات'' پیش آتی ہیں اور ''اشیا'' حاجات کی تسکین کا باعث بنتی ہیں، اس لیے اشیا کا تبادلہ تعاونِ باہمی کے لیے ناگزیر قرار پایا۔ اب اس تبادلے کی عموماً چند شکلیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ اشیا کا اشیا سے تبادلہ کیا جائے۔ دوسری یہ کہ ''اشیا'' فروخت کرکے ''زر'' حاصل کیا جائے اور پھر اُس ''زر'' کے ذریعے اپنی ضرورت کی ''اشیا'' خریدی جائیں۔ تبادلے کی ان دونوں شکلوں میں خریدار اور فروخت کنندہ اپنی اپنی اشیا کی خرید و فروخت کرکے اپنی احتیاجات کی تسکین کا سامان کرتا رہا ہے۔ اس تمام تر خرید و فروخت اور تبادلۂ اشیا کا مقصد انسانی احتیاجات کے لیے اشیا کا حصول تھا، لیکن مرکنٹائل اِزم میں زر سے زر حاصل کرنے کے لیے اشیا کو واسطہ بنا لیا گیا۔ یعنی اصل مقصد انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے اشیا کا مہیا کرنا نہیں رہا، بلکہ محض

www.rahimia.org

زراندوزی مقصد قرار پایا۔ اور جب زر کا حصول ہی تجارت کا مقصد قرار پایا تو انسانی محنتوں کے استحصال کی مختلف عملی شکلیں سامنے آئیں۔ اس طرح فیوڈل اِزم کی جگہ مرکنٹائل اِزم کی صورت میں ظلم وستم کا بازار گرم ہوگیا۔

مرکنٹائل اِزم کے اس بنیادی تصور کو سمجھنے کے لیے تبادلۂ دولت کا درجِ ذیل چارٹ پیشِ نظر رہنا چاہیے:

1	اشیا	---	اشیا
2	اشیا	زر	اشیا
3	زر	اشیا	زر
4	زر	---	زر

اس طرح مرکنٹائل اِزم میں اشیا کی خرید وفروخت انسانی احتیاجات کی تسکین کے نقطۂ نگاہ سے کرنے کی بجائے محض زر سے زر کمانے پر ہوتی ہے۔ اس طرح زر پر قابض طبقات نے اشیا کے پیداواری عمل کو بھی زر کے مفادات کے مطابق ترتیب دیا اور ''اشیا'' میں ''افادیت'' پیدا کرنے والے محنت کشوں کی محنت کا استحصال شروع کردیا۔ سوسائٹی کا اجتماعی مفاد پسِ پشت چلا گیا اور مخصوص طبقات کی اجارہ داری قائم ہوگئی۔ چناں چہ منڈیوں پر اجارہ داری کے حصول کے لیے دوسری حریف تجارتی طاقتوں اور قوموں کے لیے اپنی منڈیوں میں داخلہ روکنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اسی لیے تجارتی نظریۂ زر انسانوں کے مفاد کی عمومی تجارت اور پابندیوں کا نظریہ بھی کہلاتا ہے۔ گویا انسانی مفاد کے مطابق تبادلۂ اشیا کی بہترین صورتوں پر پابندی لگا کر طبقاتی مفادات کے لیے کام کیا گیا۔

مرکنٹائل اِزم کے بنیادی اصول

''تجارتی نظریۂ زر'' کے تحت وجود میں آنے والے مرکنٹائل اِزم میں فیوڈل لارڈز کے مقابلے پر ''قومی معیشت'' پر زور دیا گیا، تاکہ زرعی دور میں ''زمین'' سے جڑے فیوڈل

www.rahimia.org

لارڈز کا زور توڑا جائے اور قومی معیشت کے نام پر ملکی دولت کو ایک مخصوص تجارتی طبقے کے مفادات کے لیے استعمال میں لایا جاسکے۔ اس کے لیے درجِ ذیل اصول وضع کیے:

1۔ قومی معیشت کے لیے حکومتی سرپرستی کی حوصلہ افزائی۔

2۔ قومی ریاستی طاقت کو بڑھانے کے لیے سونے اور زر کی بیرونِ ملک برآمدگی پر پابندی کے لیے قانون سازی۔

3۔ اشیا کی برآمدات ہر صورت میں ان کی درآمدات سے زیادہ ہونی چاہیے، تاکہ زر ملک کے اندر ہی رہے۔

4۔ اشیا کی پیداوار کے لیے خام مال مہیا کرنے کا کام نوآبادیات کے ذمے لگایا گیا، جب کہ نوآبادیاتی ملکوں میں پیداواری عمل پر پابندی لگادی گئی۔

5۔ جاگیرداروں کو مقروض بنادیا گیا اور وہ اپنی جاگیریں بیچنے لگے۔

6۔ نوآبادیاتی مقبوضات کی منڈیوں پر قبضہ کرکے برآمدات کی کھپت کی حکمتِ عملی۔

7۔ ہنرمندوں کے مزدور بننے سے تاجروں کے منافع بڑھنے لگے۔

8۔ زر کی حفاظت اور ترقی کے لیے ساہوکار بینکوں کا قیام۔

9۔ زر کی حفاظت کے لیے انشورنس کمپنیوں کا ابتدائی تصور۔

10۔ اشیا کی منڈیوں کے ساتھ زر کی منڈیوں اور مارکیٹوں کا قیام۔

مرکنٹائل اِزم کا ظالمانہ تسلط

یورپ کے ہر ملک نے طاقت ور اور خوش حال بننے کے لیے ان اصولوں پر عمل درآمد کرکے ہر جگہ سے اور ہر ممکن طریقے سے زر حاصل کیا۔ اس مقصد کے لیے بحری جہازوں کے تجارتی بیڑے اور تجارت کے لیے کارکن افراد تیار کرنے شروع کردیے۔ یورپ کا ہر ملک اس مسابقت میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی مہم میں زور وشور کے ساتھ مصروف ہوگیا اور جلد ہی یورپ میں بین الاقوامی تاجروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا، جس کی تمام تر اقتصادی منصوبہ بندیاں صرف ''زر'' کی زیادہ سے زیادہ تاجرانہ

www.rahimia.org

وسعت پر مبنی تھیں۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے اختتام تک معیشت کا یہ نظام یورپین اقوام کی سیاسی کامیابیوں کے جلو میں پوری دنیا پر چھا گیا۔ ہندوستان سے امریکا تک اور جنوبی افریقا سے جنوبی ایشیا کے دور دراز حصوں انڈونیشیا اور آسٹریلیا تک یورپ کا یہ تاجرانہ جلبِ زر کا نظام پوری طاقت و وسعت کے ساتھ محیط ہوگیا۔ اب وہ اپنے راستے میں کسی قسم کی قانونی پابندی اور رُکاوٹ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ نیز یہ کہ اُسے اب ایسے مستقل اصول وضوابط کی ضرورت تھی کہ جن کے ذریعے وہ دنیا بھر کی خام اجناس اور کارخانوں کی مصنوعات' اُس کے ''نظامِ زر'' کے دائرے میں محصور رہیں۔ بعد میں مشینی صنعت کے جدید عنصر نے ''زر'' کی توسیع کے نئے اور دور رَس امکانات پیدا کردیے تھے۔ چناں چہ مرکنٹائل اِزم کا دوسو سالہ اقتصادی و معاشی نظام کیپٹل اِزم میں تبدیل ہونا شروع ہوگیا[70]۔

(3) کیپٹل اِزم (Capitalism)

یورپ میں مرکنٹائل اِزم کے بعد کا مرحلہ ''کیپٹل اِزم'' کا ہے۔ مرکنٹائل دور میں ''زر'' کے ارتکاز نے صنعتی ایجادات کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ چناں چہ اگر پہلے ''زر'' سے ''زر'' کمانے کے لیے ''اشیا'' واسطہ بنتی تھیں اور ہنرمند مزدوروں کے ہاتھ اشیا بناتے تھے تو صنعتی دور میں ''مشین'' کو زیادہ سے زیادہ اشیا پیدا کرنے کا ذریعہ بنا لیا گیا۔ اس پیداواری عمل میں مزدور کے بجائے مشین اور صنعت کو استعمال کرکے زیادہ سے زیادہ نفع اندوزی کے لیے ''اشیا'' پیدا کی گئیں۔ اس طرح مرکنٹائل دور کا یہی مرتکز شدہ ''زر''، صنعتی دور میں ''کیپٹل'' کی شکل اختیار کرگیا۔ اس دور میں ''زمین'' اور اس سے حاصل شدہ خام مال، زر اور مشین نے مل کر ایک ''اثاثے'' (Asset) کی شکل اختیار کرلی، جسے ''کیپٹل'' کہا گیا۔ اب تمام پیداواری رشتے ''کیپٹل'' کو محوری حیثیت دے کر وجود میں لائے گئے۔ اس طرح ''سرمایہ'' کے پھیلاؤ اور اس کے فروغ کے حربے اپنائے جانے لگے اور انسان

www.rahimia.org

کولہو کے بیل کی طرح ''کیپٹل'' کے گرد گھومنے لگا۔ چناں چہ ''کیپٹل'' کی اساس پر پیدائش دولت، تقسیم دولت، تبادلۂ دولت اور صَرفِ دولت کے اصول و ضابطوں کا نظام وجود میں آیا۔

کیپٹل اِزم کا تاریخی پسِ منظر

کیپٹل اِزم کی بنیاد ایڈم سمتھ (Adam Smith) نے رکھی۔ چناں چہ اس نے 1776ء میں ایک مستقل تصنیف ''دولتِ اقوام'' (The Wealth of Nations) میں ''کیپٹل اِزم'' کا باقاعدہ نظریہ اور اصول اور اس کے ضابطے پیش کیے۔

ایڈم سمتھ نے سب سے پہلے تو تجارت پر سے اُن تمام مقامی پابندیوں کو ہٹانے کی تجویز سامنے رکھی، جو یورپ کے مختلف ممالک نے اپنے اپنے ملکوں میں سامانِ تجارت کی درآمد و برآمد پر لگا رکھی تھیں اور پھر فری ٹریڈ اِزم کے اصول پر تجارت کے نئے نظام کا نظریہ پیش کیا۔ جس کی رُو سے ہر علاقے کو زیادہ سے زیادہ ارزاں قیمت پر اپنے علاقے کی اشیا تیار کرنی چاہئیں اور دوسری قوموں کی تیار کردہ اشیا سے آزادی کے ساتھ تبادلے کی اجازت حاصل کرنی چاہیے۔ نیز تجارت وصنعت کی تمام منصوبہ بندیاں ''سرمایہ'' کے بل پر کی جانی چاہئیں اور سرمایہ کاری انفرادی ملکیت (Private Ownership) کے اصول پر ہونی چاہیے، جو ''صَرف'' (Consomption) کی اساس پر پھیل اور بڑھ سکے اور پھر فری ٹریڈ اِزم کا تاجرانہ اقتصادی نظام اٹھارہویں صدی میں کیپٹل اِزم کی صورت اختیار کرگیا، جو آگے چل کر مشینی صنعت کے فروغ کے ساتھ صنعت وتجارت کے مشترکہ، وسیع اور ہمہ گیر سرمایہ کارانہ لوٹ کھسوٹ کے نظام کی شکل میں سامنے آیا۔ جس کے دباؤ اور کنٹرول میں جلد ہی دنیا بھر کی زرعی، معدنی اور صنعتی پیداواریں آ گئیں۔

اس طرح دولت اور معیشت کا تمام انحصار پیدائش دولت، تبادلۂ دولت اور تقسیم دولت اور صرفِ دولت کی صورت میں ہونے لگا۔ کاشت کار اور مزدور کی محنت پیداوار کا اوّلین اور مؤثر ترین عنصر ہونے کے باوجود سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں بے اثر اور

www.rahimia.org

غیر اہم بنا کر رکھ دی گئی۔ سرمایہ کاری کے عمل میں دولت کی اس گردش، اس سے حاصل ہونے والے اضافہ اور کمی کے مسائل ہی معیشت کے اصل مسائل قرار دیے گئے۔ اور ''قدر'' (Value) کا مقام صرف سرمائے کو حاصل ہو گیا۔

سرمایہ داری نظام کے اصول ونظریات

سرمایہ داری نظام کے اپنے چند بنیادی اساسی اصول ونظریات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ عاملین پیدائش وتقسیم دولت کی بحث اور ''سرمایہ'' کی بنیادی حیثیت

سرمایہ داری کا پہلا بنیادی اصول ''سرمایہ'' کو بنیادی عامل پیدائش قرار دینا ہے۔ اس کی حقیقت سمجھنے کے لیے عاملین پیدائش دولت کی بحث کو سمجھنا ضروری ہے۔ عام طور پر سرمایہ دارانہ نظام میں چار عاملین پیدائش دولت گنوائے جاتے ہیں:

1۔ زمین (Land)
2۔ محنت (Labour)
3۔ سرمایہ (Capital)
4۔ تنظیم (Orgnization)

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں بظاہر پیداوار کے حوالے سے یہ تمام عوامل حصہ لیتے ہیں، اس لیے پیداوار کو ان کے درمیان ایک خاص تناسب کے ساتھ تقسیم ہونا چاہیے۔ یعنی بقول ان کے پیداوار کا ایک حصہ زمین کا نکالا جائے گا، جسے لگان (Rent) کا نام دیا گیا ہے۔ دوسرا حصہ محنت کا اُجرت کی شکل میں ہوگا اور تیسرا حصہ سرمائے کا سود (Interest) کی شکل میں منہا کیا جائے گا اور چوتھا حصہ آرگنائزر یا آجر کا منافع (Profit) کی شکل میں لیا جائے گا۔ اس طرح بادی النظر میں یہ بتلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دیکھئے ہم نے کس طرح پیداوار کو تقسیم کر کے ارتکازِ دولت کو روک رکھا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان تمام عوامل میں مرکزی اور بنیادی حیثیت سرمائے کو حاصل ہے۔ اس کے ذریعے سے جس

www.rahimia.org

طرح انسانیت کی محنت کا استحصال کیا جاتا ہے، وہ لائق صد نفرین ہے۔

عاملینِ پیدائش دولت کا تحلیل و تجزیہ

بات یہ ہے کہ ''زمین'' ایک قدرتی چیز ہے اور جب تک اس پر کسی کا قبضہ نہ ہو، وہ ''زمین'' کی تعریف میں رہتی ہے، لیکن جب کسی نے اُسے اپنے قبضے میں لے لیا اور اس پر محنت کر کے استعمال کے لیے تیار کرلیا، تو وہ معاشیات کی اصطلاح کے مطابق ''زمین'' کی تعریف سے نکل کر ''سرمایہ'' کی تعریف میں داخل ہوگئی۔ ایسی صورت میں زمین سرمائے کے وجود میں ضم ہو کر اپنا وجود مستقل طور پر کھو بیٹھی ہے۔ اس لیے قدرتی زمین سے کسی انسان کا ''لگان'' وصول کرنا اصولِ معاشیات کے اعتبار سے غلط ہوا۔ کیوں کہ اس پر تمام لوگ متفق ہیں کہ قدرتی وسائل قدرتی حالت میں کسی انسان کی انفرادی ملکیت میں داخل نہیں ہیں، بلکہ مالِ مباح کی حیثیت سے وہ تمام انسانوں میں مشترک ہیں۔ ملکیت کا سوال پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے، جب اس مادے میں کسی بھی نوع کی افادیت پیدا کردی جائے۔ مثلاً جنگل کی لکڑی انفرادی ملکیت سے ماورا ہے۔ ایک انسان جب اس پر قبضہ کر کے گھر لے آیا تو اس نے اس میں افادیت پیدا کردی۔ لہٰذا اب اس کی ملکیت کا سوال پیدا ہوگا۔ اسی طرح دریا میں پانی انفرادی ملکیت سے ماورا ہے۔ جب کوئی آدمی وہاں سے نہر کاٹ کر لاتا ہے یا مٹکے میں بھر کر لاتا ہے تو پھر ملکیت کا سوال اُبھرے گا۔ اس سے قبل نہیں۔ لہٰذا جس چیز کی ملکیت ہی ثابت نہیں ہوئی، اس کا لگان یا کرایہ وصول کرنا چہ معنی دارد!!!

جہاں تک تنظیم کا تعلق ہے، وہ بھی حقیقت میں ''محنت'' کا ہی ایک حصہ ہے۔ اگرچہ وہ دماغی یا منصوبہ بندی کی محنت ہے، جیسا کہ ''ماہرین اقتصادیات کا ایک بہت بڑا گروہ ''منافع'' کو کاروباری قابلیت استعمال کرنے کی ''اُجرت'' تصور کرتا ہے''[71]۔ اس طرح تنظیم بھی الگ سے عامل پیدائش دولت ہونے کے بجائے ''محنت'' کا ہی ایک حصہ ہے۔

اس طرح تحلیل و تجزیے کے بعد عواملِ پیدائشِ دولت بنیادی طور پر دو رہ جاتے ہیں:

www.rahimia.org

1۔ لیبر یعنی دماغی محنت وجسمانی محنت

2۔ کیپٹل یعنی سرمایہ، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو

سرمایہ دارانہ نظام کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی معاشی کاروبار میں بطور نفع جو دولت حاصل ہوتی ہے، وہ محنت اور سرمایہ دونوں کے عمل سے پیدا شدہ ہوتی ہے۔ اور دونوں کا اس میں حصہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی کاروبار میں ایک کا کسی شکل میں سرمایہ اور دوسرے کا کام وعمل تھا تو دونوں کو پیدا شدہ دولت میں سے حصہ ملنا چاہیے۔ یعنی وہ پیدا شدہ دولت دونوں کے درمیان تقسیم ہونا ضروری ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ عوامل پیدائش کے متعلق مذکورہ تصور کی وجہ سے نظامِ سرمایہ داری میں کاروبار اور معاشی معاملات کی وہ تمام شکلیں قانونی طور پر جائز قرار پاتی ہیں، جن میں ایک کا کسی نہ کسی شکل میں محفوظ سرمایہ ہوتا اور دوسرے فریق کا دماغی جسمانی معاشی کام وعمل ہوتا، اور حاصل شدہ نفع میں دونوں حسبِ معاہدہ حق دار قرار پاتے ہیں۔ حتیٰ کہ تجارتی نوعیت کے قرضوں پر سود کا لین دین بھی قانوناً جائز ٹھہرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نظامِ سرمایہ داری کے ماننے والے کبھی اس پر بحث نہیں کرتے کہ ''نفس سود'' جائز ہے یا نہیں، بلکہ وہ اگر بحث کرتے ہیں تو اس پر کہ کن حالات میں سود کی شرح کتنی ہونی چاہیے۔ کیوں کہ یہ تسلیم کرلینے کے بعد کہ سرمایہ بھی دولت کو پیدا کرتا ہے، عقلاً اس بحث کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ پیدا آور مقاصد کے قرضوں پر سود لینا دینا جائز ہے یا نہیں۔

اب عاملین پیدائش دولت کے میدان میں صرف ''محنت'' اور ''سرمایہ'' رہ جاتے ہیں۔ اس صورت میں چوں کہ سرمایہ دار مضبوط فریق ہوتا ہے، اس لیے محنت کشوں کو مجبور کرکے کم سے کم قیمت پر رضامند کرلیتا ہے، جو درحقیقت رضامندی نہیں ہوتی، بلکہ ان کی مجبوری ہوتی ہے۔ کیوں کہ انھیں پتہ ہوتا ہے کہ اگر آج محنت نہ کی تو کل کھائیں گے کہاں سے؟ اس لیے مجبوراً وہ کم مزدوری پر تیار ہوجاتے ہیں۔ اس طرح گویا سرمایہ دار اپنے راستے سے سب کو ہٹا کر اور ''سرمائے'' کو بنیادی عامل پیدائش قرار دے کر نام نہاد

www.rahimia.org

''منافع'' اور اصل میں ''سرمایہ'' کا عوض ''سود'' وصول کرتا ہے۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سرمایہ دارانہ نظریۂ معیشت میں جو ''نظریۂ تقسیم'' (Theory of Distribution) پیش کیا جاتا ہے تو وہ بھی کسی ایسے مستقل اور سائنٹفک اصول و ضابطے پر مبنی نہیں ہے، جس کی بنیاد پر دوٹوک طریقے سے یہ کہا جاسکے کہ فلاں عامل کا حصہ اس قدر ہے۔ جتنے نظریات بھی پیش کیے گئے ہیں، وہ ناقص ہیں۔ اگر علمی طور پر بعض میں وزن ہو بھی تو عملاً وہ سرمایہ دار کے تسلط کی وجہ سے بے کار نظر آتے ہیں۔

2۔ لامحدود انفرادی ملکیت

سرمایہ دارانہ نظام کا دوسرا بنیادی اصول ''ذرائع پیداوار'' اور ''دولت'' کی لامحدود انفرادی ملکیت ہے۔ اس اصول کے تحت ہر انسان کو یہ حق ہے کہ وہ جیسے چاہے کمائے اور جتنی چاہے ملکیت بنائے۔ خواہ اس آزادی اور ملکیت کے نتیجے میں قوم کے حقوق غصب ہو رہے ہوں یا وہ تباہی کے کنارے پر پہنچ جائے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ملک کے تمام اثاثہ جات کا تعلق ''سرمایہ'' کے ساتھ وابستہ ہوجاتا ہے۔ لامحدود انفرادی ملکیت سے پورے ملک کے اثاثہ جات چند طبقات کے قبضے میں آجاتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں اس اصول کا استعمال جس بے دریغ طریقے سے کیا گیا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں انسانیت کے لیے جو مفاسد پیدا ہوئے ہیں، وہ انتہائی غلط نوعیت لیے ہوئے ہیں۔ من جملہ دیگر مفاسد کے اس اصول کے تحت سب سے بڑا فساد یہ ہے کہ اس طرح ملکی سیاسی اور معاشی نظام پر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا قبضہ ہوجاتا ہے۔ چناں چہ جب بھی ان کے مفادات پر زد پڑتی ہے تو یہ لوگ اپنی اسی نام نہاد انفرادی ملکیت کے بل بوتے پر حکومت میں تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں اور صحیح قوانین کے بننے میں آڑے آتے ہیں۔

دوسری بڑی خرابی یہ ہے کہ ساری قوم ان چند مٹھی بھر سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر ہوجاتی ہے، جو لامحدود ملکیت کے مالک ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی سرمایہ دار کسی ملک کی

www.rahimia.org

ریلوے اپنے سرمائے کے بل بوتے پر خرید لے یا کوئی اور ایسی بنیادی صنعت کہ جس کے اثرات پوری قوم پر پڑتے ہوں۔ جب بھی چاہے یہ سرمایہ دار کسی ذاتی مفاد یا بین الاقوامی اشاروں پر ملک کا پہیہ جام کرسکتا ہے۔ اور جب جی چاہا بنیادی صنعت کو روک کر پوری قوم کا دیوالیہ نکال دیا۔ چناں چہ اسی انفرادی ملکیت اور حد سے بڑھی ہوئی آزادی کا نتیجہ تھا کہ برصغیر پاک و ہند تقریباً ڈیڑھ سو سال ایک سرمایہ دار ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیرِ تسلط رہا۔

3۔آزاد مسابقت (Free Competition)

سرمایہ دارانہ نظام کا تیسرا بڑا اصول ''آزاد مسابقت'' یا مقابلہ ہے۔ یعنی ہر انسان یا کمپنی کو اجازت ہے کہ وہ آزادانہ طریقے پر ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے اپنی ''دولت'' میں اضافہ کرلیں۔ یہ مسابقت' تیار شدہ مال کو فروخت کرنے اور دولت کو زیادہ سے زیادہ وسعت دینے کے لیے سرمایہ دارانہ نظام میں ایک اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اگر اس کی تباہ کاریوں پر نظر ڈالی جائے تو شاید ہی اس اصول کو اپنی تمام تر خرابیوں کے ساتھ کوئی عقل مند آدمی جائز قرار دے۔ کیوں کہ اس اصول کے نتیجے میں جدید سرمایہ داری ''اجارہ داری'' کی طرف بڑھتی ہے۔

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بعض اوقات ایک ہی صنعت میں دو حریف برسرِ مقابلہ ہوتے ہیں۔ پھر ان میں سے کوئی ایک اپنے تمام حریفوں پر غالب آجاتا ہے اور اس خاص شعبۂ صنعت پر اپنی اجارہ داری قائم کرلیتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بہت سے برسرِ مقابلہ حریف آپس کی رقابت کے نقصان کو محسوس کر کے باہمی اشتراکِ عمل کرلیتے ہیں، جس سے بہت سے صنعتی ادارے آپس میں متحد ہوجاتے ہیں، لیکن اس اتحاد میں کمزور اداروں اور کمپنیوں کا انفرادی وجود عملاً ختم ہوکر رہ جاتا ہے۔ پھر ان میں سے جو ادارہ یا کمپنی طاقت ور اور بااثر ہوتی ہے' وہ ساری صنعت پر چھا جاتی ہے اور دوسرے اداروں کے تمام مالی اور انتظامی اختیارات سلب کرلیتی ہے۔

اس طرح جب متعدد صنعتوں پر ایک یا دو اداروں کی اجارہ داری قائم ہوجاتی ہے تو

www.rahimia.org

وہ اپنی تیار کردہ اشیا کی قیمتیں بڑھا دیتے ہیں اور چوں کہ اس صنعت کے میدان میں ان کا کوئی حریف یا مقابل نہیں ہوتا، اس لیے وہ اپنی بڑھائی ہوئی قیمتوں پر مال فروخت کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ اس طرح آزاد مسابقت کا یہ اصول باطل ہوجاتا ہے اور افراد کی تجارتی، صنعتی اور معاشی آزادی کو سلب کرلیتا ہے[72]۔ اس طرح عملی طور پر آزاد مسابقت (Free Competition) کبھی وجود میں نہیں آتی۔

4۔ طلب اور رَسد کی بنیاد پر قیمتوں کا تعین

سرمایہ دارانہ نظام کا چوتھا بڑا اصول یہ ہے کہ ''طلب'' و ''رسد'' کے عمل اور ردِّ عمل کی وجہ سے ''اشیا'' کی قیمتوں کا تعین سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں کہنے کو تو یہ کہا جاتا ہے کہ ''طلب و رسد'' کا عمل اور ردِّ عمل ہی قیمتوں کے تعین کے لیے کافی ہے۔ سرمایہ داری کے حامیوں کا دعویٰ ہے کہ قیمتوں کے تعین کا یہی فطری طریقہ ہے۔ کیوں کہ اس میں مصنوعی طریقے سے کسی شئے کی قیمت مقرر نہیں کی جاتی اور نہ کسی خارجی طاقت کا استعمال کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، بلکہ مصنوعی طلب اور مصنوعی رسد کے ذریعے سے قیمتوں کے تعین کے اس نظام پر سرمایہ داروں کا تسلط ہوتا ہے۔

ظاہری طور پر تو شاید طلب و رَسد کی بنیاد پر قیمتوں کے تعین کا اصول بڑا فطری نظر آئے، جیسا کہ سرمایہ داری کے حامیوں کا کہنا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ محض اس بنیاد پر قیمتوں کے تعین کا نظام انتہائی غیر معقول ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس طرح قیمتوں کے تعین میں بڑی خرابیاں ہیں۔ فرض کیا کہ ایک شئے پر دس روپے لاگت آئی ہے۔ اب اس کی قیمت اس اصول کی رُو سے بازار میں طلب و رسد کے پیمانے سے متعین ہوگی تو بسا اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ رسد کی قلت اور طلب میں اضافے کی وجہ سے قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ اس صورت میں دس روپے میں تیار شدہ چیز 20 روپے، بلکہ اس سے بھی زیادہ پر فروخت ہوسکتی ہے، لیکن اگر طلب میں کمی آجائے اور رسد میں اضافہ ہوجائے، (یہ عموماً ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ آزاد مسابقت کے اصول پر ہر ایک کو وہ شئے تیار کرنے اور مقابلہ کرنے کی

www.rahimia.org

اجازت ہوتی ہے۔) اس کے نتیجے میں قیمتیں گر جاتی ہیں۔ اس صورت میں وہی شئے جس پر دس روپے لاگت آئی تھی، مارکیٹ میں مثلاً آٹھ روپے یا اس سے بھی کم پر فروخت ہوجاتی ہے۔ پہلی صورت میں تیارکنندہ اور سٹاک کنندہ کی چاندی ہوتی ہے اور اگر منافع کی شرح کسی طرح سو فی صدی ہوجائے تو پھرتو اور وارے نیارے ہوجاتے ہیں۔ دوسری صورت میں فروخت کنندہ کو پوری قیمت بھی وصول نہیں ہوتی اور اس طرح اُسے فائدے کے بجائے اُلٹا نقصان اٹھانا پڑ جاتا ہے، لیکن چوں کہ رسدی مال کے مالک عموماً بڑے سرمایہ دار لوگ ہوتے ہیں، اس لیے اس ''جوئے'' میں یہ لوگ ذخیرہ اندوزی کر کے رسد کی مصنوعی قلت پیدا کردیتے ہیں۔ اور ادھر غلط قسم کی اشتہار بازی کر کے ''طلب'' میں اضافہ کردیتے ہیں۔ اس طرح قیمتوں کا توازن اپنے حق میں رکھتے ہیں اور صارفین کا دن بدن استحصال کرتے رہتے ہیں۔

سٹاک ایکسچینج (Stock Exchange) کا کھیل

اور پھر اس اصول کا افسوس ناک پہلو وہ ہے جو ''اسٹاک ایکسچینج'' (Stock Exchange) کے نام پر کھیلا جاتا ہے۔ محض فرضی وسوسوں اور اندیشوں کی بنا پر یہ لوگ جب چاہیں منڈی کی قیمتوں میں اضافہ کرادیں اور جب چاہیں کمی کرادیں۔ اور پھر ان لوگوں کا کاروبار تو سراسر سٹے بازی پر چلتا ہے اور بالکل فرضی کاروبار ہوتا ہے۔ اصل صنعت اور دوسرے محنت کرنے والے افراد سے انھیں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ خواہ صنعت تباہ ہو یا مہنگائی سے صارفین کی کمر دُہری ہورہی ہو۔ انھیں اس سے کوئی غرض نہیں۔ انھیں تو بس اپنی دلالی یا سٹے بازی سے منافع کے نام پر ''سود'' چاہیے۔ اس طرح یہ لوگ صارفین کا خون چوس کر پلتے رہتے ہیں اور قوم کو تباہ کرتے رہتے ہیں۔

اس اصول کی وجہ سے ''تجارتی چکر'' (Trade Cycle) کی تباہ کاریاں

سرمایہ دارانہ نظام کے اس اصول کی وجہ سے ایک اور خرابی جو اس کی جڑوں کو کھوکھلا

www.rahimia.org

کردیتی ہے، وہ ''تجارتی چکر'' (Trade Cycle) ہے، جس کا اثر بے روزگاری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ چوں کہ یہ نظام آزاد مسابقت پر مبنی ہے، اس لیے ایک ہی صنعت میں متعدد حریف برسر مقابلہ ہوتے ہیں۔ ''طلب'' میں اضافہ ہونے کے ساتھ ہی ہر حریف کارخانہ دار کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ پیداوار میں جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرکے دوسروں پر سبقت لے جائے۔ اس طرح پیداوار کی کثرت ہوجاتی ہے۔ اور طلب و رسد میں توازن نہیں رہتا۔ اشیائے مطلوبہ کی ایک کثیر مقدار کو ''بازار'' میں فروخت کرنا ایک امر دشوار بن جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رسد میں غیر معمولی اضافے کے باعث قیمتیں تیزی سے گرنے لگتی ہیں اور جیسے ہی یہ عمل شروع ہوتا ہے، ہر کارخانہ دار یہ کوشش کرتا ہے کہ جلد سے جلد پیداوار میں تخفیف کردے۔ جب یہ صورت پیدا ہوتی ہے تو بڑی تعداد میں کارخانے بند ہونے لگتے ہیں۔ مزدوروں کی ایک بڑی اکثریت بے کار ہوجاتی ہے اور منڈیوں کی گرم بازاری اچانک سرد بازاری میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ یہ عمل جیسے ''تجارتی چکر'' (Trade Cycle) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جس میں کثرتِ پیداوار کے باعث بالآخر سرد بازاری پیدا ہوتی ہے، سرمایہ دارانہ معیشت کا ایک بڑا روگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ''روگ'' کو ختم کرنے کے لیے سرمایہ دار قیمتوں کے توازن کو اپنے حق میں برقرار رکھنے کے لیے اپنی زائد پیداوار کو سمندر بُرد بھی کردیتے ہیں۔ تاکہ کہیں غریب صارفین ان ''پیدا شدہ'' اشیا کو سستے داموں نہ خرید لیں۔

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے یہ وہ بنیادی اور اساسی اصول ہیں کہ جن پر اس نظام کا بنیادی اسٹرکچر قائم ہے۔ ان اصولوں کے آئینے میں سرمایہ داری نظام کا چہرہ بخوبی دیکھا جاسکتا ہے اور یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسانی زندگی کے ارتقا اور تحفظ کے بارے میں اس نظام کا کردار ہمیشہ منفی رہا ہے۔ چناں چہ جس جگہ بھی یہ نظام مسلط ہوا' وہاں اس نے انسانیت کے ہر شعبۂ زندگی کو اپنے استحصال کی لپیٹ میں لے لیا۔

www.rahimia.org

اس حوالے سے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ لکھتے ہیں: سرمایہ داری کے اس سسٹم میں مفادِ عامہ اورعوام کی فلاح و بہبود کا کوئی سوال ہی نہ تھا، بلکہ ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کرتمام ذرائع پیدائش کو اپنے ذاتی مفاد کے لیے خاص کرلیا جاتا تھا۔اس لیے فیکٹریوں اور مشینوں میں جوسامان تیار ہوتا تھا، وہ کم سے کم اجرت دے کرزائد سے زائد مال تیار کرانے اور ذاتی فائدہ حاصل کرنے کے اصول پر عالم وجود میں آتا تھا۔

سرمایہ داری کے اس بھوت نے دوسرے ممالک پر لالچ اور حرص و آز کی نگاہ ڈالنی شروع کردی اور ''ھَلْ مِن مزید'' (مزید لاؤ) پکارتے ہوئے ان کومحکوم بنانے کے لیے قدم آگے بڑھایا اور اپنی جوع الارض .... (زمین کی بھوک) کوپورا کرنے کے لیے اپنی صنعتوں کے آزاد کاروباری لوگوں کو غلام بنانے کے بعد کمزورملکوں اورقوموں کو غلام بنانا شروع کر دیا اور اٹھارویں انیسویں صدی میں افریقا جیسے براعظم میں یورپین نوآبادیات کا سلسلہ شروع ہوگیا اور ہندوستان جیسا بڑا ملک بھی آخر اسی استعمار کی نظر ہوگیا۔ اور اس طرح تھوڑے سے عرصے میں ساری دنیا ایک طرح انگلستان کے سرمایہ داروں کی خصوصاً اور دوسری سرمایہ دار طاقتوں کی عموماً تجارتی منڈی بن گئی۔

ذرائع پیدوار کومخصوص طبقے کی ذاتی ملکیت قرار دینے اورعوام کی بہبودی سے قطع نظران کی پیدوار کونجی اورانفرادی مفاد کی بھینٹ چڑھا دینے کا یہ سسٹم اب بھی مطمئن نہیں ہے اور اب خود آپس میں دست بہ گریباں نظر آتا ہے۔ ہر ایک ملک اپنی اس تجارتی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے جانا چاہتا ہے اوراس دوڑ میں آزادقوموں کوغلام بنانے ، تباہ و برباد کرنے اور صفحۂ دنیا سے مٹادینے کوبھی اپنا جائز حق تصور کرتا ہے۔ جرمنی، اٹلی ، انگلستان،فرانس، جاپان ، امریکہ وغیرہ فاشسٹ حکومتوں کی اس مسابقت نے دنیا بھر کے ممالک کا بُرا حشر کیا ہوا ہے(73)۔

www.rahimia.org

(4) سوشلزم (Socialism)

یورپ میں صنعتی دور میں پیدا ہونے والے ''کیپٹل اِزم'' نے انسانیت پر مظالم کے پہاڑ توڑے تو اس کے ردّعمل میں یہ سوچا جانے لگا کہ ''تجارتی نظریۂ زر'' اور ''کیپٹل'' کی بجائے انسانی بنیادوں پر صنعتی دور کی نئی سماجی ترتیب و تنظیم ہونی چاہیے۔ اس طرح سوچ و بچار سے یورپ کے صنعتی دور میں سوشلزم کا فکر اور اس کے اصول وجود میں آئے۔ سوچا یہ گیا کہ ''زر'' اور ''سرمایہ'' کے برعکس ''انسانی سوسائٹی'' کو اہمیت دی جائے۔ اس لیے ''سوشل'' یعنی اجتماعیت کو بنیاد بنا کر معاشی نظام تشکیل دینے کا تصور سامنے آیا۔ پھر قومی ریاست میں ''اجتماعیت'' کی صورت گری ریاستی طاقت سے ہوتی ہے۔ اس لیے فرد کی بجائے ''ریاستی طاقت'' کو اصل قرار دے کر تمام معاشی پیداواری رشتے وجود میں لانے کا جو نظام تشکیل دیا گیا، اسے ''سوشلزم'' کہا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک مستقل نظام ہے۔ عربی اور اردو زبانوں میں اسے ''اشتراکیت'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ نظام جیسا کہ معنی سے ظاہر ہے، سوشلزم یعنی ''سماجی فلاح و بہبود کا نظام'' کہلاتا ہے۔

سوشلزم کا تاریخی پس منظر

ایڈم سمتھ کے کیپٹل اِزم کے نظریے نے معاشی استحصال کا وسیع ترین دروازہ کھول دیا تھا۔ اُس نے مذہب واَخلاق کو سرمائے کا حامی اور محافظ بتا کر سرمایہ دارانہ ذہنیت کے ہاتھوں میں زر اندوزی کا خطرناک ہتھیار مہیا کر دیا تھا۔ یورپ میں اب تک دولت مندی مذہب و اخلاق کی رُو سے بُری سمجھی جاتی تھی، لیکن سرمایہ داری کے نئے تصور میں مذہب واَخلاق دولت مندی کے حامی اور خادم بن گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے صنعت کار سرمایہ داروں نے انسانی ہمدردی اور غریب نوازی کے ہر جذبے سے عاری ہو کر زیادہ سے زیادہ سرمایہ جمع کرنا اور بڑھانا شروع کر دیا۔ مزدوروں اور محنت کاروں کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھ کر کم سے کم اُجرتوں پر اُن سے زیادہ سے زیادہ محنت لی

www.rahimia.org

جانے لگی۔ اس صورتِ حال کے ردّعمل نے اقتصادی مساوات کے نظریے کو ابھارنا شروع کر دیا۔

اٹھارہویں صدی کے وسط میں ہی روسو (Rousseau) اور بازازوف (Pyrheb Bazapob) نے انفرادی ملکیت کے نظام پر شدید نقطہ چینیاں کیں۔ سائمن شیلے (Simon Shelley) وغیرہ نے ''غیر حکومتی اور نادولتی'' معاشروں کے قیام کی سکیمیں پیش کیں۔ جماعتی اشتراک کے منصوبوں کے مطابق فرانس، برطانیہ اور امریکا وغیرہ میں متعدد سوسائٹیاں ترتیب دی گئیں۔ چناں چہ فرانس میں ''پردوہون'' (Pierre Joseph Proudhon) اور برطانیہ میں ''لوئس بلانک'' (Louis Jean Joseph Charles Blanc) اور امریکا میں ''رابرٹ اون'' (Robert Owen) اور متعدد دوسرے افراد نے معاشی مساوات کے انتظام پر مبنی بستیاں قائم کیں۔ چناں چہ 1836ء تک اس قسم کی متعدد سوسائٹیاں اور بستیاں یورپ اور امریکا میں قائم ہوگئیں اور انھیں ''سوشلسٹ کالونی'' یعنی اجتماعی آبادی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ چناں چہ سوشلزم کے لفظ کا پہلا استعمال ان بستیوں پر ہی کیا گیا اور رفتہ رفتہ بعد میں یہ لفظ کیپٹل اِزم کا حریف اور مدمقابل بن گیا۔

اگرچہ معاشی مساوات پر مبنی یہ بستیاں اور سوسائٹیاں زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکیں، لیکن سرمایہ داری کے خلاف یورپ میں جذبات عام ہوتے چلے گئے اور یہ ضرورت محسوس کی جانے لگی کہ جس طرح ایڈم سمتھ نے سرمایہ داری کے حق میں ایک مستقل فنی کتاب (The Wealth of Nations) لکھ کر اس اقتصادی نظام کو عملی نظریہ اور فنی ضابطوں کا حامل بنا دیا ہے، اسی طرح معاشی مساوات کے تصور کو بھی عملی اور فنی اعتبار سے مدلل اور قابل عمل بنا دیا جائے۔ جو چند افراد کے رضا کارانہ اشتراک تک محدود نہ رہے، بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح ایک مستقل معاشی نظام کی صورت میں سامنے آجائے۔

اقتصادی مساوات کے لیے سوشلزم کا لفظ عرصے سے بولا جا رہا تھا اور اس کا اصطلاحی مفہوم متعین ہو چکا تھا کہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل، جس میں انسانوں کو

www.rahimia.org

اقتصادی طبقات میں تقسیم نہ کیا جائے، بلکہ جو وسائل معیشت میسر ہیں، انھیں یکساں طور پر سب کے مفاد کے لیے استعمال میں لایا جائے۔ چناں چہ اُنیس ویں صدی کے وسط میں سوشلزم کے رائج لفظ اور اس اصطلاح کو لے کر کارل مارکس (Karl Marx) نے سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے پر ایک نیا معاشی نظام ترتیب دیا اور ایڈم سمتھ کی کتاب کے جواب میں ''داس کیپٹل'' (Das Kapital) کے نام سے تین جلدوں پر مشتمل ایک مفصل و مدلل کتاب لکھی، جسے سوشلسٹ نظام کی بائبل کہا جانے لگا۔

مارکس نے اپنی اس تصنیف میں ''اجناس و اشیا'' کے ذکر سے اپنی بحث کا آغاز کیا ہے۔ پھر پیداوارِ دولت، سکہ، سرمایہ، اشیا کی قدر ہائے تیاری، قدر ہائے استعمالی، فراہمی سرمایہ، گردشِ سرمایہ، سرمائے کے مختلف تغیرات و انتقالات، منافع کا معیار، منافع کی پیدائش، منافع کا پھیلاؤ، سودی اور اضافی منافع جات، صلاحیت کا نفع، محنت کا نفع، نفع کی تقسیم، آمدنیاں اور اُن کے ذرائع، زر کے اجارہ دارانہ انتقالات، اُجرتیں اور تجارت کے مختلف مراحل وغیرہ معاشیات و اقتصادیات کے سینکڑوں فنی اور ادق مسائل پر بحث کر کے سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت کے تضادات واضح کیے اور ایڈم سمتھ کے اس دعوے کو کہ ''مذہب و اَخلاق' دولت و سرمایہ اور انفرادی ملکیت کے محافظ و خادم ہیں''۔ یہ کہہ کر ردّ کر دیا کہ مذہب پر وقت کے معاشی اور اقتصادی حالات اثرانداز ہو کر انھیں مخصوص شکل میں ڈھال دیا کرتے ہیں اور سرمایہ دار طاقتیں مذہب و اخلاق کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے استعمال کرنے لگتی ہیں۔ اور یہودیت و عیسائیت کے کلیسائی اور صلیبی مذہب کو اُس نے افیون کی حیثیت سے تعبیر کیا، جو عوام کو سیاسی، معاشی اور ذہنی آزادی کے حصول کی جدوجہد سے باز رکھنے کے لیے مسلسل غفلت میں مبتلا رکھتی چلی آ رہی تھیں۔ اور جس کے خلاف سولھویں صدی عیسوی سے یورپ میں احتجاج شروع ہو چکا تھا[74]۔

سوشلزم کے بنیادی اصول ونظریات

معاشی حوالے سے سوشلزم کے بنیادی اصول اور نظریات درجِ ذیل ہیں:

www.rahimia.org

1۔ ''محنت'' ہی اصل عامل پیدائش دولت ہے

سوشلزم کے نزدیک سرمایہ داری کی لعنت اس وجہ سے ہے کہ اُس نظام میں ''سرمایہ'' اصل عامل پیدائش دولت ہے۔ چناں چہ سوشلزم نے اس لعنت سے نجات کے لیے ''سرمایہ'' کو الگ سے عامل پیدائش دولت ماننے سے انکار کر دیا اور کارل مارکس نے اپنے فلسفے اور سائنس کی رُو سے یہ ثابت کیا کہ ''سرمایہ'' دراصل سوسائٹی کی اجتماعی محنتوں کے مجموعے کا حاصل ہے۔ لہٰذا اصل عامل صرف ''محنت'' ہے اور اس لیے بھی کہ کسی شئے میں ''افادیت'' اگر پیدا ہوتی ہے تو صرف ''محنت'' سے۔ اس کے علاوہ ''پیدائش دولت'' کا عمل وقوع پذیر نہیں ہوسکتا۔

کارل مارکس اس پر ایک مثال سے بھی استدلال کرتا ہے۔ فرض کیا کہ ایک آدمی کے پاس ''سرمایہ'' ہے۔ اس نے وہ تجوری میں بند کر کے رکھ دیا ہے یا فیکٹری ہے اور اُسے بند کیا ہوا ہے۔ اب اگر وہ سو سال بھی پڑی رہی، اُس میں کسی قسم کی ''قدرِ زائد'' نام کی کسی چیز کا اضافہ نہ ہوگا، جس قدرِ زائد کو کارخانے دار فیکٹری چلنے کی صورت میں ''سرمایہ'' کا حصہ تصور کر کے کھا جاتا ہے۔ اس طرح بدیہی طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ اصل عامل ''محنت'' ہے، سرمایہ نہیں۔ یہ اصول سوشلزم کا بنیادی اصول ہے۔

اس حوالے سے سرمایہ داری اور سوشلزم کے نکتہ اختلاف کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تبادلۂ اشیا کی سادہ شکل یہ تھی کہ کسی جنس کو اپنی نجی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسی دوسری جنس کے بدلے میں حاصل کیا جائے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ نفع حاصل کرنے کے لیے کسی جنس کو جمع کیا جائے یا تیار کیا جائے۔ اُسے کسی شئے کے بدلے میں یا براہِ راست تبادلے کے بجائے زر یا سکہ وغیرہ کے ذریعے تبادلہ کیا جائے تو یہ دونوں شکلیں سرمایہ داری کا عنصر نہیں بنتیں۔ لیکن اگر ایک فریق زر کے بدلے میں اجناس اور اشیا اس لیے جمع یا تیار کرتا ہے کہ اس سے اپنی ضرورت پوری کرنے کے بجائے مزید زر، نفع کی شکل میں کمائے گا تو اس سے معیشت کا ایک نیا عمل وجود میں آتا ہے۔ جس میں طلب و رسد کی نسبت کا تعین

www.rahimia.org

اور حصولِ نفع کے لیے سکہ اور زر کی قیمت کا تعین کیا جاتا ہے۔ اس عمل معیشت سے اجناس اور اشیا پر جو ''زرِ منافع'' حاصل ہوگا، اس کی نوعیت کے تعین کا اختلاف ہی دراصل سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلسٹ نظام کا نکتہ اختلاف ہے۔ سرمایہ داری نظام یہ کہتا ہے کہ یہ ''زرِ منافع'' اُس ''زر'' کا حاصل اور نتیجہ ہے، جس سے اشیا اور اجناس جمع کی گئی تھیں۔ جب کہ سوشلزم یہ کہتا ہے کہ یہ منافع اُس محنت کا حصہ ہے، جس نے وہ اجناس و اشیا پیدا کیں اور انھیں تیار کیا ہے۔ اس طرح سرمایہ داری میں ''سرمایہ'' کو اصل قرار دیا اور اُسے بنیادی عامل پیدائش دولت مانا، جب کہ سوشلزم نے ''محنت'' کو اصل ٹھہرایا اور اُسے عامل پیدائش دولت مانا۔ اب دولت کا مالک چوں کہ فرد ہوتا ہے، اس کی اساس پر وجود میں آنے والا معاشی نظام ''انفرادی ملکیت'' کے نظریے پر وجود میں آیا، جب کہ ''محنت'' کا تعلق مزدوروں کی اجتماعی طاقت اور ہر مرحلے میں اُن کے باہمی اشتراک و تعاون کے ساتھ ہے۔ اس لیے اس کی اساس پر قائم ہونے والا معاشی نظامٔ اجتماعی ملکیت کی بنیاد پر وجود میں آیا۔

2۔ انفرادی ملکیت کا خاتمہ اور اجتماعی ملکیت کا اثبات

سوشلزم کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ ''اشیا'' کی ملکیت اجتماعی ہوگی۔ اس نظام میں انفرادی ملکیت کی نفی کی گئی ہے۔

لیکن یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ عموماً ہمارے ہاں یہ تصور کیا جاتا ہے سوشلزم میں انفرادی ملکیت بالکلیہ مفقود ہے۔ یہ تصور صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس نظام میں بھی انفرادی ملکیت ہے، لیکن اس کا تعلق صرف روزمرہ کے استعمال میں آنے والی اشیا سے ہے۔ چناں چہ اشتراکیت میں ''صَرف'' میں آنے والی اشیا مثلاً گھر، موٹر، فرنیچر اور کپڑوں وغیرہ کی انفرادی ملکیت ہوتی ہے۔ بالفاظِ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ سوشلزم میں ''دولت'' کی انفرادی ملکیت ہوتی ہے، جب کہ ''سرمایہ'' یا ذرائع پیداوار کی ملکیت اجتماعی ہی ہوگی۔ چوں کہ اشتراکیت کے خیال میں سرمایہ دار کے ظلم کی ایک بڑی وجہ ''انفرادی ملکیت'' ہے

www.rahimia.org

اور یہی ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔ چناں چہ ردِّ عمل کے طور پر اشتراکیت نے انفرادی ملکیت کی بالکلیہ نفی کرکے اپنے نظام کی بنیاد ''اجتماعی ملکیت'' پر رکھ دی۔

یہی وجہ ہے کہ اشتراکی نظام میں جملہ ذرائع پیداوار مثلاً زمین، کارخانے اور مشینری وغیرہ افراد کی ملکیت سے خارج ہوتے ہیں اور تمام چیزوں کو اسٹیٹ کی ملکیت قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بیرونی اور داخلی تجارت، نیز بینک بھی افراد کے ہاتھوں سے نکل کر اسٹیٹ کے قبضے میں آجاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ جملہ وسائل معاش اور پیدائش دولت کے سارے ذرائع اسٹیٹ کی ملکیت ہوتے ہیں۔ جو لوگ ان وسائل کو کام میں لاتے ہیں، کارخانوں کا انتظام اور نگرانی کرتے ہیں، زمینوں کو جوتتے اور کاشت کرتے ہیں یا تجارتی کاروبار انجام دیتے ہیں، ان سب کی حیثیت اسٹیٹ کے تنخواہ دار ملازمین اور محنت کشوں کی ہوتی ہے۔ جنھیں ان کی قابلیت، ضروریات اور کارگزاری کے لحاظ سے اسٹیٹ مشاہرہ دیتی ہے۔

اس نظام کے تحت افراد میں باہمی مسابقت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ کوئی شخص اپنے مقرر مشاہرے سے زیادہ آمدنی یا نفع نہیں پیدا کرسکتا۔ البتہ اشتراکی نظام میں مسابقت کی اسپرٹ اس طرح قائم رہتی ہے کہ ایک ہی کارخانہ یا دفتر یا بینک کے ملازمین اپنی کارگزاری، لیاقت اور محنت سے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اور اس قسم کی مسابقت کو اشتراکی حکومت نہ صرف جائز قرار دیتی ہے، بلکہ ایجاباً اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتی ہے۔ چناں چہ جن لوگوں کی قابلیت اور کارگزاری ان کے کام کے دوران میں ثابت ہوجاتی ہے، انھیں اسٹیٹ کی طرف سے بڑے صلے، انعامات اور اعزازات دیے جاتے ہیں۔ اور اس طرح انھیں ترغیب دلائی جاتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ محنت کرکے سوسائٹی اور حکومت کو فائدہ پہنچائیں[75]۔

3۔ منصوبہ بند معیشت

منصوبہ بندی سوشلسٹ معیشت کا تیسرا بنیادی اصول ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس اصول کو دنیا میں متعارف کروایا ہی سوشلزم نے ہے۔ اور اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ یہ

www.rahimia.org

اصول سوشلزم میں ہی چل سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی اہمیت کے پیش نظر اب بعض سرمایہ دار ممالک بھی اس کو اپناتے جا رہے ہیں۔

منصوبہ بندی کے اصول کے معنی یہ ہیں کہ مختلف اشیا اور مصنوعات کی پیداوار میں عام باشندوں کی ضروریات کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ جس چیز کی جتنی ضرورت ہوتی ہے، وہ اسی مقدار میں تیار کی جاتی ہے۔ محنت اور دوسرے ذرائع کا باقی حصہ دیگر اشیا کی تیاری پر صَرف کردیا جاتا ہے۔ یہ کام ایک منصوبہ بندی کی مجلس (Planning Commission) سرانجام دیتی ہے، جو پہلے ملک کی عام ضروریات کا جائزہ لیتی ہے۔ پھر یہ فیصلہ کرتی ہے کہ موجود وسائل پیداوار، محنت اور سرمایہ کو کس طرح تقسیم اور منظّم کیا جائے کہ ملک میں موجود تمام لوگوں کی ضروریات کی خاطر خواہ تکمیل کی جاسکے۔ نیز اس مجلس کو یہ بھی تصفیہ کرنا پڑتا ہے کہ محنت، وسائل پیدا وار کا کتنا حصہ اشیائے صَرف پر اور کتنا حصہ نئی مشینوں کی تیاری پر لگایا جائے۔ بالفاظِ دیگر اس مجلس کو ''اشیائے صرف'' اور ''آلاتِ پیدائش'' کے درمیان صحیح تناسب قائم کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد منصوبہ بندی کرنے والی مجلس کو یہ طے کرنا پڑتا ہے کہ افراد ملک کو ان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے ماہانہ تنخواہوں اور دوسری شکلوں میں اجتماعی آمدنی کا کتنا حصہ تقسیم کیا جائے، تاکہ ''اشیائے صرف'' کی معین مقدار، مقررہ قیمتوں پر ساری کی ساری فروخت ہوجائے۔ مزید برآں منصوبہ بندی کرنے والوں کو اس امر کا بھی انتظام کرنا پڑتا ہے کہ یہ آمدنی جو ماہانہ تنخواہوں اور دیگر طریقوں سے ان کے ہاتھ میں آنے والی ہے، اس کو وہ اشیائے صَرف کی خریداری کے کام میں لائیں اور اسے نہ تو بے کار جمع رکھیں اور نہ غیر ضروری کاموں پر صرف کریں۔ اس کے علاوہ مجلس منصوبہ بندی اس امر کی نگرانی کرتی ہے کہ آلاتِ پیدائش یعنی نئی مشینوں کی تیاری کے لیے جو سرمایہ اور محنت مختص کیا جائے، اس کا استعمال صحیح طور سے ہو۔ یعنی اس کی ذخیرہ اندوزی نہ ہونے پائے۔

منصوبہ بندی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وسائل پیدائش میں اضافے کے ساتھ افراد میں تنخواہ کا اضافہ اور دیگر شکلوں میں مزید آمدنیاں تقسیم کی جائیں۔ تاکہ ان کی قوتِ خرید

www.rahimia.org

میں اسی تناسب سے اضافہ ہو، جس نسبت سے پیداوار میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ورنہ زائد پیداوار ''قوتِ خرید'' کی کمی کی وجہ سے بے کار ہو جائے گی۔ کیوں کہ اس کا کوئی خریدار نہ ہوگا۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ منصوبہ بندی کا کام مؤثر طریقے سے صرف ایک اشتراکی اسٹیٹ ہی میں ممکن ہے، جہاں معاشی زندگی کے ہر شعبے پر اسٹیٹ کا مکمل قبضہ ہو اور اس کو قیمتوں کے تعین، قوتِ خریداری میں کمی بیشی اور ''اجتماعی آمدنی'' کی تقسیم کا کامل اختیار رہو۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ سوشلزم کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> ''اسلام جس مکمل قانون کا نام ہے، اس کے ساتھ اشتراکیت کا رابطہ اور اتحاد ناممکن ہے، ...لیکن جب ہم نظام کے فقط اقتصادی پہلو سے بات کرتے ہیں۔ اور دنیا کے دیگر غیر اسلامی نظام ہائے معاشی کے مقابلے میں اس کو پیش نظر لاتے ہیں تو اس وقت ہم کو اس حقیقتِ ثابتہ کے اظہار میں کوئی باک نہ ہونا چاہیے کہ اس میں شک نہیں کہ اقتصادی نظام کے بہت سے امور میں اسلام اور اشتراکیت باہم متقارب نظر آتے ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف دونوں ہم آہنگ ہیں۔ اگرچہ طریقۂ کار کے اختلاف سے دونوں کی راہیں اس وادی میں قطعاً جدا جدا ہیں''۔ (76)

اسلام کا اقتصادی نظام سرمایہ داری اور سوشلزم سے ہٹ کر ایک کامل اور جامع نظامِ معیشت ہے۔ اس کے بنیادی اساسی اصول قرآن حکیم، احادیثِ نبویہؐ، فقہی کتابوں کی روشنی میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بیان کیے ہیں۔ اس کا ایک جامع خاکہ ایک الگ مضمون کا تقاضا کرتا ہے، جو ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریۂ معیشت'' کے عنوان سے شاملِ اشاعت ہے۔

☆

www.rahimia.org

مقالہ

2

قرآنی اُصولِ معاشیات

تحریر
حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

ترتیب وتحقیق وحواشی
مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

www.rahimia.org

صالح معاشی نظام کی ضرورت اور اہمیت

قرآن حکیم کے بیان کردہ اصولِ معاشیات

پہلا اُصول:

حقِ معیشت میں مساوات

(Equality In Right To Livelihood Resources)

دوسرا اُصول:

درجاتِ معیشت میں فطری تفاوت

(Natural Diversity inEconomic Gradation)

تیسرا اُصول:

اِحتکار و اِکتناز کی حرمت

(Prohibition of Monopoly & Hoarding)

چوتھا اُصول:

سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن

(A Fair Balance of Capital and Labour)

www.rahimia.org

قرآنی اُصولِ معاشیات

صالح معاشی نظام کی ضرورت اور اہمیت

کائناتِ ہست و بود (موجود دنیا) میں ''ایک صالح معاشی نظام'' کی اس لیے ضرورت پیش آتی ہے کہ ہر ایک انسان میں یہ فطری جذبہ موجود ہے کہ اس کو خدائے تعالیٰ کی بخشی ہوئی زندگی سے فائدہ اُٹھانا چاہیے، مگر یہ انفرادی جذبہ جب زندگی کی کش مکش اور وسائلِ حیات کی کشاکش میں ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے تو قانونِ فطرت جو کہ خداتعالیٰ کی جانب سے تمام کائنات پر حاوی ہے، ہر ایک انسان کو اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

(صالح معاشی نظام کے بنیادی اُصول)

یہ حیاتِ اجتماعی بغیر کسی ایسے نظام کے متصور نہیں ہو سکتی جب تک ان کے درمیان ایسا تعاون واشتراک موجود نہ ہو، جس کی بنیاد عدل اور حقِ معیشت کی مساوات پر قائم ہو، تاکہ وہ ''صالح معاشی نظام'' کے لیے کلید بن سکے۔ اور اس قسم کا تعاون واشتراک جب ہی عالمِ وجود میں آ سکتا ہے کہ نظامِ معاشیات میں حسبِ ذیل اصول کارفرما ہوں:

1۔ وہ نظام ہر متعلقہ فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہو اور اپنے دائرہ عمل میں کسی بھی فرد کو معاشی زندگی سے محروم نہ رکھتا ہو۔

www.rahimia.org

2۔ ایسے اسباب و وسائل کا قلع قمع کرتا ہو جو معاشی دست بُرد (لوٹ مار) کا موقع مہیا کر کے افرادِ انسانی کے درمیان ظلم واستبداد کی راہیں کھولتے اور معاشی نظام کے فساد کا موجب بنتے ہوں۔

3۔ دولت اور اسبابِ دولت کو کسی خاص فرد یا محدود جماعت کے اندر سمٹ آنے اور اس فرد یا جماعت کو نظامِ معیشت پر قابض ومسلط ہونے سے باز رکھتا ہو، تاکہ معاشی نظام تمام کائناتِ انسانی کی فلاح کے بجائے مخصوص طبقوں کے اَغراض کا آلۂ کار بن کر نہ رہ جائے۔

4۔ محنت اور سرمایہ کے درمیان صحیح توازن قائم کرتا اور ایک دوسرے کی حدود پر غاصبانہ دست بُرد سے بچاتا ہو[77]۔

اسلام کے معاشی نظام کے فوائد وثمرات

تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ ''جدید علمی دور'' میں من جملہ دیگر علوم وفنون کے ''علم المعیشت'' کو بھی بڑی حد تک ایک علم وفن کی حیثیت حاصل ہے اور بڑے بڑے علمائے یورپ وایشیا نے اس (علم) پر ضخیم تصانیف پیش کی ہیں، لیکن اس تمام ایں وآں اور چُنیں وچُناں کے باوجود ''**علم المعیشت**'' کا اصل مقصد - یعنی عام رفاہیت وخوش حالی - آج تک عنقا (نایاب) بنی ہوئی ہے۔ اور دولت وذرائع دولت سب سمٹ کر ایک مخصوص طبقے کے ہاتھ میں اس طرح آگئے ہیں کہ عام انسانی آبادی کے لیے زندگی ''موت'' سے زیادہ بھیانک بن گئی ہے۔ بہ خلاف اُس دور - دورِ نبوتؐ و دورِ خلافتِ راشدہ - کے، وہاں معیشت کی یہ علمی اور فنی موشگافیاں اگرچہ عنقا تھیں، مگر عام خوش حالی اور رفاہیت کا یہ عالم تھا کہ بلالحاظ مسلم وکافر، مومن ومشرک، مرد وعورت، صغیر وکبیر اور اَجیر ومستاجر سب ہی امن واطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے اور معیشت میں فارغ البال تھے۔ تاریخ اس بات کا مواد فراہم کرتی ہے کہ:

''اس دور میں ایک وقت مملکتِ اسلامیہ کے اندر ایسا آیا کہ لوگ صدقات

www.rahimia.org

کے مال کو لیے پھرتے تھے، مگر اس کا قبول کرنے والا ہاتھ نہ آتا تھا‘‘[78]۔

معاشی نظام کا اصل منشا اور مقصد

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دنیا میں کوئی کام بغیر کسی منشا اور محرک کے وجود پذیر نہیں ہوتا اور ہر عمل کی پشت پر ایک خاص ذہنیت کارفرما ہوتی ہے۔ پس کسی ’’معاشی نظام‘‘ کے صالح اور فاسد ہونے کا معیار بھی اس کے محرِّکات اور اس کے منشا کے صالح اور فاسد ہونے پر موقوف ہے۔ سو اگر اس کی پشت پر فاسد ذہنیت کام کر رہی ہے اور اس کے محرکات سرتاسر فاسد ہیں تو بلاشبہ وہ نظام ’’فاسد نظام‘‘ ہے۔ اور اگر اس کی پشت پناہی ایک صالح ذہنیت کر رہی ہے اور اس کے تمام تر محرکات صالح اور اس کا منشا خیر ہے تو اس نظام کے صالح ہونے میں پھر کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(معاشی مُحرِّکات کی دو ممکنہ ذہنی صورتیں)

اس اصول کے پیشِ نظر جب ہم ’’معاشی نظام‘‘ پر گہری نظر ڈالتے ہیں اور فکرِ عمیق سے کام لے کر جانچتے ہیں تو اس کے محرکات و منشا یا اس سے متعلق ذہنیت کو صرف دو صورتوں میں محدود پاتے ہیں:

1۔ زیادہ سے زیادہ ذاتی نفع کمانے کا مُحرِّک

ایک یہ کہ ’’معاشی نظام‘‘ کو اس لیے قائم کیا جائے کہ اس کے ذریعے سے زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جائے اور اس کو لین دین اور سودے کی اسپرٹ میں رکھا جائے، تاکہ ’’هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ‘‘[79] (کچھ اَور بھی ہے؟) (Is there any more to come?) کا نعرۂ نفع بازی اور فائدہ طلبی کسی حد پر بھی جاکر ختم نہ ہوسکے۔ یہ نظریہ ’’سرمایہ دارانہ نظام‘‘ (Capitalism) کا بانی اور مؤسس (بنیاد رکھنے والا) ہے اور اسی کے زیرِ اثر یہ نظام پھلتا پھولتا ہے۔

www.rahimia.org

''فورڈ کمپنی'' کا مالک کروڑ پتی اور ارب پتی ہونے کے باوجود بھی مارکیٹ میں (ذاتی) ترقی اور اضافے ہی کا خواہش مند رہتا ہے۔ کیوں کہ وہ معاشی نظام کے جس ماحول میں جدوجہد کر رہا ہے، اس کی بنیاد زیادہ سے زیادہ نفع کمانے اور سودے بازی پر قائم ہے۔ اور یہ صرف اربابِ دولت وثروت ہی کو اَور زیادہ بلند کرتا ہے اور باقی تمام انسانی آبادی کو افلاس واحتیاج سے دوچار بناتا ہے۔ یہاں رفع حاجات وتکمیلِ ضروریات کے محرّکات کام نہیں کرتے، جو عام رفاہیت (عمومی فلاح و بہبود) کا پیغام لائیں اور عام خوش حالی کو بحال کریں۔

2۔ضروریاتِ زندگی اور رفعِ حاجات کا مُحرِّک

دوسرے یہ کہ معاشی نظام کا مُحرِّک اور منشا نفع بازی نہ ہو، بلکہ ضروریاتِ زندگی کی تکمیل اور رفعِ حاجات (Fulfillment of Needs) ہو۔ اور اس کے منصۂ شہود پر لانے کے لیے صرف یہ ذہنیت کام کر رہی ہو کہ انفرادی واجتماعی احتیاجات کو پورا کیا جائے، نہ کہ زیادہ سے زیادہ نفع کو پیش نظر رکھا جائے۔

اسلامی معاشی نظام کا منشا و مُحرِّک

معاشی نظام کے ان ہر دو مُحرِّکات (Motives) یا ہر دو ذہنیتوں (Intensions) میں سے اسلام ایک ایسے معاشی نظام کا بانی اور مؤسس ہے کہ جس کی بنیاد صرف کائناتِ انسانی کی رفع حاجات وضروریات اور انفرادی واجتماعی احتیاجات کی تکمیل پر قائم ہے۔ وہ معاشیات کو دولت مندوں کے درمیان نفع کی دوڑ کا میدان نہیں بنانا چاہتا، بلکہ رفعِ حاجات وتکمیلِ ضروریات کے لیے ایک مفید اور نفع بخش ذریعہ بنا کر اس کی افادیت کو عام کرنا چاہتا ہے۔ گویا اس نظامِ معیشت میں:

''بلا شبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے، کیوں کہ سعی وکسب کے بغیر کوئی مؤمن زندہ رہ ہی نہیں سکتا، لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا

www.rahimia.org

اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا۔ اور اس لیے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی، اتنی ہی زیادہ جماعت بہ حیثیت جماعت کے خوش حال ہوتی جائے گی۔ قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے۔ یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقے کی کمائی دوسرے طبقوں کے لیے محتاجی و مفلسی کا پیغام ہو جائے، جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے''(80)۔

مذکورہ مباحث کا خلاصہ

اس تمام تر تفصیل کے بعد اب غور کیجیے کہ جس معاشی نظام کے کَل پُرزے اس طرح ڈھالے گئے ہوں، اس کا نشو و نما اور اس کی ترقی ایسے ترتیبی اجزا پر قائم ہو، جو صرف طبیعات (Physics) ہی تک آ کر نہ ٹھہر جائیں، اَخلاقی اور مذہبی محاسن کو بھی اپنی آغوش میں لیں، بلکہ مذہب اور دستورِ الٰہی کے زیرِ فرمان عالمِ وجود میں آئیں اور اس کے محرک فلاحِ دارین اور سعادتِ کائنات کے وہ اصول ہوں، جن میں معاشیات رفعِ حاجات اور تکمیلِ ضروریات کے لیے ہو، نہ کہ زیادہ سے زیادہ سودا بازی اور نفع طلبی کے لیے تو ایسے صالح اور صحیح نظامِ معاشی کا وجود بلا شبہ دنیا کے لیے پیامِ رحمت اور دعوتِ امن و سلامتی ہے۔

الحاصل! ''اسلامی معاشی نظام'' ایسا بہتر نظام ہے، جو اپنے اندر علم المعیشت کے قدیم و جدید نظام ہائے مذہبی و عقلی کے تمام محاسن سموئے ہوئے ہے اور اس سے بھی زیادہ خوبیوں کا مالک ہے۔ اور ان کے معائب و نقائص (Short Comings & Demerits) سے یکسر خالی، بلکہ ان کے مسموم اثرات کا بے نظیر تریاق (Antidote) ہے اور ان تمام محاسن کے علاوہ اس کو یہ برتری حاصل ہے کہ وہ انسانوں کے دماغ کی اختراع نہیں ہے کہ جس کی بنیاد انتقام (Retaliation) یا طبقاتی منافرت (Class Hatred) جیسی خام کاریوں پر رکھی گئی ہو، بلکہ وہ نظامِ کائنات کے خالق کا بتایا ہوا نظام ہے۔

www.rahimia.org

قرآن حکیم کے بیان کردہ اصولِ معاشیات

یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ قرآن عزیز نے اپنی اَساسی روِش کے مطابق عبادات، معاشرتی معاملات، سیاسیات اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح معاشیات میں بھی صرف اساسی اصول (Basic Principles) اور معجزانہ اختصار (Succinct) کے ساتھ اصول وکلیات (Principles & Theorems) کا ہی ذکر کیا ہے۔ اور ان کی تفصیلات وتشریحات کو ارشاداتِ نبویؐ (احادیث) اور ان سے مستنبط احکامِ (Inferred Rules) (فقہ) کے حوالے کر دیا ہے۔ معاشیات سے متعلق قرآنِ عزیز نے جن اساسی اصولوں کا ذکر کیا ہے، وہ یہ ہیں:

- - - - - - - - - - - - - - - - -

www.rahimia.org

پہلا اُصول

حقِ معیشت میں مساوات

(Equality In Right To Livelihood Resources)

رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف ذاتِ الٰہی سے وابستہ ہے اور وہی ہر فرد کا کفیل ہے۔ اور اگرچہ اس کی مصلحتِ عام (Welfare For All) اور حکمتِ تام (Perfect Wisdom) کا تقاضایہ ہے کہ دنیا کے اس متنوع ماحول میں رزق کے اندر تفاوتِ درجات (Gradations) پایا جائے، لیکن امارت وغربت کے فطری تنوع (Natural Variation) کے باوجود یہاں ایک فرد بھی محروم المعیشت (Destitute) نہ رہنے پائے۔ کیوں کہ اس نے حقِ معیشت کو سب کے لیے مساوی اور برابر رکھا ہے اور کسی کو بھی اس حقِ مساوات میں دخل انداز ہونے کا حق عطا نہیں فرمایا۔

قرآن حکیم کے دلائل سے اس اصول کا ثبوت

اللہ تعالیٰ ہر فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ زمین پر چلنے والے ہر ایک جان دار کی معیشت اس کے ذمے ہے۔ اس کے لیے حسبِ ذیل نصوصِ (قرآنیہ) قابلِ مطالعہ ہیں:

(1) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (81)

(اور زمین پر چلنے والے ہر جان دار کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔)

(2) وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝٢٢ (82)

www.rahimia.org

(اور تمھارا رزق اور جس شئے کا تم وعدہ دیے گئے ہو، آسمان میں (یعنی اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں) ہے۔)

(3) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ (83)

(اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو نہ مارڈالا کرو، ہم ہی تمھیں بھی روزی دیتے ہیں اور انھیں بھی۔)

(4) وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ (84)

(اور آسمان اور زمین سے تم کو کون روزی پہنچاتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اَور معبود ہے؟)

(5) اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ (85)

(بے شک اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والا ہے، بڑی مضبوط طاقت والا ہے۔)

(6) وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ (86)

(اور ہم نے تمھارے لیے زمین میں معیشت کے سامان بنا دیے اور ان کے لیے جن کو تم روزی نہیں دیتے۔)

(7) هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ (87)

(وہ (خدا) وہ ذاتِ پاک ہے، جس نے تمھارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا، جو زمین میں ہے۔)

ان آیات میں بغیر کسی تخصیص (Specification) کے ہر فردِ بشر کو خطاب ہے اور ان کی روح یہ ہے کہ معیشت واسبابِ معیشت خدائے تعالیٰ کے خزانۂ عامرہ (Ever Abundant Treasury) کی ایسی عطا و بخشش ہے کہ جس سے فائدہ اٹھانے کا ہر جان دار کو برابر کا حق ہے۔

حقِ معیشت میں برابری

ان (مذکورہ بالا) آیات میں (بیان کردہ) اس روح کی زیادہ وضاحت وصراحت

www.rahimia.org

حسبِ ذیل آیات کرتی ہیں:

(8) وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ (88)

(اور رکھے اس زمین میں بوجھل پہاڑ (اس کی پیٹھ پر) اور برکت رکھی اس کے اندر اور چار دن میں اندازہ سے رکھیں اس میں ان کی خوراکیں جو برابر ہیں حاجت مندوں کے لیے۔)

(9) وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ (89)

(اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے، پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جن کو زیادہ روزی دی گئی ہے، وہ اپنی روزی کو زیرِ دستوں پر لوٹا دیں، حال آں کہ اس روزی میں وہ سب کے سب برابر کے حق دار ہیں۔ پھر کیا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے ہیں؟)

حقِ معیشت کی مساوات پر مفسرین کی آرا

علامہ سیّد محمود آلوسیؒ نے اپنی تفسیر ''روح المعانی''، ج: 14، علامہ زمخشریؒ نے تفسیر ''کشّاف'' میں اور علامہ ابوحیان محمد بن یوسف بن علی بن اندلسی غرناطیؒ اپنی تفسیر ''البحر المحیط'' اور امام محمد بن علی بن محمد شوکانیؒ اپنی تفسیر ''فتح القدیر'' سورت النحل کی آیت 71 کی تفسیر میں لکھا ہے:

1۔تفسیر ''روح المعانی'' از علامہ آلوسیؒ

اس آیت (9) سورت النحل کے ایک معنی ''روحُ المعانی'' میں یہ بھی کیے ہیں:

www.rahimia.org

''جائز ہے کہ آیت کا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور جن کو فضیلت حاصل ہے، وہ اپنے رزق میں سے اپنے سے کم تر افراد کو کچھ نہیں واپس کرتے اور میں یقیناً ان کا روزی رساں ہوں۔ چناں چہ مالک اور مملوک بنیادی رزق میں مساوی ہیں، گو مقدار اور معیار میں تفاوت ہو''(90)۔

2۔تفسیر ''کشّاف'' از علامہ زمخشریؒ

تفسیر کشّاف میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

''یعنی آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو رزق کے حوالے سے ایک دوسرے سے متفاوت بنایا ہے۔ چناں چہ تمھارا رزق، تمھارے ماتحتوں کو دیے گئے رزق سے افضل ہے، حال آں کہ وہ تم جیسے انسان اور تمھارے بھائی ہیں۔ اور یہ مناسب تھا کہ تم اپنے حاصل شدہ رزق کا زائد حصہ ان پر لوٹا دیتے، تا کہ وہ لباس اور خوراک میں تمھارے مساوی ہو جاتے، جیسا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ: ''تمھارے ماتحت تمھارے بھائی ہیں، پس اُنھیں وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور اُن کو وہ کھانا کھلاؤ جو تم کھاتے ہو''۔ اس کے بعد حضرت ابوذر غفاریؓ کو دیکھا گیا کہ جیسی چادر اور تہہ بند خود پہنتے تھے، وہی ان کے غلام بغیر کسی فرق کے پہنتے تھے''(91)۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام آقاؤں اور اُن کے غلاموں کو میں ہی رزق دینے والا ہوں۔ پس وہ لوگ میرے رزق میں برابر حیثیت رکھتے ہیں۔ پس آقا یہ گمان نہ کریں کہ انھوں نے اپنے رزق میں سے کوئی چیز اپنے غلاموں کو لوٹائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ میرا رزق ہے، جو میں نے اُن غلاموں کو ان آقاؤں کے واسطے

www.rahimia.org

سے دیا ہے''[92]۔

3۔تفسیر ''البحر المحیط''از علامہ اندلسیؒ

اسی طرح اس آیت کی ایک تفسیر ''البحر المحیط''وغیرہ میں یہ بھی کی گئی ہے:

''ابوبکر نے روایت کیا ہے کہ عاصم، ابوعبدالرحمٰن اوراعرج کی قرأت یہ ہے: ''کیا تم اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہو؟'' خطاب کی قرأت (یعنی تجحدون) کے مطابق معنی یہ ہے کہ مالکان اپنا رزق اپنے مملوک اور ماتحتوں کونہیں لوٹاتے، بلکہ میں ہی ان مالکان کو اور اُن غلاموں کو بھی رزق دیتا ہوں۔ تو وہ یہ گمان نہ کریں کہ وہ اِن کو کچھ دیتے ہیں۔ بلاشبہ وہ میرا رزق ہے، جس کو میں ان (مالکان) کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہوں۔ وہ سب اس میں مساوی ہیں۔ ان کو اپنے مملوکوں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں۔ ایسی صورت میں ''معطوف علیہ'' مقدر ہے جو اس معنی سے مناسبت رکھتا ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ''وہ اس بات کونہیں سمجھتے۔ پس وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں''[93]۔

4۔تفسیر ''فتح القدیر ''از علامہ شوکانیؒ

تفسیر ''فتح القدیر'' میں علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

''أفبنعمة اللّٰہ تجحدون'' (کیا تم اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہو؟) خطاب کی قرأت (یعنی تجحدون) کے مطابق معنی یہ ہے کہ مالکان اپنا رزق اپنے مملوک اور ماتحتوں کونہیں لوٹاتے، بلکہ میں ہی ان مالکان کو اور اُن کے غلاموں کو بھی رزق دیتا ہوں۔تو وہ یہ گمان نہ کریں کہ وہ اِن کو کچھ دیتے ہیں۔ بلاشبہ وہ میرا رزق ہے، جس کو میں ان (مالکان) کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہوں۔ وہ سب اس میں مساوی ہیں۔ ان کو اپنے مملوکوں پر کوئی امتیاز حاصل نہیں۔ایسی صورت میں ''معطوف علیہ'' ایک ایسا فعل مقدر ہے جو اس معنی سے

www.rahimia.org

مناسبت رکھتا ہے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ''وہ اس بات کو نہیں سمجھتے۔ پس وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں''(94)۔

ان آیات میں حقِ معیشت کی مساوات کا جس قدر صاف اور صریح اعلان ہے، وہ آپ اپنی مثال ہے۔اوراس کا انکار بداہت وصراحت کا انکار ہے:

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

(اے معزز ذات! کہ اپنے غیب کے خزانے سے تمام امیر وغریب کوخود وظیفہ دیتا ہے۔ دوستوں کو آپ کیسے محروم کریں گے، جب کہ آپ دشمنوں پر بھی نظرِ کرم رکھتے ہیں۔)

لیکن اب سوال یہ ہے کہ منشائے الٰہی کے اس مقصدِ عظیم کو پورا کون کرے؟ اوراس عالمِ اسباب میں اس کی تکمیل کس کے ذمے واجب ہے؟ تو اسلام کے نظام کا مکمل نقشہ جن نگاہوں کے سامنے ہے، وہ بہ آسانی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ اس ''عالمِ تشریع'' میں یہ فریضہ نائبِ الٰہی ''خلیفہ'' (حکمران) پر عائد ہوتا ہے کہ قلم رو اسلامی میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے، جو حقِ معیشت سے محروم ہو۔ اور نہ کسی کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ حقِ معیشت میں دراندازبن سکے اور جو حکومت اس منشائے الٰہی کو پورا نہ کرتی ہو وہ ''فاسد نظام'' کی حامل اور نظامِ عدل سے منحرف ہے۔

5۔آیت کی تفسیر از حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

چناں چہ سورت البقرہ کی اس آیت:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ق (95)

کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ارشاد فرماتے ہیں:

www.rahimia.org

''جملہ اشیائے عالم بہ دلیل (اس) فرمان واجب الاذعان تمام بنی آدم کی مِلک معلوم ہوتی ہیں، یعنی غرضِ خداوندی تمام اشیا کی پیدائش سے **دفعِ حوائج جملۂ ناس** (تمام انسانوں کی حاجات کو پورا کرنا) ہے۔اور کوئی **شئے فی حدّ ذاتہ** (ذاتی طور پر) کسی کی مملوکِ خاص (ذاتی ملکیت میں) نہیں، بلکہ ہر شئے اصل خلقت میں جملۂ ناس (تمام انسانوں) (Mankind) میں مشترک (Common) ہے۔اور **مِن وَجہ** (ایک طرح سے) سب کی مملوک ہے۔

ہاں! **بوجہ رفعِ نزاع** (جھگڑا ختم کرنے) (Settelment of Dispute) و **حُصولِ انتفاع** (نفع اٹھانے کے لیے) (Acquistition of Benefit) قبضہ کو **علتِ ملک** (ملکیت کا سبب) (Reason for Ownerrship) مقرر کیا گیا۔ جب تک کسی شئے پر ایک شخص کا **قبضۂ تامّۂ مستقلّہ** (مستقل اور پورا قبضہ) (Absolute permanent Possession) باقی ہے، اس وقت تک کوئی اَور اس میں دست درازی نہیں کرسکتا۔

ہاں! خود مالک و قابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت (ضرورت) سے زائد پر قبضہ نہ رکھے، بلکہ اس کو اَوروں (دوسروں) کے حوالے کردے۔ کیوں کہ بہ اعتبارِ اصل اَوروں (دوسروں) کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔ یہی وَجہ ہے کہ مالِ کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا، گو زکوٰۃ بھی ادا کر دی جائے۔ انبیّا و صلحا اس سے بہ غایت مجتنب (انتہائی پرہیز کرتے) (Abstainers) رہے۔

چناں چہ احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، بلکہ بعض صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرما دیا۔ بہر کیف غیر مناسب و خلافِ اولیٰ (Against the Better) ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔

www.rahimia.org

اس کی وَجہ یہی ہے کہ **زائد علی الحاجة** (ضرورت سے زائد مال) (More than the Need) سے اس کی تو کوئی غرض متعلق نہیں۔ اور اَوروں (دوسروں) کی مِلک مِن وجه (ایک پہلو سے) اس میں موجود۔ تو گویا شخص مذکور مِن وجه مالِ غیر (ایک پہلو سے دوسرے کے مال) میں قابض ومتصرف (Occupier & User) ہے۔

اس کا حال بعینہٖ مالِ غنیمت کا سا تصور کرنا چاہیے۔ وہاں بھی (لوگوں میں) قبلِ تقسیم یہی قصہ ہے کہ مالِ غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے، مگر بہ وَجہ ضرورت وحصولِ انتفاع (Utilization) بہ قدرِ حاجت (According to need) ہر کوئی مالِ مذکور سے مُنتفِع ہوسکتا (یعنی فائدہ اٹھا سکتا) ہے۔ ہاں! حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہیے (یعنی خائن (Treacherous) شمار ہوگا)‘‘[96]۔

احادیثِ نبویہؐ سے اس اُصول کا ثبوت

مشہور محدث ابنِ حزم ظاہریؒ نے اس سلسلے میں ’’**محلّٰی**‘‘ میں جو روایات نقل کی ہیں، وہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں:

1۔ پہلی حدیث

’’عن أبی سعید الخدریؓ أنّ رسول اللّٰه ﷺ قال:

’’مَن کان معه فضلُ ظَهرٍ فلیَعُدْ به علٰی مَن لا ظَهرَ له، و مَن کان له فضلٌ مِنْ زادٍ فلیَعُدْ به علٰی مَن لا زادَ له‘‘.

قال: فذکر مِن أصناف المال ما ذکر، حتّٰی رأینا أنّه لا حقَّ لأحدٍ مِنّا فی فضلٍ‘‘[97].

(حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

www.rahimia.org

''جس شخص کے پاس قوّت و طاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں، اس کو چاہیے کہ فاضل سامان کو کمزور کو دے دے۔ اور جس شخص کے پاس سامانِ خورد ونوش حاجت سے زائد ہو، اس کو چاہیے کہ فاضل سامان نادار اور حاجت مند کو دے دے۔''

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ: نبی اکرمؐ اسی طرح مختلف انواعِ مال کا ذکر فرماتے رہے، حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کرلیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل (زائد) مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔)

اور (محدث ابن حزمؒ) ابوسعید خدریؓ کی روایت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''**و هٰذا إجماع الصّحابة ؓ یُخبِرُ بذٰلک أبو سعیدؓ، و بکلِ ما فی هٰذا الخبر نقول**''[98].

(اس پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ اس اجماع کی خبر دے رہے ہیں اور جو کچھ اس حدیث میں ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں۔)

اس بات پر صحابہؓ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا ننگا، یا ضروریاتِ رہائش سے محروم ہے تو مال دار کے فاضل مال سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے۔ تمام ائمہ مجتہدین کا بھی یہی مسلک ہے۔

2۔ دوسری حدیث

''**قال عمرؓ بن الخطّاب:**

''**لو استقبلتُ مِن أمری ما استدبرتُ، لأخذتُ فُضُولَ أموالِ الأغنیاء، فقسّمْتُها علٰی فقراء المهاجرین**''[99].

(حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا: ''جس بات کا مجھے آج اندازہ ہوا ہے، اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلا شبہ اربابِ ثروت کی فاضل دولت لے کر فقرا اور مہاجرین میں بانٹ دیتا۔'')

www.rahimia.org

ابنِ حزمؒ اس روایت کی سند پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''و هٰذا إسناد فی غاية الصّحة و الجلال''.

(یہ سند نہایت صحیح اور پُراز جلالت ہے۔)

3۔ تیسری حدیث

''وصحّ عن أبی عُبيدة بن الجرّاحؓ و ثلاث مائة مِن الصّحابة ۔ رضی اللّٰه عنهم ۔: أنّ زادَهم فَنِیَ، فأمرهم أبو عبيدة، فجمعوا أزوادَهم فی مَزْوُدَيْن، و جعل يَقُوتُهم إيّاها علی السّواء''[100].

(حضرت ابوعبیدہؓ اور تین سو صحابہ ۔رضی اللہ عنہم۔ سے یہ روایت صحت کو پہنچی ہے کہ ان کے کھانے پینے کا سامان ختم ہو رہا تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے حکم دیا کہ: جس جس کے پاس جس قدر موجود ہے، اس کو حاضر کرے۔ پھر سب نے اپنے اپنے سامان کو دو توشہ دانوں میں جمع کیا اور حضرت ابوعبیدہؓ اس سب کو بہ قدرِ کفایت برابر تقسیم کرنا شروع کر دیا''۔

4۔ چوتھی حدیث

عن محمّد بن علی بن أبی طالبٍ أنّه سمع علیؓ بن أبی طالبٍ يقولُ: ''إنّ اللّٰهَ تعالٰی فَرَضَ علی الأغنياء فی أموالهم بقدر ما يكفی فقراءَ هم، فإن جاعُوا أو عَرُوا و جَهَدُوا فبِمَنْعِ الأغنياء، و حقٌّ علی اللّٰه تعالٰی أن يُّحاسِبَهم يومَ القيامة و يُعذِّبهم عليه''[101].

(محمد بن علی (ابنِ حنفیہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت علی ۔رضی اللہ عنہٗ۔ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مال داروں کے اموال پر ان کے فقرا کی حاجت کو بہ قدرِ کفایت پورا کرنا فرض قرار دیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی تکلیف میں مبتلا ہوں گے، اس لیے کہ مال دار اپنا حق ادا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کا حق ہے کہ ان سے قیامت کے دن

www.rahimia.org

حساب لے اور اس پر انھیں عذاب دے۔)

ان احادیث کی روشنی میں محدث ابنِ حزمؒ کی رائے

اسی قسم کی دوسری احادیث اور آیاتِ قرآنی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے مشہور محدث ابنِ حزم ظاہریؒ (اپنی کتاب ''المحلّٰی'' میں) یہ مسئلہ (نمبر 725) تحریر فرماتے ہیں:

''ہر ایک ایسی بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقرا اور غربا کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور حکمران انھیں اس پر مجبور کرے۔ اور اگر مالِ فئے (بیت المال کی آمدنی) ان غربا کی معاشی کفالت کو پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان اربابِ دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کرسکتا ہے (یعنی ان کے فاضل مال سے بہ جبر لے کر فقرا کی ضروریات میں صرف کرسکتا ہے)۔ اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو۔ پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو۔ اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو، جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے''(102)۔

اب ان تمام نصوصِ قرآنی اور ان کی مؤید احادیث و فقہی روایات کو سامنے رکھ کر بہ نظرِ انصاف غور فرمائیے کہ ''اسلام کا معاشی نظام'' ''حقِ معیشت کی مساوات'' (کے اُصول) کا کس طرح صاف اور واضح اعلان کرتا ہے۔ اور امیرِ اسلام کے اختیارات میں وسعت دے کر اس کی حفاظت کے لیے کس قدر عادلانہ دستور قائم کرتا ہے۔

غربت و اِمارت سے متعلق شبہات کا جواب

جو دماغ اسلامی نظام کے حقائق سے ناآشنا اور موجودہ فاسد نظام ہی کو۔ جس میں اِمارت و غربت کا قابلِ نفرت حد تک تفاوت نظر آتا ہے۔ اسلامی نظام سمجھتے ہیں، ان کے

www.rahimia.org

لیے یہ باتیں بلاشبہ حیرت زا ہیں:

1۔ پہلا شبہ؛ مساواتِ معیشت منشائے الٰہی کے خلاف ہے

ان میں سے بعض تو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے، منشائے الٰہی کے خلاف ہے۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ نے جب خود ہی لاکھوں کروڑوں انسانوں کو محروم المعیشة (معاشی رزق سے محروم) پیدا کیا ہے اور غربت و امارت کا یہ فرق بھی کہ –ایک کروڑ پتی ہے اور دوسرا نانِ جویں سے بھی محروم– اسی کا بنایا ہوا ہے، تو پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ حقِ معیشت میں تمام افرادِ انسانی مساوی ہیں اور یہ کہ کوئی فرد اس کائنات میں محروم المعیشة (معاشی رزق سے محروم) نہ رہے؟

2۔ دوسرا شبہ؛ مساواتِ معیشت کا نظریہ اِشتراکیت سے مرعوبیت ہے

بعض اس گمراہی میں ہیں کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے، اسلامی نظام کو ہمہ گیر ثابت کرنے کے لیے ایک جدید کوشش ہے، جو دنیا کے رُجحانات اور وقت کے تقاضوں کے سامنے سِپر ڈالتے ہوئے احکامِ الٰہی کی ترمیم وتبدیل کی شکل میں پیش کی جارہی ہے، یا اشتراکیت (Socialism) و اشتمالیت (Communism) سے مرعوب ہو کر (اسلام کو) قبائے مارکسزم (Marxism) کے جسم پر موزوں کیا جارہا ہے۔

یہ دونوں شبہات، وَساوِس اور اَوہامِ فاسدہ ہیں

لیکن افسوس اور صد افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ دونوں خیالات، وساوس اور اَوہامِ فاسدہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ درحقیقت یہ نتیجہ ہے اس عام بے خبری کا، جو اسلامی تعلیم کے متعلق مسلم فضا میں ابرِ محیط (گھرے بادل) کی طرح چھائی ہوئی ہے۔ یہ ثمرہ ہے اپنے (دینی) حقائق سے یکسر نا آشنا رہتے ہوئے اس مرعوبیت کا، جو مغربی تعلیم کی بہ دولت ہم پر طاری وساری ہے۔

www.rahimia.org

عالمِ تکوین اور عالمِ تشریع کا فرق

یہ دونوں خیالات' وسوسہ یا سفسطہ (بے بنیاد مغالطہ) (illusion) کیوں ہیں؟ اس لیے کہ ہم اس قسم کے مسائل پر بحث کرتے وقت اسلام کی اس بنیادی حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ:

(الف) ''عالمِ تکوین''

(ب) اور ''عالمِ تشریع''

میں کیا فرق ہے؟

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس قانونِ الٰہی کو کائنات کی کامرانی (Succes) کا واحد حل تجویز فرمایا ہے، ذی عقل کائناتِ عالم کو جس کے امتثال (پورا کرنے) کی تکلیف دی ہے، اور جس کی تعمیل (عمل کرنے) کے لیے مکلّف بنایا ہے، اس کا تعلق ''تکوینیات'' سے ہے، یا ''تشریعیات'' سے؟

سو اگر ہم اس بنیادی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیتے تو بلا شبہ اس قسم کے وساوس اور اوہام کی صورت ہی پیدا نہ ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کا تکوینی نظام

یہ ایک حقیقت ہے کہ خالقِ کائنات نے کائنات کے آغاز و انجام کا جو تکوینی نظام بنایا ہے، اس کا تمام تر تعلق صرف اپنی ذاتِ احدیت ہی کے ساتھ رکھا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کے دخل کی مطلقاً گنجائش نہیں ہے اور نہ ہم کو یہ معلوم ہے کہ نظامِ تکوینی میں کسی شئے کے لیے کیا ہے اور کیا نہیں اور نہ اس علم کا ہم کو مکلّف (پابند) بنایا گیا ہے۔ اس کا تعلق سرتاسر ''عالمِ تکوین'' سے متعلق ہے۔

www.rahimia.org

انسانیت کے لیے تشریعی نظام

البتہ اس نے حضرتِ انسان (ثـقـلـین یعنی جن و اِنس) کو جب کہ عقل وشعور اور ادراک وتمیز عطا فرمائے ہیں تو اس عطا وبخشش کے بعد اس کو یوں ہی بے کار اور معطل نہیں چھوڑ دیا، بلکہ:

☆ اشیا کے حسن وقبح (اچھے اور بُرے ہونے)

☆ اور اپنی مرضیات ونامرضیات (پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں) کی معرفت

☆ اور ہدایت وگمراہی اور حق وباطل میں امتیاز کے لیے

☆ نیز افراد کو اجتماعی سِلک (لڑی) میں منسلک کرنے کے لیے

ایک بہترین ''نظام'' عطا فرمایا اور اس میں اچھی اور بُری دونوں راہوں کو واضح کردیا۔ (ارشادِ خداوندی ہے:)

''وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾'' (103)

(اور ہم نے اُسے دونوں راہوں کی رہنمائی کردی۔)

اس نظام کا نام ''نظامِ تشریعی'' ہے اور کائنات میں ''پہلے انسان'' کے ساتھ ساتھ یہ ''نظام'' عالمِ تشریع پر حاوی ہے اور انبیا ورُسل کے ذریعے برابر دنیائے انسانی پر کارفرما رہا ہے اور اس کی فلاح وبہبود کا ضامن وکفیل ہے۔ پس یہی وہ نظام ہے کہ جب حدِ کمال کو پہنچا تو ''قرآن عزیز'' کی شکل میں جلوہ افروز ہوا۔

پس اگر یہ بنیادی حقیقت ہمارے پیشِ نظر رہے تو ہم بہ آسانی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے دائرے سے یہ باہر ہے کہ ہم ''نظامِ تکوینی'' سے بحث کریں، بلکہ ہم صرف ''نظامِ تشریعی'' (قانونِ تشریع) ہی کے دائرے میں محدود رہ کر بحث کرسکتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث کا صحیح مطلب

اب قرآنِ عزیز سے نقل شدہ نصوص کو ملاحظہ فرمائیے اور غور کیجیے کہ:

www.rahimia.org

کیا ان نصوص کی مراد یہ ہے کہ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحتِ عامہ اور حکمتِ بالغہ کی بنا پر کائناتِ انسانی میں اِمارت وغربت کے تفاوتِ درجات کو خلق کیا ہے، اس لیے مردِ مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس تفاوتِ درجات کو ترقی دینے کے لیے ایسا نظام قائم کرے کہ تمام ثروت و دولت امیروں کے ہاتھ میں آجائے اور کروڑوں انسان فقیر اور محتاج بن کر اور ایڑیاں رَگڑ رَگڑ کر جانِ آفریں کو جان سپرد کردیں اور اس طرح۔ ''**العیاذ باللّٰہ**'' (اللہ کی پناہ)۔ منشائے الٰہی کو پورا کریں۔

اگر ان آیاتِ قرآن کا مطلب یہ نہیں ہے تو پھر اس کے سوائے دوسرا کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ درجاتِ معیشت میں فطری حد تک تفاوت (فرق) کے باوجود حقِ معیشت میں تمام کائناتِ انسانی مساوی اور برابر کی شریک ہے اور کسی صاحبِ ثروت کی دولت وثروت غریبوں کی غربت میں اضافہ کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ خدا تعالیٰ کی وہ امانت ہے جو اجتماعی نظام کے زیرِ فرمان غربا و مساکین کی غربت ومسکنت کو فنا کرنے کے لیے استعمال ہونی چاہیے۔ گویا صاحبِ ثروت کی ثروت، غربا کی غربت کے لیے رحمت ثابت ہو، نہ کہ زحمت۔

اور اگر اربابِ ثروت ایسے عادل سسٹم کو منظور نہ کریں اور اس پر عمل پیرا نہ ہوں تو پھر خدا کے نائب (خلیفہ اور حکمران) کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے ''اجتماعی معاشی نظام'' کے مطابق اربابِ ثروت کو قانوناً اس پر مجبور کرے۔ اور اگر بیت المال کا مالیہ (اس کے لیے) کافی نہ ہو اور اس سے بھی قلمروِ خلافت میں محروم المعیشت (معاشی ضروریات سے محروم) انسان موجود رہ جائیں تو اہلِ دولت کے سرمائے سے بہ جبر حاصل کرکے ''حقِ معیشت کی مساوات'' کو بروئے کار لائے، خواہ وہ اہلِ دولت اپنے مال میں سے تمام ''عائد شدہ مالی فرائض وحقوق'' ادا کر چکے ہوں۔

''حقِ معیشت کی مساوات'' کا اُصول' منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے

الحاصل! قرآنی نصوص اور ان کی مؤید احادیثِ رسول ﷺ اور ان سے مستنبط فقہی

www.rahimia.org

احکام یہ واضح کرتے ہیں کہ:

(1) ''حقِ معیشت کی مساوات'' کا یہ نظریہ منشائے الٰہی کے خلاف نہیں، بلکہ عین منشائے الٰہی کے مطابق ہے،

(2) اور یہ جدید نظریہ نہیں ہے کہ مارکسزم کی حمایت یا اس سے مرعوبیت کی بنا پر احکامِ اسلامی کی انوکھی تعبیر کے ذریعے وجود میں آیا ہو،

بلکہ اسلام کا وہ بنیادی اور اساسی حکم ہے، جو اپنے وجود سے آج تک غیر متبدل اور غیر متزلزل رہا ہے۔ اور اگر ہم نے اس کو سمجھنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی، یا دوسرے انسانوں کے اختراعی معاشی نظاموں سے مرعوب ہو کر ہم نے ''اسلامی معاشی نظام'' کو یکسر بھلا دیا تو اس میں اپنا قصور ہے، نہ کہ اسلامی نظام کے بیان کرنے والے اور اس کی اصل حقیقت سے روشناس کرانے والے کا۔

یہ بھی سخت گمراہی ہے کہ ہم یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ غربت و امارت کا یہ غیر فطری تفاوت اور ظالمانہ امتیاز جو آج ہم کو کائنات پر چھایا ہوا نظر آتا ہے، خدا کا بنایا ہوا ہے، بلکہ یہ ''فاسد نظام ہائے معاشی'' کے ثمرات و نتائج ہیں اور خدا کی مرضی یہ ہے کہ اس قسم کے تمام نظام ہائے فاسد کو یک قلم سوخت ہو جانا چاہیے''۔

[اضافہ از مرتب]

حقِ معیشت میں مساوات کا اُصول اور خلفائے راشدینؓ

حقِ معیشت میں مساوات کا اُصول خلفائے راشدینؓ کے طرزِ فکر و عمل سے بھی واضح ہوتا ہے۔ چناں چہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ انھوں نے اپنے عہدِ خلافت میں بیت المال سے مال کی تقسیم کے وقت تمام لوگوں کو برابر اور مساوی طور پر اموال دیے۔ ان اموال کی تقسیم کے اعداد و شمار یہ ہیں کہ ایک سال

www.rahimia.org

7.1/3 درہم اور دوسرے سال 20 درہم سب کو دیے گئے۔

امام قاضی ابو یوسفؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت کے بارے میں "کتاب الخِراج" میں لکھا ہے:

"و بَقِيَتْ بَقِيَّةٌ مِن المال، فقسّمَها بين النّاس بالسَّوِيّة على الصّغير و الكبير، و الحُرّ و المملوك، و الذَّكَر و الانثیٰ، فخرج علیٰ سبعةِ دراهم و ثُلث لكلّ إنسانٍ. فلمّا كان العامُ المُقبِل، جاء مالٌ كثيرٌ هو أكثر مِن ذٰلک، فقسّمَهٗ بين النّاس، فأصاب كُلَّ إنسانٍ عِشرِيْن دِرْهَمًا"[104].

(حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیت المال کے باقی مال کو لوگوں کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کر دیا۔ ہر ایک چھوٹے اور بڑے، آزاد اور غلام، عورت اور مرد کو سات درہم اور ایک درہم کا تہائی حصہ مساوی طور پر ہر انسان کو دیا۔ جب دوسرا سال آیا اور پہلے سے زیادہ مال بیت المال میں آیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُسے بھی لوگوں کے درمیان اسی اُصول پر تقسیم کیا۔ چناں چہ ہر انسان کو بیس درہم مساوی طور پر ملے۔)

اس پر کچھ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ:

"يا خليفةَ رسولِ اللّٰه ! إنّک قسّمتَ هٰذا المالَ، فسوّيتَ بين النّاس، و مِن النّاس أُناسٌ لهم فضلٌ و سوابِقُ و قِدَمٌ، فلو فضّلتَ أهلَ السّوابِقِ و القِدَمِ و الفضل بفضلهم"[105].

(اے رسول اللہؐ کے خلیفہ! آپ نے یہ مال لوگوں کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا ہے، حال آں کہ کچھ لوگ ایسے ہیں، جن کی قدیم خدمات ہیں، وہ دینی کاموں میں سبقت لے جانے والے ہیں اور فضیلت رکھنے والے ہیں۔ کاش کہ آپ ان لوگوں کو کچھ زیادہ عنایت فرماتے۔)

www.rahimia.org

چناں چہ صحابہؓ میں سے ایسے صحابی بھی ہیں، جنھوں نے بدر میں خدمات سرانجام دیں۔ بدر سے لے کر اب تک اُن کی محنتیں ہیں اور کچھ وہ لوگ ہیں، جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ کچھ لوگ ہیں، جو ابھی مسلمان ہوئے۔ آپ ؐ نے سب کو برابر کر دیا۔ قاضی ابو یوسفؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ جواب نقل کیا ہے۔ انھوں نے ارشاد فرمایا:

''أمّا ذكرتُم مِن السّوابق و القِدَم و الفضل، فما أعرِفُنِي بذٰلک، و إنّما ذٰلک شيءٌ ثوابُهٗ على اللّٰه – جلّ ثنائهٗ – و هٰذا معاشٌ فالأُسوةُ فيه خيرٌ من الأَثَرَة''(106).

(یہ جو تم نے سبقت لے جانے والے قدیم اور صاحبِ مرتبہ لوگوں کا ذکر کیا ہے، میں ان کے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ یہ ایک ایسا کام ہے، جس کا ثواب اللہ –جل شانہٗ– پر ہے۔ یہ مال کا تقسیم کرنا معاشیات کا مسئلہ ہے۔ اس میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے بجائے' مساوات بہتر ہوتی ہے۔)

صاحبِ فضل واحسان کے کاموں کا اس دنیا میں کوئی معاوضہ نہیں ہے کہ غزوۂ بدر میں زیادہ خدمات سرانجام دیں۔ گویا صحابہ کرامؓ نے یہ مطالبہ نہیں کیا تھا کہ مال داروں کو مزید ملنا چاہیے اور غریبوں کو کم ملنا چاہیے، بلکہ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ جنھوں نے غلبۂ دین کے لیے خدمات زیادہ انجام دی ہیں، اُن کی حوصلہ افزائی کے لیے اُن کو کچھ زیادہ ملنا چاہیے۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ یہ معاشیات کا معاملہ ہے، اس میں معاشی مساوات کے قانون پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا دور آیا تو انھوں نے اسلام کے لیے زیادہ خدمات سرانجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے انھیں ترجیح دی اور بیت المال سے زیادہ مال عطا کیا، لیکن آخری زمانے میں انھوں نے بھی معاشی مساوات کے اُصول پر عمل کرنے کا عزم اور ارادہ ظاہر کیا۔ چناں چہ قاضی ابو یوسفؒ لکھتے ہیں:

www.rahimia.org

''و لمّا رآی (عمرؓ) المالَ قد کَثُرَ، قال:

''لئن عِشتُ إلٰی ھٰذہ اللّیلة مِن قابِلٍ، لأُلْحِقَنَّ أُخرَی النّاس بأُوْلٰھم، حتّٰی یکونوا فی العَطاء سواء''(107).

(جب حضرت عمرؓ نے مال کی کثرت کو دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ:

''اگر میں آئندہ سال آج کے دن تک زندہ رہا تو میں ضرور پیچھے رہ جانے والے لوگوں کو پہلوں کے ساتھ شامل کردوں گا، یہاں تک کہ تمام لوگ بیت المال سے عطا کردہ مال حاصل کرنے میں برابر ہو جائیں۔)

گزشتہ تمام قرآنی آیات اور احادیث سے حقِ معیشت میں مساوات کا اُصول واضح ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مملکت کے قدرتی اور جمع شدہ ملکی قومی وسائل اور اموال پر اُس سوسائٹی میں بسنے والے تمام انسانوں کا مساوی حق ہے۔ گویا ''پیدائشِ دولت'' میں حصہ لینے کے لیے ملکی قومی دولت کو استعمال میں لانے کا تمام لوگوں کو حق حاصل ہے۔ ان وسائل پر کسی خاص طبقے کی اجارہ داری نہیں ہے۔ پھر اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق ان قومی اور ملکی قدرتی وسائل میں محنت و مشقت کرکے اشیا میں افادیت پیدا کرنے کے لیے کام کریں۔ اس طرح انسانی محنتوں اور صلاحیتوں کے تفاوت سے فطری طور پر درجاتِ معیشت میں فرق ہوسکتا ہے۔

پھر درجاتِ معیشت میں فطری تفاوت پیدا ہونے کی صورت میں بھی زیادہ کمانے والے لوگوں پر یہ لازمی حق ہے کہ وہ بالکل نہ کما سکنے والوں اور محتاجوں کی کفالت کا ذریعہ بنیں۔ اگر زکوٰۃ اور دوسرے فرائضِ مالیہ ادا کرنے کے باوجود بھی عام انسانوں کی ضروریات نہ پوری ہو رہی ہوں تو حکومت کا فرض ہے کہ زیادہ کمانے والوں سے مال لے کر لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام کرے۔ (اضافہ ختم شد)

- - - - - - - - - - - - - - - - -

www.rahimia.org

دوسرا اُصول

درجاتِ معیشت میں فطری تفاوت

(Natural Diversity in Economic Gradation)

اگرچہ حقِ معیشت میں سب مساوی ہیں، لیکن درجاتِ معیشت میں مساوی نہیں ہیں۔ معیشت میں درجات کا تفاوت ایک حد تک فطری ہے، یعنی یہ ضروری نہیں کہ سب کے لیے سامانِ معیشت ایک ہی طرح کا ہو، لیکن یہ ضروری ہے کہ ہو سب کے لیے۔

مگر درجات کا یہ تفاوت ایسے اعتدال پر قائم رہے کہ کسی حالت میں بھی وہ لوگوں کے درمیان وجہِ ظلم (ظلم کا سبب) نہ بن سکے۔ یعنی تفاوتِ درجات (درجات میں فرق) تو ہو، لیکن نہ ایسا کہ ''معیشت'' انسانوں کو دو طبقوں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ ایک کی ترقی دوسرے کے فقر و افلاس کا سبب بنے اور دوسرا پہلے کے معاشی اغراض کا آلہ کار بن کر رہ جائے۔

قرآن حکیم سے اس اُصول کا ثبوت

قرآن عزیز نے اس تفاوتِ درجات کو اس طرح بیان کیا ہے:

1۔ پہلی آیت

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (108)

(دُنیوی زندگی میں ہم نے لوگوں کی معیشت ان کے درمیان تقسیم کر دی

www.rahimia.org

ہے اور اس کو اس طرح کر دیا کہ بعض کو دوسرے بعض پر معیشت میں بلندی حاصل ہے۔)

2۔ دوسری آیت

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ (109)

(اللہ جس کے لیے چاہتا ہے، رزق میں فراخی دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی ڈالتا ہے۔)

3۔ تیسری آیت

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ (110)

(اور وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دیے، تاکہ جو کچھ تمھیں دیا ہے، اس میں تمھیں آزمائے۔)

4۔ چوتھی آیت

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ (111)

(خدائے تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی۔ پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی ہے، وہ اپنی روزی سے اپنے زیر دستوں کو لوٹا دے۔ حال آں کہ اس روزی میں سب برابر کے حق دار ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے؟)

گویا رزق میں تفاوتِ درجات کی مصلحت ایک خاص قسم کی آزمائش پر مبنی ہے۔ یعنی

www.rahimia.org

اللہ تعالیٰ ایک جانب غنی کو صاحبِ ثروت بنا کر اس سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی ثروت کو تنہا اپنی ملکیت نہ سمجھے، بلکہ ''انفرادی ملکیت (Individual Ownership) کے باوجود'' یہ یقین رکھے کہ وہ جس قدر زیادہ کمائے گا، اسی قدر اس کی دولت پر اجتماعی حقوق (Social Obligations) زیادہ عائد ہوں گے۔ پس وہ صرف اپنے لیے نہیں کماتا، بلکہ جماعت کے دوسرے افراد کے لیے بھی کماتا ہے۔

تفاوتِ درجات کا درست مفہوم

نیز یہ ذہن نشین رہے کہ درجات کا یہ تفاوت جماعت کے دوسرے افراد کو **محروم المعیشة** (معیشت سے محروم) بنانے اور ذاتی اغراض کی خاطر معاشی دست بُرد (Economic Exploitation) کرنے کے لیے نہیں ہے۔ جو ایسا کرتا ہے، وہ خدا کی نعمت (عطائے ثروت) کا جاحد (منکر) ہے۔ کیوں کہ یہاں دولت و سرمایہ کا مقصد زیادہ سے زیادہ نفع بازی نہیں ہے، بلکہ انفرادی حاجات و ضروریات کے ساتھ ساتھ اجتماعی حاجات و ضروریات کی تکمیل ہے۔

دوسری جانب **غیر متموّل** (مال دار نہ ہونے والے) سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ **متموّل** افرادِ ملت کے **تموُّل** (مال داری) کو دیکھ کر خدا کے ساتھ کفران اور ناشکر گزاری نہ اختیار کرے اور نہ حسد و بغض کو دل میں جگہ دے، بلکہ طمانیتِ قلب کے ساتھ اپنی مختصر فارغ البالی اور خوش حالی پر شاکر رہے۔

لفظ ''فارغ البالی'' اس لیے کہا گیا ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت میں کسی فرد کا **محروم المعیشة** (معاشی وسائل سے محروم) رہنا ناجائز ہے، یا پھر عملی جدوجہد میں آگے بڑھ کر اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق ان تمام حقوقِ معیشت سے متمتع (فائدہ لینے والا) ہو اور غنا و دولت حاصل کرے، جن کو تمام مخلوقِ خدا کے لیے عام اور مساوی کر دیا ہے۔ وہ دوسرے افرادِ ملت کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کو اپنے حاصل کردہ مال پر اسی طرح عائد کرے، جس طرح قانونِ اسلامی نے دوسرے اربابِ دولت پر عائد کیے ہیں۔

www.rahimia.org

[اضافہ از مرتب]

درجات کے فطری تفاوت کے اُصول کے باوجود اپنی زیادہ صلاحیت اور استعداد کی وجہ سے زیادہ مال کمانے والوں پر یہ ذمہ داری بھی عائد کی گئی ہے کہ وہ کمزور صلاحیت اور استعداد کے سبب پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے حقوق ادا کریں۔ خاص طور پر جو اپنی محنت و مشقت کے باوجود کسی سبب سے مسکنت یعنی معاشی طور پر ٹوٹ کر رہ گئے، یا کسی اپنے سربراہ کی سرپرستی سے محرومی کے سبب یتیم ہوگئے، ان کی مدد کرنا سوسائٹی کے مال دار طبقوں پر ضروری ہے۔ کیوں کہ کسی اجتماع میں طاقت ور اور کمزور لوگوں کے باہمی تعاون سے ہی معیشت کا سرکل چلتا ہے۔ گویا اُن کی دولت میں لوگوں کی اجتماعی تگ و دو شامل ہے۔ معاشرے کی مجموعی معاشی ترقی لوگوں کی اجتماعی جدوجہد کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اسی حقیقت کو حضور اقدسؐ نے درجِ ذیل حدیث میں بیان فرمایا ہے:

عن أبی الدّرداءؓ، قال: سمعتُ رسولَ اللّٰہ ﷺ یقول:

"أبْغُونِیْ الضُّعَفاءَ، فإنّما تُنصَرون و تُرزَقون بِضُعَفائِکم".(112)

(حضرت ابودرداؓ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"مجھے کمزوروں میں تلاش کرو! اس لیے کہ تمھیں اپنے کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے اور مدد کی جاتی ہے۔)

گویا کہ رسول اللہ ﷺ اس حقیقت کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ کسی معاشرے میں محنت کش لوگوں کی اجتماعی جدوجہد کے سبب سے ہی سیاسی طاقت و قوت اور دُشمن کے مقابلے میں نصرت و مدد پیدا ہوتی ہے۔ اور انھیں کی اجتماعی معاشی کد و کاوش سے ہی لوگوں کو رزق حاصل ہوتا ہے۔

معاشیات کے پہلے قرآنی اُصول "حقِ معیشت میں مساوات" کے تحت جب قدرتی

www.rahimia.org

اور ملکی وسائل میں تمام انسانوں کو استفادے کا حق ہے۔ اور لوگ اُن وسائل میں دولت کی پیدائش یعنی ویلیو ایڈ کرنے کے لیے یکساں طور پر محنت و جدوجہد اور کوشش کریں گے تو محنتوں اور صلاحیتوں کا فرق و امتیاز ظاہر ہوگا۔ اس وَجہ سے فطری طور پر فرق پیدا ہوسکتا ہے۔ اس طرح قرآن حکیم کا بیان کردہ دوسرا اُصول ''درجاتِ معیشت میں فطری تفاوت'' عملی طور پر سامنے آئے گا۔

ایسی صورت میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ:

1۔ ملکی اور قومی وسائل سے استفادے کا حق تمام لوگوں کو یکساں طور پر ملنا چاہیے۔ اس حوالے سے کسی خاص طبقے کو اپنی بالادستی قائم کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔

2۔ ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ جس میں تمام لوگوں کی محنت محفوظ ہو۔ ہر ایک کو اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق وسائلِ معیشت میں کام کرنے کا موقع دیا جائے۔

3۔ ایسے ماحول میں معاشی درجات میں فطری تفاوت پیدا ہوجائے تو اُس کی وجہ سے استحصالی طبقاتی نظام پیدا نہ ہونے دیا جائے۔

4۔ پورے ملک کے تمام لوگوں کے اجتماعی حقوق کی ادائیگی اور سبھی لوگوں کے لیے بہتر معاشی ماحول فراہم کیا جانا ضروری ہے۔

اس طرح لوگوں کے درمیان معیشت میں درجات کا فرق اور امتیاز فطری حد تک رکھا جاسکتا ہے۔ معاشی درجات میں ایسا تفاوت کہ جس کے نتیجے میں طبقاتی نظام وجود میں آئے اور سرمایہ پرست لوگ دوسروں کی محنتوں کا استحصال کرتے ہوں، درست نہیں ہے۔

(اضافہ ختم شد)

www.rahimia.org

تیسرا اُصول

اِحتکار و اِکتناز کی حرمت

(Prohibition of Monopoly & Hoarding)

دولت اور سرمایہ داری کے وہ اصول قطعاً نا قابلِ تسلیم ہیں جن میں:

(الف) ''احتکار'' (اَجناس واشیائے ضرورت کی ذخیرہ اندوزی)

(Monopoly of Necessities)

(ب) و''اکتناز'' (زر کی ذخیرہ اندوزی) (Hoarding of Wealth)

کی کوئی صورت بھی بن سکے اور ان سے دولت وکنز (Wealth of Treasure) پھیلنے اور تقسیم ہونے کے بجائے سمٹ کر خاص حلقوں اور مخصوص طبقوں میں محدود ہو کر رہ جائے۔ اس طرح عام انسانی زندگی کو مفلوک الحال (Poverty Stricken) بنا دے۔

قرآن حکیم سے اس اُصول کا ثبوت

احتکار (Monopoly) واکتناز (Hoarding) کی حرمت اور ''انفاق'' (مال خرچ کرنے) کے وجوب کے لیے ذیل کی آیات قابلِ توجہ ہیں:

1۔ پہلی آیت

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۙ
فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ

www.rahimia.org

بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾ (113)

(اور جو لوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، سو اُن کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو! جس روز کہ اس مال پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی۔ پھر اس سے داغی جائیں گی ان کی پیشانیاں، پہلو اور ان کی پیٹھ (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے واسطے گاڑ رکھا تھا، سو چکھو مزہ اپنے گاڑنے کا۔)

2۔ دوسری آیت

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ ۚ (114)

(فقرا ومساکین، قرابت داروں اور یتیموں وغیرہ پر اللہ نے جو خرچ کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے، اس لیے ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولت مندوں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔)

3۔ تیسری آیت

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾ (115)

(صدقات اَور کسی کے لیے نہیں ہیں، صرف فقیروں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور ان کے لیے جو صدقات کے وصول کرنے پر مامور ہیں، اور ان کے لیے جن کے دلوں میں کلمہ حق کی اُلفت پیدا کرنی ہے، اور ان کے لیے جن کی گردنیں (غلامی سے) آزاد کرانی ہیں، اور قرض داروں کے لیے (جو کہ قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں)، اور اللہ کی راہ میں صَرف کرنے کے لیے (یعنی مجاہدین اور اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف رہنے والوں کے لیے) اور

www.rahimia.org

مسافروں کے لیے، یہ اللہ کی جانب سے ٹھہرائی ہوئی بات ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔)

4۔ چوتھی آیت

وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (116)

(اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو!)

5۔ پانچویں آیت

وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوۡا لَنَا عٰبِدِيۡنَ ۚ (117)

(اور ہم نے ان کی جانب (انبیا علیہم السلام کی جانب) وحی کی نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔)

6۔ چھٹی آیت

وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ (118)

(اور جو ہم نے تم کو دیا ہے، اس میں سے اس سے پہلے ہی خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آموجود ہو۔)

7۔ ساتویں آیت

وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۛ (119)

(اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (یعنی اِنفاق فی سبیل اللّٰہ سے رُکنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔)

ان آیات میں ادائے زکوٰۃ وصدقات اور ”اِنفاق فی سبیل اللّٰہ“ (اللہ کے راستے

www.rahimia.org

میں خرچ کرنے) کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن حکیم میں بہت بڑا ذخیرہ ان ہی احکام کی ترغیب وترہیب، ان سے متعلق احکام اور تفصیلات پر مبنی ہے۔ ان سب (احکام) کی روح یہ ہے کہ دولت وثروت جمع و ذخیرہ کے لیے نہیں ہے، بلکہ صَرف وخرچ کے لیے ہے۔ اس کا مصرف ذاتی و انفرادی تعیش (Personal & Individual Luxuries) کے بجائے انفرادی واجتماعی ضروریات کی کفالت (Maintenance) ہے۔

احتکار واکتناز کی حقیقت: جمہور علما کا مؤقف

اسی لیے ان آیات کی تفسیر میں ''جمہور'' کا مسلک یہ ہے کہ جس مال میں سے زکوٰۃ اور دوسرے مالی فرائض ادا نہ کیے گئے ہوں تو وہ مال احتکار واکتناز کی فہرست میں شامل اور (آیتِ قرآنی میں بیان کردہ) ''کَــنْــز'' (دولت جمع کرنے) سے متعلق وعید کا مصداق ہے۔ اور اسی قسم کی دولت وثروت کا نام ''سرمایہ داری'' ہے اور یہ حرام اور باطل ہے اور تباہ کردینے کے قابل۔

اور اپنی ضروریات اور اہل وعیال کی ''حاجاتِ اصلیہ'' (Basic Necessities) اور مالی فرائض و واجبات (Financial Obligations) کے ادا کے بعد بھی دولت باقی بچے تو اس کا پس انداز کرنا اگرچہ جائز ہے، مگر خلافِ اولیٰ ہے۔ کیوں کہ اب اس مال پر اجتماعی حقوق عائد ہوچکے ہیں اور اب اس کو اجتماعی حاجات (Social Necessities) میں صَرف ہونا چاہیے۔

مصارف کے موقع پر ہم نے جگہ جگہ لفظِ ''حاجات'' کے ساتھ ''اصلیہ'' کا اضافہ کیا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ تمام اخراجات ومصارف نظامِ اسلامی میں غیر معتبر اور باطل ہیں، جو اس کی نگاہ میں ممنوع یا حرام ہیں۔

احتکار واکتناز کے بارے میں حضرت ابوذر غفاریؓ کا مؤقف

جمہور کے خلاف حضرت ابوذر غفاریؓ اور بعض علمائے اسلام اس کو بھی جمع کر کے

www.rahimia.org

رکھنا حرام بتاتے ہیں۔ اوران آیاتِ زکوٰۃ وصدقات اورمنع احتکار واکتناز کے علاوہ آیاتِ میراث اور قانونِ وراثت بھی اسی حقیقت پر مبنی ہے کہ دولت وثروت جمع و ذخیرے کے لیے نہیں ہے، بلکہ تقسیم اور پھیلنے کے لیے ہے، تا کہ اس کا افادہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو سکے۔

علامہ ابن کثیرؒ حضرت ابوذر غفاریؓ کا مسلک بیان کرتے ہوئے ''تفسیر ابنِ کثیر'' میں لکھتے ہیں:

> ''کان مِن مذهب أبی ذرّ - رضی اللّٰه عنه - تحريم ادّخار ما زاد علٰی نفقة العَيال، و كان يُفتِيُ بذٰلک، و يَحُثُّهم عليه، و يأمُرُهم به''.(120)
>
> (حضرت ابوذر غفاری۔ رضی اللہ عنہ۔ کا مذہب یہ تھا کہ اہل وعیال کے نفقے سے زیادہ روپیہ جمع رکھنا قطعاً حرام ہے۔ وہ اسی کا فتویٰ دیتے، اسی کی تبلیغ کرتے اور اسی کا سب کو حکم دیتے۔)(121)

اس اُصول سے تمام بدعنوانیوں کا سدِ باب ہوتا ہے

اسلام کا اقتصادی نظام ان تمام بدعنوانیوں کا سدِ باب کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے جو درحقیقت ''اقتصادی نظام'' کے مقصد اور نصب العین کو تباہ و برباد کرنے کا باعث بنتی ہیں اور تجارت کے نام سے عام بدحالی اور قابلِ نفرت سرمایہ داری کو فروغ دیتی ہیں۔ اقتصادی نظام کو برباد کرنے اور اس کو کھوکھلا بنانے میں بدعنوانیوں کی جس قدر بھی تفصیلات و جزئیات ہوسکتی ہیں، وہ صرف دو بنیادوں پر قائم ہیں، اسلام نے اپنی اصطلاح میں ان کو دو خصوصی ناموں سے موسوم کیا ہے:

1۔ ''اکتناز'' (زر کی ذخیرہ اندوزی) (Hoarding)

2۔ و''احتکار'' (اَجناس کی ذخیرہ اندوزی) (Monopoly)

www.rahimia.org

احتکار و اکتناز کی تعریف اور مراد

احتکار سے مراد یہ ہے کہ دولت (ضروریاتِ زندگی) سمٹ کر کسی ایک ہی طبقہ میں محصور و محدود ہو جائے۔ اور اکتناز کی معنی یہ ہیں کہ دولت کے عظیم الشان خزانے افراد کے پاس جمع ہو جائیں اور ان کے پھیلاؤ اور تقسیم کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔ اسلام نہ اِس کو منظور کرتا ہے اور نہ اُس کو۔ اس لیے وہ ہر معاشی و اقتصادی شعبے میں ان دونوں کے خلاف قانون سازی کے ذریعے جہاد کرتا اور دونوں ملعون راہوں کو بند کرتا ہے۔

احتکار کی ممانعت: احادیثِ نبویہؐ کی روشنی میں

احتکار کے سلسلے میں ارشادِ نبویؐ ملاحظہ ہو:

قال رسولُ اللّٰہ ﷺ :

1. عن مَعمَر بن عبد اللّٰہ بن نضلةؓ قال:

قال رسول اللّٰہ ﷺ: "من احتکر فھو خاطیء" (122).

(حضرت معمر بن عبد اللہ بن نضلہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے ذخیرہ اندوزی کی، وہ خطا کار ہے"۔)

2. عن عمر بن الخطّابؓ، قال: قال رسولُ اللّٰہ ﷺ:

"الجالِبُ مرزوقٌ، و المحتکِرُ ملعونٌ" (123).

(حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دوسرے شہر سے مال لانے والے محنتی تاجر کو رزق دیا جاتا ہے، اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔")

3. عن عمر بن الخطّابؓ، قال: سمعتُ رسولَ اللّٰہ ﷺ یقول: "من احتکر علی المسلمین طعامَھم ضربہ اللّٰہ بالجُذام والإفلاس" (124).

www.rahimia.org

(حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''جس نے مسلمانوں کے کھانے کی چیزوں میں ذخیرہ اندوزی کی، اللہ تعالیٰ اس پر کوڑی کا مرض اور بھوک و اِفلاس مسلط کر دیتا ہے''۔)

4. عن أبی هریرةؓ، قال: قال رسولُ اللہ ﷺ ''مَن احتَكَر حُكرةً يريد أن يُّغلِيَ بها على المسلمين، فهو خاطیءٌ''[125].

(حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:
''جس نے ذخیرہ اندوزی کی اور اس کا مقصد مسلمانوں کو چیزیں مہنگی بیچنا ہو، تو وہ گناہ گار ہے''۔)

احتکار کی ممانعت؛ فقہا کی نظر میں

''فقہ'' میں احتکار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ''غلہ'' وغیرہ کو بہت بڑی مقدار میں اس لیے خریدے کہ بازار گراں ہو جائے اور پبلک میں اس چیز کی مانگ کا ''مرکز'' صرف وہی بن جائے اور پبلک اس کے مقررہ نرخ پر مجبور ہو جائے اور وہ من مانی گراں فروشی کرے۔

اس احتکار کی مثال کے لیے اس زمانے میں زیادہ کنج و کاوَ (غور وفکر) کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مہاجنوں (سودخوروں) کا وہ گروہ جو کاشت کاروں کو قرض کے نام سے سود پر روپیہ دے کر ان کی کمائی کو ''غلہ'' کی شکل میں دست بُرد کرتا اور ان سے اَرزاں نرخ پر خرید کر کھیتوں (غلے کے خزانوں) میں بھر رکھتا ہے اور اس طرح اَرزانی و گرانی (سستی اور مہنگی) کا کفیل (ذمہ دار) بن جاتا ہے، یہ ''احتکار'' کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

اس گروہ کے اس عمل سے کاشت کار اور عوام الناس جس قدر پریشان ہوتے اور بعض موسموں میں اقتصادی بدحالی کے شکار بنتے ہیں، اس کا اندازہ ہندوستان کے باشندوں کے سامنے شاہدِ عدل ہیں۔ سودی لین دین کے بعد اگر کوئی معاملہ عام بدحالی کا باعث ہے تو وہ یہی تجارتی کاروبار ہے جو اَجناس و اشیا کے احتکار کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

www.rahimia.org

احتکار کی دوسری صورت؛ قِمار یا سَٹّہ

''احتکار'' کی دوسری جزئی ''قمار'' ہے۔اس سے ہماری مراد صرف ''جوئے'' کی وہ عام شکل نہیں ہے، جو نقد کے ذریعہ کھیلا جاتا ہے، بلکہ وہ تمام صورتیں اس میں شامل ہیں جو تجارت کے نام سے کی جاتی ہیں، لیکن حقیقت میں قمار ہی کی قسمیں کہلاتی ہیں، مثلاً ''سٹہ''۔آپ اگر کاروبار سے واقف ہیں تو اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ ''تجارتی جوا'' ملک کے اقتصادی نظام کو کس طرح تباہ اور پراگندہ کرتا ہے اور بغیر محنت نفع حاصل کرنے کے لالچ میں کس طرح ہزاروں گھروں کو خانماں برباد (تباہ و برباد) کر کے چھوڑتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں اس کی بہت سی شکلیں رائج تھیں، مثلاً :

1۔''مُلامَسہ'' 2۔''مُنابَذہ'' 3۔''بیعِ حِصاۃ'' وغیرہ۔

''مُلامَسہ'' کا طریقہ یہ تھا کہ بائع و مشتری کے درمیان یہ طے ہو جاتا تھا کہ بغیر دیکھے اور حقیقت معلوم کیے ہوئے مشتری جس کپڑے یا شئے کو چُھو دے گا، وہ اس کا مالک ہے۔

اور ''مُنابَذہ'' میں یہ طے ہوتا تھا کہ جو کپڑا یا شئے بائع' مشتری کی جانب پھینک دے گا، وہ بغیر معاملے کے مشتری کی چیز سمجھا جائے گا۔

اور ''بیعِ حِصاۃ'' یہ ہوتی تھی کہ متعدد اشیا فروخت کے نام سے رکھ دی جائیں اور لوگ ٹھیکری' یا اسی قسم کی کسی شئے کو ان کی طرف پھینکیں۔جس چیز کو وہ ٹھیکری چُھو جائے۔ خواہ وہ کسی قیمت کی ہو۔ مشتری کی ملکیت ہو جائے گی۔

موجودہ دورِ ترقی کے مہذب تجارتی جوئے، لاٹری اور ریس سب اسی قسم کے معاملات میں داخل ہیں۔

اسلام ان کو ''مَیسِر''(یعنی) قمار اور جُوّا قرار دیتا ہے اور اس قسم کے تمام معاملات کو بااُصول تجارت کے لیے تباہ کن سمجھتا ہے اور معاشرتی تباہی کا پیش خیمہ یقین کرتا ہے اور ان باتوں کے علاوہ سوسائٹی کے اَخلاق اور کیرکٹر کے لیے باعثِ ذِلت و رُسوائی جانتا ہے۔کیوں کہ یہ معاملات اکثر جنگ و جدل کا باعث بنتے ہیں۔مواسات (باہمی

www.rahimia.org

خیرخواہی) اور رواداری، ہمدردی اور مروّت کو تباہ اور دوسرے کی تباہی میں اپنا فائدہ سمجھنے کی ترغیب دے کر انسانی جوہر کو برباد کرتے ہیں۔

ارشاداتِ خداوندی ہیں:

(1) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ (126)

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! وہ آپ سے شراب اور قمار کی بابت پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجیے ان دونوں چیزوں میں بہت بڑا گناہ ہے۔)

(2) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (127)

(بلاشبہ شراب، جوا، بت، پانسے، یہ سب سرتا سر نجاست ہیں اور کارِ شیطان ہیں۔ پس تم ان سے بچو!)

(3) اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ (128)

(بلاشبہ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی راہ سے تمھارے درمیان بغض و عداوت قائم کردے اور تم کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پس کیا تم ان برائیوں سے باز رہو گے!؟)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی۔ رحمۃ اللّٰہ علیہ۔ اس قسم کے معاملاتِ قمار کی مضرت کی حکمت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور بساطِ ارض پر ان کی معاش کا انتظام فرمایا اور اس سے نفع حاصل کرنے کا ان کو موقع بہم پہنچایا تو انسانوں کے درمیان جنگ و جدل اور کشمکش بپا ہوگئی۔ تب خدا تعالیٰ کے قانون کا یہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص ذاتی محنت، وراثت یا دوسرے کسی جائز اور صحیح طریق سے کسی چیز کا مالک ہے، اس کی چیز میں دوسرا کوئی شخص مزاحمت اور کشمکش کا حق دار نہیں

www.rahimia.org

ہے، البتہ دوسرے کو بدل (Substitute or Compensation) کے ذریعے خریداری اور معتبر وصحیح رضا مندی کے ساتھ معاملت (Dealing) سے اس چیز کو حاصل کرنے کا حق ہے۔ بشرطیکہ خرید وفروخت کرنے والوں کے درمیان اس معاملے کا علم و یقین ہو اور فریب، چال بازی اور دغل فصل (Hush - Hush Corruption) کا اس میں ہرگز کوئی شائبہ نہ ہو۔

اور جب کہ انسان مدنی الطبع (Social Being) ہے اور اس کی معیشت باہمی تعاون کے بغیر ناممکن ہے تو حق تعالیٰ نے باہمی تعاون و معاونت کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ پس اگر کوئی معاملہ اس طرح کیا جائے جس میں نہ صحیح بدل موجود ہو اور نہ باہمی تعاون پایا جاتا ہو، بلکہ دوسرے کو نقصان دے کر نفع حاصل کرنا متصور ہو، جیسے ''قمار''، یا اس میں صحیح رضامندی موجود نہ ہو جیسے ''سود''، تو یہ تمام طریقے باطل اور ظلم ہیں اور ایسے معاملات ناجائز اور حرام ہیں''(129)۔

بہرحال اسلام کے اقتصادی نظام میں اس قسم کے تمام تجارتی کاروبار کے لیے مطلق کوئی جگہ نہیں ہے، جو یا صریح ''قمار'' ہوں، اور یا ان کی تہہ میں مالی ترقی کا وہی جذبہ کارفرما ہو جو ''قمار'' میں پایا جاتا ہے۔ اور اگر علم الاقتصاد اور علم الاخلاق دونوں کے ماہرین سے اس بارے میں دریافت کیا جائے تو بغیر کسی اختلاف کے وہ بھی یہی رائے دیں گے، بلکہ رائے دے چکے ہیں کہ ''قمار'' کی قسم کے تمام معاملات اجتماعی زندگی اور سوسائٹی کے لیے تباہ کن ہیں(130)۔ بہرحال احتکار کی یہ دوسری قسم ہے جو اس لیے ممنوع ہے کہ یہ بھی دولت اور سرمایہ کو بعض افراد یا گروہ میں مخصوص کر دینے کا باعث بنتی اور ایک کو تباہ و برباد کر کے دوسرے کے فائدے کی صورت نکالتی ہے۔ اور یہ اَخلاق اور انسانیت کی نگاہ میں سب سے بڑا جرم اور سوسائٹی کی نظر میں ناقابلِ معافی گناہ ہے۔

احتکار کی سب سے معلون قسم ''سودی لین دین'' ہے۔ جس اقتصادی نظام میں اس کا عمل دخل ہے، وہ یکسر برباد اور تباہ ہے۔ یہ کروڑوں انسانوں کو مفلس ومحتاج بنا کر ایک مخصوص طبقے میں دولت کو سمیٹتا اور ان کو اس کا واحد اجارہ دار بنا دیتا ہے۔(131)

www.rahimia.org

چوتھا اُصول

سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن

(A Fair Balance between Capital and Labour)

قرآنی نقطۂ نظر سے معیشت کا چوتھا اُصول فاسد نظامِ معیشت کا انسداد اور سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن قائم کرنا ہے۔ خرید و فروخت اور لین دین کے معاملات میں کوئی ایسا معاملہ جائز نہیں، جس سے فاسد نظامِ معیشت بروئے کار آئے، یا اس کو کسی قسم کی بھی اعانت پہنچے، یا محنت اور معیشت کے لیے جائز جد و جہد بے حقیقت ہو کر رہ جائے اور اس طرح محنت اور سرمایہ کے درمیان اعتدال اور توازن باقی نہ رہے۔ اسی لیے اس نے رِبا (سود) کے ہر قسم کے تجارتی کاروبار قمار (جوا) کی تمام ظاہری و خفی اقسام و اَصناف، اِحتکار و اِکتناز کی تمام اَشکال اور اسی طرح کے عقودِ فاسدہ کی دوسری تمام صورتوں کو ناجائز اور مردود قرار دیا اور معاملات کے کسی شعبے میں بھی ''فاسد معاشیات'' کو دخیل اور بروئے کار نہیں آنے دیا اور دوسرے شعبوں کی طرح معاملات کے اس شعبے میں بھی عدل وانصاف ہی کو اساس و بنیاد قرار دیا ہے:

چناں چہ (قرآن حکیم کی) حسبِ ذیل تصریحات اس کی شاہد ہیں:

(1) اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (132)

(اللہ نے خرید و فروخت کے معاملات کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام کردیا ہے۔)

(2) یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ (133)

(اللہ تعالیٰ سودی کاروبار کو مٹاتا ہے اور صدقات وخیرات کو ترقی دیتا ہے اور اللہ

www.rahimia.org

تعالیٰ کسی ناشکر گزار گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔)

(3) إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ (134)

(بے شک شراب، جوا، بت اور پانسے ناپاک ہیں، کارِ شیطان ہیں، پس ان سے بچو!)

(4) وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ﴿١﴾ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ﴿٢﴾ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿٣﴾ (135)

(خرابی ہے کمی کرنے والوں کے لیے۔ان لوگوں کے لیے کہ جب ماپ تول کر لیں تو لوگوں سے تو پورا پورا بھر لیں اور جب ان کو ماپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔)

(5) وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ﴿١١٢﴾ (136)

(اور تول کر دو برابر وزن کے ساتھ!)

(6) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ (137)

(اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل (ناجائز طریقہ) سے نہ کھاؤ، ہاں اگر آپس کی رضا مندی سے تجارت ہو تو اس طرح کھا سکتے ہو (گویا ہر شخص اپنے حصے کے مطابق اپنا حق لے۔)

اسلام کا اقتصادی نظام؛ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی نظر میں

چناں چہ حضرت شاہ ولی اللہ (دہلوی –نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهٗ–) "حُجَّةُ اللّٰه البالغه" میں اسی اساسی اصول کی روشنی میں "باب من أبواب ابتغاء الرّزق" کے عنوان سے حسبِ ذیل نہایت پُرشوکت اور مدلل مضمون تحریر فرماتے ہیں:

1۔ محنت کی عظمت و اہمیت

"یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور زمین میں ان کی

www.rahimia.org

معاشی حیات (Economic Life) کے لیے سب کچھ سامان فراہم کر دیا اور ان سب کو سب کے لیے مباح (Permissible) اور عام (Common) کر دیا تو ان سے متمتع ہونے میں مخلوقات کے درمیان مزاحمت اور مناقشت (Resistance & Conflict) شروع ہوگئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ:

(الف) جب کوئی شخص (محنت و مشقت کرکے) سبقت اور پہل کرکے کسی (قدرتی) شئے کو اپنے قبضے میں کرلے،

(ب) یا مورث (نے محنت کی اور اس) کے قبضے کی وَجہ سے اس کی وراثت میں آجائے،

(ج) یا ان کے علاوہ ایسے دوسرے طریقوں سے اس کا قبضہ ہو جائے ــ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز طریقے قرار پاچکے ہیں ــ تو ایسی صورت میں اب کسی دوسرے شخص کو اس کی (حاصل کردہ) مقبوضہ (Possessed Owned) شئے میں مزاحمت کا حق نہیں ہے۔

البتہ دوسرے کی مقبوضہ شئے کو حاصل کرنے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ:

(i) یا خرید و فروخت اور لین دین کے ذریعے تبادلے (Exchange) کی شکل پیدا کرے،

(ii) یا معتبر طریقوں سے باہمی رضامندی کا معاملہ اس طرح انجام پا جائے کہ ہر دو جانب میں اس کے متعلق صحیح علم ہو اور اس معاملے میں نہ اِلتباس (دونوں طرف سے کوئی اُلجھاؤ) اور دھوکے کا دخل ہو اور نہ خلط ملط کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

2۔ اجتماعی اور معاشی زندگی میں تعاونِ باہمی کی اہمیت

نیز جب کہ انسان مدنی الطبع (فطری طور پر اجتماعیت پسند) واقع ہوئے ہیں تو ان کی معاشی زندگی باہمی تعاون و اشتراک کے بغیر ناممکن ہے۔ لہٰذا:

www.rahimia.org

(الف) اللہ تعالیٰ نے تعاون اور باہمی اشتراکِ عمل کو واجب کر دیا

(ب) اور یہ بھی لازم قرار دیا کہ کسی فرد کو بھی ایسے امور سے کنارہ کش ہونے کا حق حاصل نہیں ہے، جو تمدن میں دخیل (شامل) ہیں، مگر یہ کہ کسی شخص کو بعض مجبور کن حالات ایسا کرنے پر مجبور کر دیں۔

3۔معیشت کے حصول کے بنیادی اسباب؛ زراعت، تجارت اور صنعت

نیز اسبابِ معیشت کے ''اسباب'' بننے میں اصل الاصول یہ ہے کہ:

(الف) اموالِ مباح (قدرتی وسائل) (Permissible Properties & Goods) میں سے کسی شئے کو اپنے قبضے میں لیا جائے،

(ب) یا ان اموالِ مباح کے وسیلے سے جو کہ (محنت کر کے) مالی ترقی کا ذریعہ بنا کرتے ہیں، اپنے مقبوضہ اور مشخّصہ مال (Private Property) کو ترقی دی جائے۔مثلاً:

(i) چرائی (کی محنت) کے ذریعے سے چوپایوں کی افزائشِ نسل (Breeding of Race) کرنا،

(ii) یا زمین کی درستی اور پانی کی سیرابی کے ذریعے سے زراعت و کاشت کاری کرنا،

لیکن مالِ مباح (قدرتی اشیا) کو اپنے لیے خاص کرنے یا دوسرے مباح اموال کو اپنے مال کی ترقی کا ذریعہ بنانے میں شرطِ اوّلین یہ ہے کہ یہ تصرفات اس طرح عمل میں نہ آنے پائیں کہ ایک فرد دوسرے فرد کے لیے معاشی ذرائع کی تنگی اور ضیق کا باعث بن جائے اور اس طرح تمدن کو فاسد اور برباد کر دے''(138)۔

(یعنی جب کہ حلال وسائلِ معاش سب کے لیے یکساں طور پر مباح الاصل (اصل میں سب کے لیے جائز) (Originally Permissible) ہیں تو اب کسی شخص کو اپنی شخصی

www.rahimia.org

معاش کے لیے اسی قدر اس میں تصرف اور دعویٰ ملکیت جائز ہے کہ اس کا یہ عمل دوسروں کی معاشی زندگی کی پریشانی کا باعث نہ بن جائے اور اس کی دولت مندی دوسروں کے افلاس اور فقر و فاقہ کا سبب نہ ثابت ہو۔)

4۔ بغیر تعاونِ باہمی کے کسی ملک وقوم کی حالت درست نہیں ہوسکتی

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ مزید فرماتے ہیں:

''پھر یہ بات بھی پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ اگر ''معاشی معاملات'' میں لوگوں کے درمیان باہمی تعاون واشتراکِ عمل کے ذریعے مالی ترقی ونمو بروئے کار نہ آئے تو تمدن کا صالح اور صحیح رہنا دشوار سے دشوار تر ہو جائے گا، یعنی: لوگوں کے مالوں میں معاشی تعاونِ باہمی کے ذریعے اقتصادی ترقی کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر کسی ملک اور قوم کی حالت انتہائی مشکل اور ناممکن ہوتی ہے۔ (معاشی ترقی کے درجِ ذیل طریقے ہیں:)

(1) مثلاً: ایک چاہتا ہے کہ وہ تجارتی مال کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جائے اور ایک معین مدت کے لیے وہ اس ایاب و ذہاب کی گارنٹی چاہتا ہے (یعنی تجارت کو ذریعہ معاش بناتا ہے)۔
(جدید معاشی اصطلاح کے مطابق: ''افادۂ مقام کی محنت'')

(2) یا مثلاً: ایک دوسرا شخص اپنی عملی جدوجہد کے ذریعے دوسروں کے مال کی دلالی کرتا ہے (یعنی محنت کو ذریعہ معاش بناتا ہے)۔
(معاشی اصطلاح کے مطابق: ''حفاظتِ اشیا کی محنت'')

(3) یا ایک تیسرا شخص اپنی نئی نئی پسندیدہ ایجادات کے ذریعے دوسروں کے مال کو بیش قیمت اور بہتر بناتا ہے (یعنی صنعت وحرفت کو وسیلۂ معاش بناتا ہے) (معاشی اصطلاح کے مطابق: ''افادۂ شکل'')

(4) اور اس طرح دوسرے جائز طریقے اختیار کرتا ہے (تو ان سب صورتوں

www.rahimia.org

میں تعاون کے بغیر معاشی زندگی میں استواری پیدا نہیں ہو سکتی)

بہر حال ان تمام معاملات میں صحیح تعاون واشتراکِ عمل ضروری اور واجب ہے۔ اور اگر یہ مالی ترقی ایسے طریقے سے کی جائے کہ اس میں سِرے سے تعاون کا کوئی دخل ہی نہ ہو، جیسا کہ قمار (جوا) کا کاروبار یا ایسے طریقے سے عمل میں آئے کہ بہ ظاہر تو تعاون نظر آتا ہو، لیکن حقیقت میں وہ زبردستی کا تعاون ہو، حقیقی تعاون نہ ہو، جیسا کہ مثلاً رِبا (سود) کا کاروبار۔

مجبور محنت کش کی رضا مندی' حقیقی رضا مندی نہیں ہے

اس لیے کہ یہ بات بہت صاف ہے کہ ایک مفلس اور نادار اپنی معاشی پریشانیوں کی وَجہ سے اپنے ذمہ ایسی ذمہ داریوں کو لینے کے لیے مضطر و مجبور ہو جاتا ہے، جن کو پورا کرنے کی اپنے میں طاقت نہیں پاتا اور اس کی اس قسم کی رضا مندی ہرگز رضا مندی نہیں کہلائی جاسکتی۔

پس اس طرح کے کاروبار نہ پسندیدہ اور نہ ہی جائز معاملات کہلائے جاسکتے ہیں اور نہ ان کو معاشیات کے اسبابِ صالحہ کہا جاسکتا ہے۔ بلاشبہ اس قسم کے تمام معاملات حکمتِ تمدن کی نگاہ میں باطل اور ظلم ہیں"(139)۔

ولی اللّٰہی معاشی تعلیمات کے بنیادی نکات

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اس عبارت سے صرف اس آخری اصول ہی پر روشنی نہیں پڑتی، بلکہ اصول چہارگانہ:

(1۔ حقِ معیشت میں مساوات

2۔ درجاتِ معیشت میں فطرتی تفاوت

3۔ احتکار و اکتناز کی ممانعت

4۔ سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن)

www.rahimia.org

کی ایک جامع اور مبسوط تفصیل سامنے آجاتی ہے، یعنی:

1۔حقِ معیشت میں برابری

معیشت میں فطری تفاوتِ درجات کے باوجود تمام مخلوق یکساں اور برابر ہے، یعنی حقِ معیشت میں برابر ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے تمام معاشی وسائل میں زمین اور پیداوارِ زمین کو سب کے لیے مباح الاصل (Originally Permissible) پیدا کیا ہے۔ اور تعیین وتشخیص (Determination & Specification) جائز قبضے سے ہی وجود میں آتی ہے۔

2۔معاشی تنگی پیدا کرنا ناجائز ہے

کسی فرد کو ان اموالِ مباح میں اسی قدر اور اسی طریق سے قبضہ و تصرف (Possession & Utlization) جائز ہے کہ اس سے دوسرے فرد کے لیے معاشی ضیق (تنگی) کے اسباب پیدا نہ ہو جائیں۔

3۔تعاونِ باہمی ضروری ہے

نیز معاشی معاملات میں ''باہمی تعاون و اشتراکِ عمل'' (Mutual - Co - Operation & Parnership) واجب اور ضروری ہے۔

4۔صحیح طریقوں پر تعاونِ باہمی جائز ہے

اور یہ تعاون ایسے صحیح اور صالح طریقوں پر مبنی ہونا چاہیے کہ اس سے نظامِ تمدن میں ابتری نہ پھیل جائے، یعنی ان کے ذریعے معاشی معاملات میں ایک دوسرے کو مدد ملے نہ کہ ایک کا فائدہ دوسرے کی مضرت (اور نقصان) پر موقوف ہو۔

5۔صالح معاشی نظام خدا کا حکم ہے

اور یہ جب ممکن ہے کہ کائنات میں ایک ''صالح معاشی نظام'' موجود ہو، جو خدائے

www.rahimia.org

تعالیٰ کے حکم اور منشا کو پورا کرتا ہو۔

6۔تعاونِ باہمی کے بغیر تمام معاملات ناجائز ہیں

پس اس ''صالح معاشی نظام'' میں وہ تمام معاملات ناجائز اور حرام ہیں، جن میں تعاونِ باہمی کا مطلق دخل ہی نہ ہو، بلکہ ایک فرد کی تباہی اور مضرت (نقصان) پر جو دوسرے فرد کی مالی منفعت کا مدار ہو، جیسا کہ قمار (جوا) خواہ وہ غیر مہذب طریقوں سے عمل میں آئے، یا سٹہ اور لاٹری وغیرہ مہذب طریقہ ہائے تجارت کے ذریعے سے ہو۔

7۔معاملات میں زبردستی کا تعاون اور رضامندی ناجائز ہے

وہ معاملات بھی ناجائز اور حرام ہیں، جن میں بہ ظاہر اگرچہ باہمی رضامندی اور تعاون نظر آتا ہو، لیکن اس کی تہہ میں زبردستی کے سوا اَور کچھ نہ ہو۔ جیسا کہ مثلاً ربوٰ (سودی لین دین) اور ایسے تمام اجارات و معاملات (Hires & Dealings)، جن میں ایک جانب سرمایہ دار کا ''سرمایہ'' (Capital) ہے اور دوسری جانب ایک مفلس و نادار (محنت کش) کی (مجبوری اور) اضطراری ضرورت ہو۔ سرمایہ دار مفلس کے افلاس اور اس کی اضطراری حاجت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اجارہ (Rent)، رہن (Pledge) اور دوسرے معاملاتِ لین دین میں اس سے ایسی شرائط منظور کرالیتا ہے، جو انصاف اور عدل کی نگاہ میں کسی طرح جائز نہیں تھیں، مگر مفلس کے افلاس اور ضرورت مند کی ضرورت نے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کردیا۔

8۔ایک مخصوص طبقے کی اجارہ داری ناجائز ہے

پس اس قسم کے تمام معاملات اگرچہ باہمی رضامندی سے بھی طے پاجائیں، تب بھی اسلام اور خدائے کائنات کے نزدیک باطل اور ظلم ہیں۔ اور ''صالح معاشی نظام'' میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ خواہ ان کے ظاہری فائدے کتنے ہی خوش گوار کیوں نہ ہوں۔ اس لیے کہ اس قسم کے کاروبار کا آخری نتیجہ عوام کی فلاکت (بدحالی) و افلاس اور ایک

www.rahimia.org

مخصوص طبقے کی اجارہ داری کے سوا اَور کچھ نہیں ہے۔اس لیے:

(الف) یہاں مہاجنی سود (Usury) کا کاروبار بھی ملعون ہے۔

(ب) اورسودی بینکوں کا (Interst) سسٹم بھی مذموم ومطرود (مردود) ہے۔

(ج) اور یہاں مستاجروں (Employers / Renters) کے وہ تمام طریقہ ہائے تجارت بھی حرام ہیں، جن میں اجیر (Employee) کے جائز اور عادلانہ اُجرت و حقوق کی حق تلفی ہو اور اس کے اضطرار اور پریشان حالی سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔

(د) اوراجیر (مزدور) کی وہ خیانت بھی ناجائز جس سے صاحبِ سرمایہ کو ناحق نقصان پہنچانے کی سعی کی جائے۔

اسلام کے اقتصادی نظام کی جامعیت

بہرحال ''معاشی نظام سے متعلق'' ان آیات میں قرآنِ عزیز نے جن نصوصِ قطعیہ کو بیان کیا ہے، اور معجزانہ بلاغت (Succinct) اور حکیمانہ اسلوب کے ساتھ رہنمائی فرمائی ہے، اسلام کا معاشی نظام انھی نوَامیسِ الٰہی (اللہ کی کتاب اوراحکامات/ Revelations of Allah) کی شرح وتفسیر ہے۔ پس (اس کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' کے) آئندہ صفحات میں جو کچھ بھی سپردِ قلم ہوگا، وہ صرف ان ہی حقائق کی تفصیلات ہوں گی کہ یہی درحقیقت ''صالح معاشی نظام'' کے لیے بہترین دلیلِ راہ ہیں اوراس کے وجود کے ضامن اور کفیل۔

اب ان تفصیلات سے یہ بہ خوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ''معاشی نظام'' کا جو اساسی مقصد ہے، اس کو کامیاب بنانے کے لیے ''اسلام کے اقتصادی نظام'' کے علاوہ دوسری کوئی راہ نہیں ہے۔ یہاں (اسلام کے اقتصادی نظام میں:)

(الف) مارکسزم (اشتمالیت) کی طرح مذہبی انارکی بھی نہیں ہے اورطبقاتی جنگ بھی موجود نہیں، بلکہ ایک عالمگیر اخوت کا غیر فانی اعلان ہے۔

www.rahimia.org

(ب) اور سرمایہ دارانہ نظام کی طرح دولت و وسائلِ دولت کو سمیٹ کر مخصوص طبقے کے حوالے کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے، تاکہ باطل اور ظلم کی بنیادیں کسی حالت میں بھی اپنے قدم نہ جما سکیں اور دنیائے انسانی کے کسی ایک فرد کو بھی اپنی معاشی حیات میں انسانوں کے ہاتھوں میں ضیق اور تنگی پیدا نہ ہو۔

اب یہ ہمارا کام ہے کہ معاشیات کی علمی کاوشوں اور فنی بحثوں سے مرعوب ہوکر اس جال میں نہ پھنس جائیں، جس نے اَور سب کچھ تو کیا، مگر انسانی دنیا کو امن و سلامتی اور عام خوش حالی و رفاہیت سے کبھی روشناس نہ ہونے دیا اور اس طرح اپنی بدبختی پر اپنے ہاتھ سے مہر لگالی اور یا اس سادہ مگر امن وسلامتی کے شاہکار اسلام کے اقتصادی نظام کو اپنا قائد بنالیں کہ دوست اور دشمن دونوں آج تک اس کی ہمہ گیر اخوت و پیامِ مساوات اور عام معاشی خوش حالی و رفاہیت کے معترف ہیں۔

☆

www.rahimia.org

مقالہ

3

چہل (۴۰) حدیث کی روشنی میں معاشی محنت کی اہمیت و عظمت

ترتیب و تدوین و ترجمہ
مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

www.rahimia.org

الف: مقدمہ

☆ دینِ اسلام کا ایک اہم شعبہ؛ نظامِ معاشیات

☆ انسانی حاجات وضروریات کا الٰہی نظام

☆ قرآنی نقطۂ نظر سے محنت کی اہمیت

☆ احادیثِ نبوی ﷺ محفوظ رکھنے کی اہمیت

☆ مجموعہ ہائے چہل (۴۰) احادیث کا تسلسل

☆ دور کے مطابق چہل حدیث کی اہمیت

☆ اس مجموعے کی ترتیب وتدوین کا موقع

ب: چہل (۴۰) حدیث

www.rahimia.org

چہل (۴۰) حدیث کی روشنی میں
معاشی محنت کی اہمیت وعظمت

مقدمہ

الحمدُ لِلّٰہ ربّ العالَمین، و الصّلوٰۃ و السّلام علٰی سیّد الأنبیاء و المرسَلین، الّذی بُعِثَ إلی النّاسِ رحمةً لِّلعالَمین، و علٰی عباد اللّٰہ الصّالحین، الّذین قاموا دینَ ربِّ العالَمین.

أمّا بعد !

دینِ اسلام کا ایک اہم شعبہ: نظامِ معاشیات

حضور اقدس ﷺ انسانیت کے وہ عظیم ترین رہنما ہیں کہ جنھوں نے انسانی معاشروں کی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے ایک کامل اور مکمل نظامِ زندگی عطا کیا ہے۔ دینِ اسلام کا یہ عالمی نظام انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی دیتا ہے۔ انسانی معاشروں کے لیے جن بنیادی دائروں میں ترقی کی ضرورت ہوتی ہے، اُن میں ایک اہم ترین شعبۂ نظامِ معاشیات ہے۔ انسان چوں کہ احتیاجات اور ضروریات کا محتاج ہے، اس کرۂ ارض پر زندگی بسر کرنے کے لیے بہت سی ضروریات اس کے پیشِ نظر ہوتی ہیں، ہر دَم اُسے کوئی نہ کوئی معاشی حاجت اور ضرورت درپیش رہتی ہے، ان احتیاجات کو پورا

www.rahimia.org

کرنے کے لیے وسائلِ معاش کی ضرورت ہوتی ہے۔

انسانی حاجات وضروریات کا الٰہی نظام

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس کرۂ ارض پر قدرتی وسائلِ معاش رکھے ہیں۔ ان میں انسان اپنی محنت و مشقت سے ایسی افادیت (Utility) پیدا کرتا ہے، جس سے انسان کی کوئی نہ کوئی حاجت اور ضرورت پوری ہوتی ہے۔ حقیقت میں انسانی ضروریات واحتیاجات کیا ہیں اور اُنھیں پورا کرنے کے لیے زمین کے قدرتی وسائل میں انسانی محنت ومشقت کی کیا اہمیت ہے؟ اسے بھی نبی اکرم ﷺ کی احادیث میں بہ خوبی واضح کیا گیا ہے۔ اس طرح نبی اکرم ﷺ نے انسانوں کی معاشی ضروریات اور انھیں پورا کرنے کے لیے وسائلِ معاش کے حصول کے لیے کی جانے والی محنت و مشقت کے حوالے سے ایک مکمل عادلانہ نظامِ معاشیات عطا کیا ہے۔

قرآنی نقطۂ نظر سے محنت کی اہمیت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ (140) (تحقیق ہم نے بنایا آدمی کو محنت میں)۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنایا کہ اسے محنت و مشقت کرنی ہے۔ اسی کے ذریعے سے اسے اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے رزق حاصل ہونا ہے۔ اس آیت سے معاشیات سمیت زندگی کے تمام شعبوں میں انسانی محنت کے عمل دخل کی نوعیت اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ محنت کی اسی اہمیت اور اس کے حقیقی کردار کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث کی صورت میں بیان فرمایا ہے۔

احادیثِ نبوی ﷺ محفوظ رکھنے کی اہمیت

دینِ اسلام کی تعلیمات میں جیسے کتابِ مقدس قرآن حکیم کی عظمت اور اہمیت ہے،

www.rahimia.org

ایسے ہی نبی اکرم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ کو یاد کرنے اور انھیں اُمت تک منتقل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان میں بڑی ترغیب دی ہے:

عن زید بن ثابت رضی اللّٰہ عنه قال: سمعتُ رسولَ اللّٰه ﷺ یقول: "نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِیثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰی یُبَلِّغَهُ غَیْرَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰی مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَ رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَیْسَ بِفَقِیهٍ"(141)۔

(حضرت زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: "اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو مجھ سے کوئی حدیث سنے پھر اسے یاد رکھ کر اسے دوسروں کو پہنچا دے، کیوں کہ بہت سے احکامِ شرعیہ کا علم رکھنے والے اس علم کو اُس آدمی تک پہنچا دیتے ہیں، جو اس سے زیادہ ذی علم اور عقل مند ہوتے ہیں۔ اور بہت سے شریعت کا علم رکھنے والے علم تو رکھتے ہیں، لیکن فقیہ نہیں ہوتے"۔)

اس فرمانِ نبوی ﷺ سے احادیث کی جمع و تدوین اور اُس کے حفظ کرنے اور اُمت تک منتقل کرنے کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے علمائے اُمت نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق آپؐ کی احادیث کی جمع و تدوین کا کام کیا ہے۔

مجموعہ ہائے چہل (۴۰) حدیث کا تسلسل

مختلف انداز میں احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ چناں چہ احادیث کے ذخیروں میں مختلف عنوانات کے تحت "اربعین" (چہل (۴۰) حدیث) جمع کرنے کا طریقہ شروع اسلام کے زمانے سے جاری ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی دس کے قریب طُرق اور اَسانید کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا کہ:

"مَنْ حَفِظَ عَلٰی أُمَّتِیْ أَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا فِیْ أَمْرِ دِیْنِهَا، بَعَثَهُ اللّٰهُ

www.rahimia.org

تَعَالٰی فَقِیْهًا وَ کُنْتُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شَافِعًا وَ شَهِیْدًا"[142].

(جس نے میری اُمت کے دینی اُمور میں اُمت کے لیے چالیس حدیثیں یاد کیں، تو اللہ تعالیٰ اُسے فقیہ یعنی دینی شعور رکھنے والے فرد کے طور پر اُٹھائے گا۔ اور میں قیامت کے دن اُس کے لیے سفارش کرنے والا اور اُس کا گواہ ہوں گا۔)

چناں چہ "اربعین" (چہل حدیث) کا غالباً سب سے پہلا مجموعہ وہ ہے، جو مشہور تابعی اور امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذِ رشید حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (متوفی ۱۸۱ھ) نے مرتب کیا تھا۔ ان کے بعد امام دار قطنیؒ (متوفی ۳۳۵ھ)، امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکمؒ (متوفی ۴۰۵ھ) صاحبِ "مستدرک حاکم"، امام ابونعیم اصفہانیؒ (متوفی ۴۳۰ھ)، امام ابوبکر بیہقیؒ (متوفی ۴۳۰ھ)، حافظ ابنِ عساکرؒ (متوفی ۴۷۱ھ)، امام شمس الدین جزریؒ (متوفی ۸۳۳ھ)، امام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (متوفی ۸۵۲ھ) اور امام یحییٰ بن شرف الدین نوویؒ (متوفی ۶۷۶ھ) کی "اربعین نووی" تو بہت ہی مشہور ہے۔ آخر زمانے میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) نے بھی چہل حدیث جمع کی ہیں۔ اور آج تک علما کا اس حوالے سے ایک تسلسل رہا ہے۔

دور کے مطابق چہل حدیث کی اہمیت

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے اپنے ایک مقالے میں یہ تحریر فرمایا تھا:

"آج کا دور سیاسی، معاشی اور مختلف نظریات کی سیاستوں اور معاشی فلسفوں کے غلبے کا دور ہے۔ مذہب بن رہے ہیں تو سیاسی، معاشی؛ پارٹیاں بن رہی ہیں تو سیاسی؛ مسائل پیدا ہورہے ہیں تو سیاسی اور معاشی۔ ان حالات میں جب تک کسی دینی مسئلے کو سیاسی چاشنی کے ساتھ پیش نہ کیا جائے، تو وہ عوام کے لیے قابلِ التفات نہیں ہوتا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ان مسائل کو حل

www.rahimia.org

کرنے کے لیے اسلام کو سیاسی اور معاشی رنگ کے دلائل سے پیش کیا جائے"[143]۔

اس تناظر میں راقم سطور نے معاشیات کے حوالے سے ایک مقالہ ''دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و اہمیت'' کے عنوان سے تحریر کیا تھا۔

اس مجموعے کی ترتیب و تدوین کا موقع

قرآنی اصولِ معاشیات میں اہم اُصول ''سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن'' ہے۔ دینی نقطہ نظر سے معاشی محنت کی قدر و عظمت معلوم کیے بغیر اس اُصول کی صحیح تفہیم ممکن نہیں۔ لہٰذا راقم سطور کے پیشِ نظر ہمیشہ یہ بات رہی کہ کیوں نہ معاشی محنت کی اہمیت کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی چالیس احادیث جمع کی جائیں۔

اس کا موقع اُس وقت ملا جب راقم سطور 1990ء میں اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے حکم پر قیامِ رمضان المبارک کے لیے خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور (انڈیا) حاضر ہوا۔ رمضان المبارک کے بابرکت اوقات میں خانقاہی معمولات سے فارغ ہو کر حضرت عالی رائے پوریؒ کے قائم کردہ خانقاہِ رائے پور کی لائبریری سے استفادہ کرتے ہوئے معاشی محنت کی اہمیت پر چالیس احادیث جمع کی۔ پھر بعد میں ان کے اُردو ترجمے اور عنوانات قائم کیے۔

ان احادیث کے مطالعے سے نبی اکرم ﷺ اور جماعتِ صحابہؓ کے معاشی طرزِ فکر و عمل کی نشان دہی ہوتی ہے اور دینی نقطہ نگاہ سے مزدوروں، کسانوں اور انسانی ترقی کے لیے ذہنی، جسمانی اور انتظامی محنت کرنے والے افراد کی عظمت کا ثبوت ملتا ہے۔ سرمایہ پرستی کے اس ماحول میں جہاں سرمایہ داری نظام کے سبب ''سرمایہ'' ہی کو ''اصل'' قرار دے دیا گیا اور معاشی محنت کی بے توقیری کی جاتی ہے، یہ چالیس احادیث اس طرزِ عمل کی نفی کرتیں اور دین کے معاشی نظام میں معاشی محنت کی عظمت اور اہمیت اُجاگر کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ اسلام کی حقانی تعلیمات کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

www.rahimia.org

چہل (۴۰) حدیث

حدیث : 1

(اپنے ہاتھ سے کمایا ہوا مال سب سے بہتر ہوتا ہے)

عَنُ الُمِقُدَامِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنُهُ، عَن رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:
"مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيُرًا مِنُ أَنُ يَأُكُلَ مِنُ عَمَلِ يَدِهِ، وَ إِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ دَاوُدَ عَلَيُهِ السَّلَام، كَانَ يَأُكُلُ مِنُ عَمَلِ يَدِهِ"[144].

(حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:
"اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے۔ اور حضرت داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اللہ کے نبی تھے، اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔")

حدیث : 2

(نبی اکرم ﷺ نے اہلِ مکہ کی بکریاں چرائیں)

عَنُ أَبِی هُرَيُرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنُهُ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ:

www.rahimia.org

"مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ"، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟ فَقَالَ: "نَعَمْ ! كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ"[145].

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

اس پر آپؐ کے صحابہؓ نے پوچھا: کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا کہ:

"ہاں! کبھی میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کے عوض چرایا کرتا تھا"۔)

حدیث : 3

(حضورؐ نے حضرت خدیجہؓ کے لیے مزدوری کی)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :

"آجَرْتُ نَفْسِيْ مِنْ خَدِيْجَةَ سَفْرَتَيْنِ بِقَلُوْصٍ"[146].

(حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے خدیجہ کے دو سفروں میں ایک اونٹنی کے عوض مزدوری کی تھی۔)

حدیث : 4

(نبی اکرم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چراتے تھے)

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيّ رضی اللّٰهُ عنه، قَالَ:

افْتَخَرَ أَهْلُ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ عِنْدَ النَّبِيّ ﷺ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:

"الْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي أَهْلِ الْإِبِلِ، وَ السَّكِينَةُ وَ الْوَقَارُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ". وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "بُعِثَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَام وَ هُوَ يَرْعَى

www.rahimia.org

غَنَمًا عَلٰى أَهْلِهِ، وَ بُعِثْتُ أَنَا، وَ أَنَا أَرْعٰى غَنَمًا لِأَهْلِى بِجِيَادٍ"(147).

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کے سامنے کچھ اونٹ والے اور بکریوں والے اپنے اوپر فخر کرنے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا: "فخر و تکبر اونٹ والوں میں ہوتا ہے اور سکون اور وقار بکریوں والوں میں ہوتا ہے"۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ: "حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس وقت مبعوث کیا گیا، اس وقت وہ اپنے اہلِ خانہ کے لیے بکریاں چراتے تھے، اور مجھے بھی جس وقت مبعوث کیا گیا تو میں بھی اپنے اہلِ خانہ کے لیے مقامِ جیاد پر بکریاں چرایا کرتا تھا"۔)

حدیث : 5

(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال مزدوری کی)

عَنْ عُتْبَةَ بْنِ الْمُنْذِرِ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَرَأَ: "طٰسٓمٓ"، حَتّٰى بَلَغَ قِصَّةَ مُوسٰى، قَالَ:

"إِنَّ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ آجَرَ نَفْسَهُ ثَمَانِي سِنِينَ أَوْ عَشْرًا عَلٰى عِفَّةِ فَرْجِهِ وَطَعَامِ بَطْنِهِ"(148).

(عتبہ بن منذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپؐ نے "سورہ طٰسٓمٓ" (سورت القصص) تلاوت فرمائی، حتیٰ کہ آپ موسیٰؑ کے قصے پر پہنچے تو آپؐ نے فرمایا:

"موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت (ازدواجی زندگی کی ادائیگی) اور شکم سیری کی خاطر اپنے آپ کو آٹھ یا دس سال مزدوری پر لگائے رکھا۔"

www.rahimia.org

حدیث : 6

(حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے)

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ:

"أَنَّ دَاوُدَ النَّبِیَّ عَلَيْهِ السَّلَام، كَانَ لَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهِ"(149).

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"داؤد علیہ السلام صرف اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے"۔

حدیث : 7

(حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے)

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، أَنّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:

"كَانَ زَكَرِيَّاءُ نَجَّارًا"(150).

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"حضرت زکریا علیہ السلام (پیشے کے اعتبار سے) بڑھئی تھے"۔

قَالَ الإِمَامُ ابْنُ كَثِيرؒ:

"أَنَّ زَكَرِيَّا عَلَيْهِ السَّلام كَانَ نَجَّارًا، يَعْمَلُ بِيَدِهٖ وَ يَأْكُلُ مِنْ كَسْبِهَا، كَمَا كَانَ دَاوُد عَلَيْهِ السَّلام يَأْكُلُ مِنْ كَسْبِ يَدِهٖ"(151).

(امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ: "حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے اور اُس کی محنت مزدوری سے کھاتے تھے۔ جیسا کہ داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔)

www.rahimia.org

حدیث : 8

(انبیا علیہم السلام کے پیشے)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ قَالَ لِرَجُلٍ جَالِسٍ عِنْدَهُ، وَ هُوَ يُحَدِّثُ أَصْحَابَهُ: ادْنُ مِنِّي! فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: أَبْقَاكَ اللّٰهُ، وَ اللّٰهِ مَا أُحْسِنُ أَنْ أَسْأَلَكَ كَمَا سَأَلَ هٰؤُلَآءِ، فَقَالَ: ادْنُ مِنِّي فَأُحَدِّثُكَ عَنِ الْأَنْبِيَاءِ الْمَذْكُورِينَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ.

أُحَدِّثُكَ عَنْ آدَمَ أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا حَرَّاثًا.

وَ أُحَدِّثُكَ عَنْ نُوحٍ أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا نَجَّارًا.

وَ أُحَدِّثُكَ عَنْ إِدْرِيسَ أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا خَيَّاطًا.

وَ أُحَدِّثُكَ عَنْ دَاوُدَ أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا زَرَّادًا.

وَ أُحَدِّثُكَ عَنْ مُوسَى أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا رَاعِيًا.

وَ أُحَدِّثُكَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا زَرَّاعًا.

وَ أُحَدِّثُكَ عَنْ صَالِحٍ أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا تَاجِرًا.

وَ أُحَدِّثُكَ عَنْ سُلَيْمَانَ أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا آتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ كَانَ يَصُومُ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ سِتَّةَ أَيَّامٍ، وَفِي وَسَطِهِ ثَلاثَةَ أَيَّامٍ، وَ فِي آخِرِهِ ثَلاثَةَ أَيَّامٍ، وَ كَانَتْ لَهُ تِسْعُ مِائَةِ سَرِيَّةٍ، وَ ثَلاثُ مِائَةِ فِهْرِيَّةٍ.

وَأُحَدِّثُكَ عَنِ ابْنِ الْعَذْرَاءِ الْبَتُولِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ أَنَّهُ كَانَ لا يَخْبَأُ شَيْئًا لِغَدٍ، وَ يَقُولُ: الَّذِي غَدَّانِي سَوْفَ يُعَشِّينِي، وَالَّذِي عَشَّانِي سَوْفَ يُغَدِّينِي، يَعْبُدُ اللَّهَ لَيْلَةً كُلَّهَا يُصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَهُوَ بِالنَّهَارِ سَائِحٌ، وَيَصُومُ الدَّهْرَ كُلَّهُ، وَيَقُومُ اللَّيْلَ كُلَّهُ.

وَأُحَدِّثُكَ عَنِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَرْعَى غَنَمَ أَهْلِ بَيْتِهِ

www.rahimia.org

بِأَجْيَادَ، وَكَانَ يَصُومُ فَنَقُولُ: لَا يُفْطِرُ، وَ يُفْطِرُ فَنَقُولُ: لَا يَصُومُ، وَكُلُّهَا مَا رَأَيْنَاهُ صَائِمًا، وَ يَصُومُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَكَانَ أَلْيَنَ النَّاسِ جَنَاحًا، وَأَطْيَبَهُمْ خَبَرًا، وَأَطْوَلَهُمْ عِلْمًا.

وَأُخْبِرُكَ عَنْ حَوَّاءَ أَنَّهَا كَانَتْ تَغْزِلُ الشَّعْرَ، فَتُحَوِّلُهُ بِيَدِهَا، فَتَكْسُو نَفْسَهَا وَ وَلَدَهَا.

وَأَنَّ مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ كَانَتْ تَصْنَعُ ذَلِكَ"(152).

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی سے کہا جو اُن کے پاس بیٹھا ہوا تھا، جب کہ آپؓ اپنے ساتھیوں سے گفتگو فرما رہے تھے کہ: میرے قریب آجاؤ!۔ اُس آدمی نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ: اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، میں آپ سے اس طرح بہترین سوالات نہیں کرسکتا، جیسا کہ یہ لوگ سوال کر رہے ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ: میرے قریب آجاؤ، میں تمھیں اُن انبیا علیہم السلام کی بات بتاتا ہوں، جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے۔

☆ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرنے والے بندے تھے۔

☆ میں تمھیں بتلاتا ہوں کہ: نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرنے والے آدمی تھے۔

☆ میں تمھیں بتلاتا ہوں کہ: ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرنے والے آدمی تھے۔

☆ میں تمھیں بتلاتا ہوں کہ: داؤد علیہ السلام زِرہ بنانے کا کام کرنے والے آدمی تھے۔

☆ میں تمھیں بتلاتا ہوں کہ: موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرانے والے آدمی تھے۔

☆ میں تمھیں بتلاتا ہوں کہ: ابراہیم علیہ السلام کاشت کاری کرنے والے آدمی تھے۔

☆ میں تمھیں بتلاتا ہوں کہ: صالح علیہ السلام تجارت کرنے والے آدمی تھے۔

☆ میں تمھیں بتلاتا ہوں کہ: سلیمان علیہ السلام ایک ایسے بندے تھے کہ اللہ نے انھیں بادشاہت عطا کی تھی۔ وہ ہر مہینے کے شروع کے چھ دن روزے رکھتے تھے اور درمیان مہینے میں تین دن، اور مہینے کے آخر میں بھی تین دن۔ ان کے پاس نو سو

www.rahimia.org

چھوٹے لشکر تھے اور تین سو بڑے لشکر تھے۔

☆ میں تمھیں بتلاتا ہوں کہ: کنواری، پاک باز (مریم) کے بیٹے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں کہ وہ کوئی چیز کل کے لیے چھپا کرنہیں رکھتے تھے (ذخیرہ اندوزی نہیں کرتے تھے)۔ وہ فرماتے تھے کہ جس نے مجھے صبح کا کھانا کھلایا ہے، عن قریب وہ مجھے شام کا کھانا بھی کھلائے گا۔ اور جس نے شام کا کھانا کھلایا ہے، عن قریب وہ صبح کا کھانا بھی کھلائے گا۔ وہ ساری رات اللہ کی عبادت کرتے اور سورج کے طلوع ہونے تک نماز پڑھتے تھے۔ اور وہ دن میں سیاحت کرتے تھے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور ساری رات قیام کرتے تھے۔

☆ میں تمھیں بتلاتا ہوں نبی مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں کہ: انھوں نے اپنے گھر والوں کی بکریاں اجیاد کی پہاڑیوں پر چرائی تھیں۔ آپؐ روزہ رکھنا شروع کرتے تھے تو ہم کہتے تھے کہ اب کبھی افطار نہیں کریں گے۔ اور آپؐ افطار کرتے تھے تو ہم کہتے تھے کہ اب شاید روزہ نہیں رکھیں گے۔ ہم نے آپؐ کو مکمل طور پر روزہ دار نہیں دیکھا۔ آپؐ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھتے تھے۔ آپؐ لوگوں میں سب سے زیادہ نرم مزاج تھے۔ سب سے اچھی خبر دینے والے تھے۔ علم دینے کے اعتبار سے بہت زیادہ فراخ دل تھے۔

☆ میں تمھیں خبر دیتا ہوں حضرت حوّاؑ کے بارے میں کہ: جانوروں کے بالوں سے سوت کاتتی تھیں، پھر اس کو اپنے ہاتھ سے بُنتی تھیں، پھر اپنے لیے اور اپنے بیٹے کے لیے لباس بناتی تھیں۔ اور یہی کام مریم بنت عمرانؑ بھی کیا کرتی تھیں۔)

حدیث : 9

(یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کا اللہ کے لیے مزدوری کرنا؛ ایک تمثیل)

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ:

www.rahimia.org

”إِنَّمَا أَجلُكُم فِي أَجَلِ مَنْ خَلَا مِنَ الْأُمَمِ مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ، وَإِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى كَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا، فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتْ الْيَهُودُ إِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ.

ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتْ النَّصَارٰى مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ عَلٰى قِيرَاطٍ قِيرَاطٍ.

ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ؟ أَلَا ! فَأَنْتُمُ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ عَلٰى قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، أَلَا ! لَكُمُ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ.

فَغَضِبَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى، فَقَالُوا: نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَأَقَلُّ عَطَاءً، قَالَ اللّٰهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا، قَالُوا: لَا، قَالَ: فَإِنَّهُ فَضْلِي أُعْطِيهِ مَنْ شِئْتُ“(153).

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تمھارا زمانہ پچھلی اُمتوں کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے عصر سے مغرب تک کا وقت ہے۔ تمھاری مثال یہود و نصاریٰ کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کچھ مزدور لیے اور کہا کہ میرا کام آدھے دن تک کون ایک ایک قیراط کی اُجرت پر کرے گا؟ یہود نے آدھے دن تک ایک ایک قیراط کی مزدوری پر کام کرنا طے کرلیا۔

پھر اس شخص نے کہا کہ آدھے دن سے عصر کی نماز تک میرا کام کون شخص ایک ایک قیراط کی مزدوری پر کرے گا؟ اب نصاریٰ ایک ایک قیراط کی مزدوری پر آدھے دن سے عصر کے وقت تک مزدوری کرنے پر تیار ہو گئے۔

پھر اس شخص نے کہا کہ: عصر کی نماز سے سورج ڈوبنے تک دو دو قیراط کے

www.rahimia.org

بدلے کون شخص میرا کام کرے گا؟ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ تم ہی ہو جو دو دو قیراط کی مزدوری پر عصر سے سورج ڈوبنے تک کام کرو گے۔ تم آگاہ رہو کہ تمھاری مزدوری دُگنی ہے۔

یہود و نصاریٰ اس فیصلے پر غصہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ: کام تو ہم زیادہ کریں اور مزدوری ہمیں کو کم ملے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: کیا میں نے تمھیں تمھارا حق دینے میں کوئی کمی کی ہے؟ انھوں نے کہا کہ: نہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ’’پھر یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہوں زیادہ دوں‘‘۔)

حدیث : 10

(صحابہ کرامؓ معاشی محنت کرتے تھے)

قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهَا: ’’کَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عُمَّالَ أَنْفُسِهِمْ، وَ کَانَ یَکُونُ لَهُمْ أَرْوَاحٌ، فَقِیلَ لَهُمْ: لَوِ اغْتَسَلْتُمْ‘‘[154].

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: آپؐ کے صحابہ کرامؓ محنت مشقت کا کام خود کیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے پسینہ آکر جسم میں بدبو پیدا ہو جاتی تھی۔ اسی لیے انھیں کہا گیا کہ (جمعہ کے اجتماع کے موقع پر) اگر تم غسل کر لیا کرو تو بہتر ہو گا۔)

حدیث : 11

(حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا کاروبار خود کرتے تھے)

أنّ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهَا، قَالَتْ: لَمَّا اسْتُخْلِفَ أَبُو بَکْرٍ الصِّدِّیقُ رضی اللہ عنہ،

www.rahimia.org

قَالَ:

"لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِی أَنَّ حِرْفَتِی لَمْ تَکُنْ تَعْجِزُ عَنْ مَئُونَةِ أَهْلِی، وَشُغِلْتُ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِینَ فَسَیَأْکُلُ آلُ أَبِی بَکْرٍ مِنْ هَذَا الْمَالِ، وَیَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِینَ فِیهِ"[155].

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے خطبے میں ارشاد فرمایا:

"میری قوم یہ بات بہ خوبی جانتی ہے کہ میرا تجارتی پیشہ میرے اہل وعیال کی کفالت بہ خوبی کرسکتا ہے، مگر اب میں مسلمانوں کے معاملاتِ (خلافت) میں مشغول کردیا گیا ہوں۔ لہٰذا اب ابوبکر کا اہل وعیال بیت المال سے کھائے گا اور ابوبکر مسلمانوں کی خدمت کا پیشہ کرے گا۔")

حدیث : 12

(کسی سے بھیک مانگنے کے بجائے محنت کرنا بہتر ہے)

عن أبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُ، یَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :

"لَأَنْ یَحْتَطِبَ أَحَدُکُمْ حُزْمَةً عَلَى ظَهْرِهِ، خَیْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ یَسْأَلَ أَحَدًا فَیُعْطِیَهُ أَوْ یَمْنَعَهُ"[156].

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر کوئی شخص لکڑیوں کا گٹھا اپنی پیٹھ پر (بیچنے کے لیے) لیے پھرے تو وہ اس سے اچھا ہے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ پھر خواہ اسے کچھ دے یا نہ دے۔)

www.rahimia.org

حدیث : 13

(کسی ذاکر کی معاشی ضروریات کے لیے محنت کرنے والا اُس ذاکر سے بہتر ہے)

عَنْ أَبِی قِلَابَةَ رضی اللّٰہ عنہ، قَالَ:

ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ رَجُلٌ، فَذَكَرَ فِيهِ خَيْرًا، فَقَالُوا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! خَرَجَ مَعَنَا حَاجًّا، فَإِذَا نَزَلْنَا مُنْزِلًا لَمْ يَزَلْ يُصَلِّى حَتّٰى نَرْحَلَ، فَإِذَا ارْتَحَلْنَا لَمْ يَزَلْ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَتّٰى نَنْزِلَ.

فَقَالَ ﷺ : "فَمَنْ كَانَ يَكْفِيهِ عَلَفَ نَاقَتِهِ وَ صُنْعَ طَعَامِهِ؟"

قَالُوا: كُلُّنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ.

قَالَ: "كُلُّكُمْ خَيْرٌ مِنْهُ"(157).

(حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک آدمی کا ذکرِ خیر کیا گیا۔ پس لوگوں نے اس کے بارے میں کہا:

اے اللہ کے رسول! وہ آدمی ہمارے ساتھ حج کرنے کے لیے نکلا۔ پس جب ہم کسی جگہ پڑاؤ کے لیے اُترتے تو وہ نماز میں مشغول ہوجاتا، یہاں تک کہ ہم وہاں سے کوچ کرتے۔ جب ہم سواریوں پر سوار ہوتے تو وہ اللہ عز وجل کے ذکر میں مشغول رہتا، یہاں تک کہ ہم کسی جگہ پڑاؤ کرتے۔

آپؐ نے دریافت فرمایا کہ:

"اس کی اونٹنی کو چارہ کون ڈالتا تھا اور اُس کا کھانا کون تیار کرتا تھا؟

تو انھوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ہم سب یہ کام کرتے تھے۔

تو آپؐ نے فرمایا: "تم سب اُس سے بہتر ہو۔")

www.rahimia.org

حدیث : 14

(بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کام کرنے والا مجاہد کی طرح ہے)

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ :

"السَّاعِی عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَ الْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِی سَبِيلِ اللَّهِ، أَوِ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ"(158).

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "بیواؤں اور مسکینوں کے کام آنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے، یا رات بھر عبادت اور دن کو روزے رکھنے والے کے برابر ہے"۔)

حدیث : 15

(بہترین پیشہ اپنے ہاتھ سے کمانا ہے)

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ:

"خَيْرُ الْكَسْبِ، كَسْبُ يَدِ الْعَامِلِ إِذَا نَصَحَ"(159).

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بہترین کمائی مزدور کے ہاتھ کی کمائی ہوتی ہے، جب کہ وہ خیر خواہی سے کام کرے"۔)

حدیث : 16

(پاکیزہ رزق اپنی محنت کی کمائی ہے)

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللّٰهُ عنها، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :

www.rahimia.org

’’إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ، وَإِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ‘‘[160].

(ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’سب سے پاکیزہ چیز جس کو تم کھاتے ہو تمھاری اپنی محنت کی کمائی ہے، اور تمھاری اولاد بھی تمھاری کمائی میں سے ہے‘‘۔)

حدیث : 17

(کسبِ حلال کی تلاش فرض ہے)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :

’’طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ فَرِيضَةٍ‘‘[161].

(عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’فرائض کے بعد حلال روزی کی تلاش بھی فرض ہے‘‘۔)

حدیث : 18

(مزدور کی اُجرت اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرنا)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ

’’أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ‘‘[162].

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مزدور اور محنت کش کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو!‘‘۔)

www.rahimia.org

حدیث : 19

(قیامت کے روز محنت کش کے حق کے لیے لڑنا)

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: قَالَ اللّٰهُ: "ثَلاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ:

(1) رَجُلٌ أَعْطَی بِی، ثُمَّ غَدَرَ.

(2) وَ رَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَکَلَ ثَمَنَهُ.

(3) وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِیرًا فَاسْتَوْفَی مِنْهُ وَ لَمْ یُعْطِ أَجْرَهُ"(163).

و فی روایة ابن ماجة عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : "ثَلاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَمَنْ کُنْتُ خَصْمَهُ خَصَمْتُهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ" الحدیث(164).

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تین طرح کے لوگ ایسے ہوں گے جن کے خلاف قیامت کے دن میں مدعی بنوں گا:

1۔ ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر عہد کیا اور وہ توڑ دیا،

2۔ وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان (یا قوم) کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی

3۔ اور وہ شخص جس نے کوئی مزدور اُجرت پر رکھا، اس سے پوری طرح کام لیا، لیکن اس کی مزدوری نہیں دی۔)

اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "میں قیامت کے دن اُن کا مدعی ہوں گا اور جس کا میں مدعی ہوں گا، تو میں اُس کا مقدمہ قیامت کے دن لڑوں گا"۔)

www.rahimia.org

حدیث : 20

(محنت کش کی اُجرت کی حفاظت اور اس کی خیر خواہی کا دُنیوی صلہ)

أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: ”انْطَلَقَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ... وَقَالَ الثَّالِثُ:

اللّٰهُمَّ إِنِّي اسْتَأْجَرْتُ أُجَرَاءَ، فَأَعْطَيْتُهُمْ أَجْرَهُمْ، غَيْرَ رَجُلٍ وَاحِدٍ تَرَكَ الَّذِي لَهُ وَذَهَبَ، فَثَمَّرْتُ أَجْرَهُ حَتّٰى كَثُرَتْ مِنْهُ الْأَمْوَالُ، فَجَاءَنِي بَعْدَ حِينٍ، فَقَالَ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ، أَدِّ إِلَيَّ أَجْرِي، فَقُلْتُ لَهُ: كُلُّ مَا تَرَى مِنْ أَجْرِكَ مِنَ الْإِبِلِ، وَالْبَقَرِ، وَالْغَنَمِ، وَالرَّقِيقِ، فَقَالَ: يَاعَبْدَ اللّٰهِ، لَا تَسْتَهْزِءُ بِي، فَقُلْتُ: إِنِّي لَا أَسْتَهْزِءُ بِكَ، فَأَخَذَهُ كُلَّهُ، فَاسْتَاقَهُ فَلَمْ يَتْرُكْ مِنْهُ شَيْئًا، اللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ، فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيهِ، فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ، فَخَرَجُوا يَمْشُونَ“[165].

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: ”تم سے پہلی اُمت کے تین آدمی کہیں سفر میں جا رہے تھے۔ ... یہاں تک کہ سفر کے دوران انھوں نے ایک غار میں رات گزاری۔ رات کو پہاڑ سے ایک بڑی چٹان آئی اور اُس نے غار کا منہ بند کر دیا۔ اس پر انھوں نے آپس میں کہا کہ: تم یہاں سے نجات حاصل نہیں کر سکتے، جب تک کہ تم اپنے اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کرو۔ تو ہر ایک نے اپنے نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کی۔) ...

تیسرے شخص نے دعا کی: اے اللہ! میں نے چند مزدور کیے تھے۔ پھر سب کو ان کی مزدوری پوری دے دی، مگر ایک مزدور ایسا نکلا کہ وہ اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری کو کاروبار میں لگا دیا، یہاں تک اُس سے بہت کچھ نفع حاصل ہو گیا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد وہی مزدور میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے

www.rahimia.org

بندے! مجھے میری مزدوری دے دے۔ میں نے کہا: یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے اونٹ، گائے، بکری اور غلام یہ سب تمھاری مزدوری ہی ہے۔ وہ کہنے لگا: اللہ کے بندے! مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا میں مذاق نہیں کرتا۔ چناں چہ اس شخص نے سب کچھ لیا اور اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک چیز بھی اس میں سے باقی نہیں چھوڑی۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ سب کچھ تیری رضا مندی حاصل کرنے کے لیے کیا تھا تو تُو ہماری اس مصیبت کو دور کر دے۔ چناں چہ وہ چٹان ہٹ گئی اور وہ سب باہر نکل کر چلے گئے۔)

حدیث : 21

(اپنے ہاتھ سے محنت کرنا پاکیزہ رزق ہے)

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِیجٍ قَالَ: قِیلَ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَیُّ الْکَسْبِ أَطْیَبُ؟
قَالَ ﷺ : "عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِهِ و کُلُّ بَیْعٍ مَبْرُورٍ"[166].

(رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا:
اے اللہ کے رسول! کون سا کسب سب سے پاکیزہ ہے؟
آپ ﷺ نے فرمایا:
"آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر اچھی (دھوکہ دہی سے محفوظ) تجارت"۔)

حدیث : 22

(مانگنے کے بجائے محنت کر کے کمانے کی ترغیب)

عَن أنسِ بن مَالِک رضی اللّٰه عنهُ:
أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَی النَّبِیَّ ﷺ یَسْأَلُهُ،

www.rahimia.org

فَقَالَ ﷺ: ''أَمَا فِی بَیْتِک شَیْءٌ؟''
قَالَ: بَلٰی! حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ، وَ قَعْبٌ نَشْرَبُ فِیهِ مِنَ الْمَاءِ.
قَالَ ﷺ : ''ائْتِنِی بِهِمَا''.
قَالَ: فَأَتَاهُ بِهِمَا، فَأَخَذَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِیَدِهِ وَقَالَ:
''مَنْ یَشْتَرِیْ هَذَیْنِ؟''
قَالَ رَجُلٌ: أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ.
قَالَ ﷺ : ''مَنْ یَزِیدُ عَلَى دِرْهَمٍ؟'' ـ مَرَّتَیْنِ أَوْ ثَلاثًا ـ
قَالَ رَجُلٌ: أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمَیْنِ، فَأَعْطَاهُمَا إِیَّاه، و أخذ الدِّرْهَمَیْنِ، فَأَعْطَاهُمَا الْأَنْصَارِیَّ وَقَالَ ﷺ:
''اشْتَرِ بِأَحَدِهِمَا طَعَامًا، فانبِذْه إِلٰى أَهْلِکَ و اشتر بِالْآخرِ قدومًا فأتنی بِهِ''.
فَأَتَاهُ بِهِ، فَشَدَّ فِیهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عُودًا بِیَدِهِ، ثُمَّ قَالَ ﷺ لَهُ:
''اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَ بِعْ، وَ لَا أَرَیَنَّکَ خَمْسَةَ عَشَرَ یَوْمًا''
فَذهب الرّجُل یَحْتَطِبُ وَ یَبِیْعُ، فجاء وَ قَدْ أَصَابَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ، فَاشْتَرَى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا، وَ بِبَعْضِهَا طَعَامًا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:
''هٰذَا خَیْرٌ لَکَ مِنْ أَنْ تَجِیءَ الْمَسْأَلَةُ نُکْتَةً فِی وَجْهِکَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ:
(۱) لِذِی فَقْرٍ مُدْقِعٍ؛
(۲) أَوْ لِذِی غُرْمٍ مُفْظِعٍ؛
(۳) أَوْ لِذِی دَمٍ مُوجِعٍ''(167).
(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: انصار میں سے ایک آدمی سوال

www.rahimia.org

کرنے کی غرض سے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

’’کیا تمھارے گھر میں کوئی چیز نہیں؟‘‘

اس نے عرض کیا: کیوں نہیں! ایک ٹاٹ ہے جو ہمارا اَوڑھنا بچھونا ہے اور ایک پیالہ ہے، جس میں ہم پانی پیتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’انھیں میرے پاس لاؤ۔‘‘

وہ انھیں آپ ﷺ کے پاس لایا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا: ’’انھیں کون خریدتا ہے؟‘‘

ایک آدمی نے عرض کیا: میں انھیں ایک درہم میں خریدتا ہوں۔

آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا: ’’ایک درہم سے زیادہ کون بڑھتا ہے؟‘‘

پھر کسی اَور آدمی نے کہا: میں انھیں دو درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ ﷺ نے وہ دونوں چیزیں اسے دے دیں اور دو درہم لے کر اس انصاری کو دیے اور فرمایا:

’’ان میں سے ایک کا کھانا لے کر اپنے گھر والوں کے سپرد کرو اور دوسرے سے ایک کلہاڑا لے کر میرے پاس آؤ‘‘۔

پس وہ اسے لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اس میں دستہ لگایا، پھر فرمایا:

’’جاؤ اور لکڑیاں اکٹھی کرو اور فروخت کرو اور میں پندرہ روز تک تمھیں نہ دیکھوں۔‘‘ وہ آدمی گیا اور لکڑیاں اکٹھی کر کے فروخت کرتا رہا۔ (کچھ دنوں بعد) وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے پاس دس درہم ہو چکے تھے۔ اس نے کچھ رقم کے کپڑے خریدے اور کچھ سے غلہ خریدا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’یہ تمھارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم سوال کرو اور روزِ قیامت تمھارے چہرے پر نکتہ ہو۔ کیوں کہ صرف تین اشخاص کے لیے سوال کرنا جائز ہے:

www.rahimia.org

1۔ انتہائی محتاج شخص،

2۔ تاوان تلے دبا ہوا شخص

3۔ اور دِیَّت (خون بہا) ادا کرنے کی تکلیف سے دوچار شخص‘‘۔)

حدیث : 23

(اپنی محنت سے کمائی سب سے پاکیزہ رزق ہے)

عَنْ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیکَرِبَ الزُّبَیْدِیّ، عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ’’مَا کَسَبَ الرَّجُلُ کَسْبًا أَطْیَبَ مِنْ عَمَلِ یَدِہِ، وَ مَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی نَفْسِہِ، وَ أَھْلِہِ، وَ وَلَدِہِ، وَ خَادِمِہِ، فَھُوَ صَدَقَۃ‘‘[168].

(مقدام بن معدیکرب زبیدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’آدمی کی کوئی کمائی اس کمائی سے بہتر نہیں جسے اس نے اپنی محنت سے کمایا ہو۔ اور آدمی اپنی ذات، اپنی بیوی، اپنے بچوں اور اپنے خادم پر جو خرچ کرے، وہ صدقہ ہے‘‘۔)

حدیث : 24

(صحیح نیت کے ساتھ کام کرنے والا محنت کش، اللہ کی راہ پر ہوتا ہے)

عَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَۃَ ، أَنَّ رَجُلًا مَرَّ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ ، فَرَأٰی أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہِ وَسَلَّمَ مِنْ جَلَدِہِ وَنَشَاطِہِ مَا أَعْجَبَھُمْ ، فَقَالُوا: یَا رَسُولَ اللّٰہِ ! لَوْ کَانَ ھٰذَا فِی سَبِیلِ اللّٰہ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ :

www.rahimia.org

”إِنْ كَـانَ يَسْـعٰـى عَـلٰى وَلَدِهِ صِغَارًا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، وَإِنْ كَانَ خَـرَجَ يَسْـعٰـى عَـلَـى أَبَـوَيْنِ شَيْخَيْنِ كَبِيرَيْنِ فَفِي سَبِيلِ اللَّهِ ، وَإِنْ كَانَ خَـرَجَ يَسْـعٰـى عَلٰى نَفْسِهِ لِيَعِفَّهَا فَفِيْ سَبِيلِ اللَّهِ، وَ إِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعٰى عَـلٰى أَهْلِهِ فَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَ إِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعٰى تَفَاخُرًا وَ تَكَاثُرًا فَفِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ“[169].

(حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے سامنے سے گزرا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے اس کی دلیری اور پھرتی کو دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! کاش کہ یہ آدمی اللہ کے راستے میں ہوتا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر یہ اپنے چھوٹے بچوں کی پرورش کے لیے محنت مزدوری کرنے نکلا ہے تو یہ اللہ کے راستے میں ہے۔ اور اگر یہ بوڑھے ماں باپ کی خدمت کے لیے محنت کرنے نکلا ہے تو یہ اللہ کے راستے میں ہے۔ اور اگر یہ اپنے نفس کو مانگنے سے بچانے کے لیے تجارت کرنے نکلا ہے تو یہ اللہ کے راستے میں ہے۔ اور اگر یہ اپنی بیوی کے خرچ کے لیے محنت کرنے نکلا ہے تو یہ اللہ کے راستے میں ہے۔ اور اگر یہ فخر وغرور اور کثرتِ مال اور سرمایہ پرستی کے لیے محنت کرنے نکلا ہے تو یہ طاغوت اور ظلم کے راستے پر ہے۔)

حدیث : 25

(محنت کش مؤمن اللہ کا محبوب ہے)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:

”إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ“[170].

www.rahimia.org

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:
"بے شک اللہ تعالیٰ محنت کرنے والے مؤمن کو پسند کرتا ہے۔)

حدیث : 26

(محنت کش کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں)

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنها، قالت: قال رسولُ اللّٰه ﷺ :
"مَنْ أمْسٰی کالًّا مِنْ عَمَلِ یَدِهٖ أمْسٰی مغفورًا له"[171].
(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"جس نے محنت مزدوری کی وجہ سے تھکی ہوئی حالت میں شام کی، تو اسی شام اُس کے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں"۔)

حدیث : 27

(سب سے پاکیزہ رزق اپنی محنت کی کمائی ہے)

عن عائشة رضی اللّٰه عنها، قالت: قال رسولُ اللّٰه ﷺ : "إِنَّ أَطْیَبَ مَا أَکَلَ الرَّجُلُ مِنْ کَسْبِهٖ، وَ إِنَّ وَلَدَ الرَّجُلِ مِنْ کَسْبِه"[172].
(ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو آدمی اپنی (محنت کی) کمائی سے کھائے، اور آدمی کی اولاد اس کی کمائی ہے"۔)

www.rahimia.org

حدیث : 28

(حضرت ابو ہریرہؓ کا محنت مزدوری کرنا)

أَبُو هُرَيْرَةَؓ، يَقُولُ:

"نَشَأْتُ يَتِيمًا وَ هَاجَرْتُ مِسْكِينًا، وَ كُنْتُ أَجِيرًا لِابْنَةِ غَزْوَانَ بِطَعَامِ بَطْنِي وَ عُقْبَةِ رِجْلِي، أَحْطِبُ لَهُمْ إِذَا نَزَلُوا وَ أَحْدُو لَهُمْ إِذَا رَكِبُوا، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ الدِّينَ قِوَامًا وَجَعَلَ أَبَاهُرَيْرَةَ إِمَامًا"(173).

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"میری پرورش یتیمی کی حالت میں ہوئی، اور ہجرت کرنے کے وقت میں مسکین تھا، اور میں پیٹ بھر کھانے اور (سفر کے دوران) اپنی باری پر سواری کی شرط پر بنتِ غزوان کا مزدور تھا۔ (سفر کے دوران) جب وہ لوگ (کسی جگہ) ٹھہرتے تو میں ان کے لیے لکڑیاں چنتا، اور جب وہ سوار ہوتے تو میں ان کے اونٹوں کے لیے حدی خوانی کرتا۔ تو شکر ہے اللہ کا جس نے دین کو سہارا بنایا، اور ابو ہریرہ کو امام بنایا"۔)

حدیث : 29

(حضرت علیؓ کا ایک یہودی کی مزدوری کرنا)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: "أَصَابَ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ خَصَاصَةٌ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ عَلِيًّا، فَخَرَجَ يَلْتَمِسُ عَمَلًا يُصِيبُ فِيهِ شَيْئًا لِيُغِيثَ بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَأَتٰى بُسْتَانًا لِرَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ، فَاسْتَقٰى لَهُ سَبْعَةَ عَشَرَ دَلْوًا، كُلُّ دَلْوٍ بِتَمْرَةٍ، فَخَيَّرَهُ الْيَهُودِيُّ مِنْ تَمْرِهِ سَبْعَ عَشَرَةَ عَجْوَةً، فَجَاءَ بِهَا إِلٰى نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ"(174).

www.rahimia.org

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو ایک بار بھوک لگی۔ یہ خبر علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی، تو وہ کام کی تلاش میں نکلے جسے کر کے کچھ پا ئیں تو لے کر آئیں، تا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کو کھلا سکیں۔ چناں چہ وہ ایک یہودی کے باغ میں آئے، اور اس کے لیے سترہ ڈول پانی کھینچا۔ ہر ڈول کے بدلے ایک کھجور۔ یہودی نے ان کو اختیار دیا کہ وہ اس کی کھجوروں میں سے سترہ عجوہ کھجوریں چن لیں۔ وہ انھیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔)

حدیث : 30

(حضرت علیؓ کا پانی نکالنے کی مزدوری کرنا)

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ:

"كُنْتُ أَدْلُو الدَّلْوَ بِتَمْرَةٍ وَ أَشْتَرِطُ أَنَّهَا جَلْدَةٌ"[175].

(حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں ایک کھجور کے بدلے ایک ڈول پانی نکالتا تھا، اور یہ شرط لگا لیتا تھا کہ وہ کھجور خشک اور عمدہ ہو۔)

حدیث : 31

(ایک انصاری صحابیؓ کا مزدوری کرنا)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ:

جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا لِي أَرٰى لَوْنَكَ مُنْكَفِئًا، قَالَ: "الْخَمْصُ"، فَانْطَلَقَ الْأَنْصَارِيُّ إِلٰى رَحْلِهِ، فَلَمْ يَجِدْ فِي رَحْلِهِ شَيْئًا، فَخَرَجَ يَطْلُبُ فَإِذَا هُوَ بِيَهُودِيٍّ يَسْقِي نَخْلًا، فَقَالَ

www.rahimia.org

الْأَنصَارِیُّ لِلْیَهُودِیِّ: أَسْقِی نَخْلَکَ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: کُلُّ دَلْوٍ بِتَمْرَةٍ، وَاشْتَرَطَ الْأَنْصَارِیُّ أَنْ لَا یَأْخُذَ خَدِرَةً وَ لَا تَارِزَةً وَ لَا حَشَفَةً، وَلَا یَأْخُذَ إِلَّا جَلْدَةً، فَاسْتَقَی بِنَحْوٍ مِنْ صَاعَیْنِ، فَجَاءَ بِهِ إِلَی النَّبِیِّ ﷺ‘‘(176).

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

ایک انصاری نے آ کر عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا وجہ ہے کہ میں آپ کا رنگ بدلا ہوا پاتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’بھوک سے‘‘۔

یہ سن کر انصاری اپنے گھر گئے، وہاں انھیں کچھ نہ ملا۔ پھر کوئی کام ڈھونڈنے نکلے تو دیکھا کہ ایک یہودی اپنے کھجور کے درختوں کو پانی دے رہا ہے۔ انصاری نے یہودی سے کہا: میں تمھارے درختوں کو سیراب کر دوں؟ اس نے کہا: ہاں! سینچ دو۔ کہا: ہر ڈول کے بدلے ایک کھجور لوں گا، اور انصاری نے یہ شرط بھی لگا لی کہ کالی، سوکھی اور خراب کھجوریں نہیں لوں گا، صرف اچھی ہی لوں گا۔

اس طرح انھوں نے دو صاع (تقریباً ساڑھے تین کلو) کے قریب کھجوریں حاصل کیں اور انھیں لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے۔)

حدیث : 32

(مزدوری کر کے صدقہ کرنے والے کا ثواب)

عَنْ أَبِی مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ:

’’کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ انْطَلَقَ أَحَدُنَا إِلَی السُّوقِ فَتَحَامَلَ فَیُصِیبُ الْمُدَّ، وَإِنَّ لِبَعْضِهِمْ الْیَوْمَ لَمِائَةَ أَلْفٍ‘‘(177).

(حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیتے تو ہم میں سے بہت سے بازار جا کر بوجھ اٹھانے کی

www.rahimia.org

مزدوری کرتے اور اس طرح ایک مد (غلہ یا کھجور وغیرہ) حاصل کرتے۔ (جسے صدقہ کر دیتے) لیکن آج ہم میں سے بہت سوں کے پاس لاکھ لاکھ (درہم یا دینار) موجود ہیں۔)

حدیث : 33

(صحابیٔ رسولؓ کا لوہار کی حیثیت سے مزدوری کرنا)

عَن خَبَّابٍ، قَالَ: کُنْتُ رَجُلًا قَیْنًا، فَعَمِلْتُ لِلْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ، فَاجْتَمَعَ لِی عِنْدَهُ، فَأَتَیْتُهُ أَتَقَاضَاهُ، فَقَالَ: لَا، وَاللّٰهِ لَا أَقْضِیکَ حَتّٰی تَکْفُرَ بِمُحَمَّدٍ، فَقُلْتُ: أَمَا وَاللّٰهِ حَتّٰی تَمُوتَ ثُمَّ تُبْعَثَ فَلَا، قَالَ: وَإِنِّی لَمَیِّتٌ ثُمَّ مَبْعُوثٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّهُ سَیَکُونُ لِی ثَمَّ مَالٌ وَوَلَدٌ فَأَقْضِیکَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

"اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا"[178]. [179]

(حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں لوہار تھا، میں نے عاص بن وائل (مشرک) کا کام کیا۔ جب میری بہت سی مزدوری اس کے سر چڑھ گئی تو میں اس کے پاس تقاضا کرنے آیا۔ وہ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! میں تمھاری مزدوری اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہ پھر جاؤ۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو اس وقت بھی نہ ہوگا جب تو مر کے دوبارہ زندہ ہوگا۔

اس نے کہا: کیا میں مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟ میں نے کہا کہ: ہاں! اس پر وہ بولا: پھر تو وہاں بھی میرے پاس مال اور اولاد ہوگی اور وہیں میں تمھارا قرض ادا کر دوں گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"اے پیغمبر! کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، اور کہا کہ مجھے ضرور وہاں مال و اولاد دی جائے گی"۔) (سورۃ مریم آیت: 77)

www.rahimia.org

حدیث : 34

(حضرت علیؓ کا اپنے ولیمے کے لیے مزدوری کرنا)

أَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَام، قَالَ: ''كَانَتْ لِي شَارِفٌ مِنْ نَصِيبِي مِنَ الْمَغْنَمِ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَعْطَانِي شَارِفًا مِنَ الْخُمُسِ، فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَاعَدْتُ رَجُلًا صَوَّاغًا مِنْ بَنِي قَيْنُقَاعَ، أَنْ يَرْتَحِلَ مَعِيَ، فَنَأْتِيَ بِإِذْخِرٍ أَرَدْتُ أَنْ أَبِيعَهُ مِنَ الصَّوَّاغِينَ، وَأَسْتَعِينَ بِهِ فِي وَلِيمَةِ عُرُسِي''(180).

(حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: غنیمت کے مال میں سے میرے حصے میں ایک اونٹ آیا تھا اور ایک دوسرا اونٹ مجھے نبی کریم ﷺ نے ''خمس'' میں سے دیا تھا۔ پھر جب میرا اِرادہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کرا کے لانے کا ہوا تو میں نے بنی قینقاع کے ایک سنار سے طے کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے اور ہم دونوں مل کر (جنگل سے) اذخر گھاس (کاٹ کر) لائیں، کیوں کہ میرا اِرادہ تھا کہ اسے سناروں کے ہاتھ بیچ کر اس سے حاصل ہونے والی رقم کو اپنی شادی کے ولیمے میں لگاؤں۔)

حدیث : 35

(ایک درزی کا اپنی مزدوری سے حضورؐ کے لیے کھانا تیار کرنا)

أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ:

''إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ، قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى ذٰلِكَ الطَّعَامِ، فَقَرَّبَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ خُبْزًا وَمَرَقًا فِيهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَتَبَّعُ

www.rahimia.org

الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ، قَالَ: فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ"[181].

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے پر بلایا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بھی اس دعوت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گیا۔ اس درزی نے روٹی اور شوربا جس میں کدو اور بھنا ہوا گوشت تھا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کدو کے قتلے پیالے میں تلاش کر رہے تھے۔ اسی دن سے میں بھی برابر کدو کو پسند کرتا ہوں۔)

حدیث : 36

(حضورؐ کا حجامت کرنے والے کی مزدوری ادا کرنا)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: "احْتَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ، وَ أَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ، وَ لَوْ عَلِمَ كَرَاهِيَةً لَمْ يُعْطِهِ"[182].

(حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ نے سینگی لگوائی اور سینگی لگانے والے کو اس کی مزدوری دی۔ اگر آپؐ اسے ناپسند سمجھتے تو اسے مزدوری نہ دیتے۔)

حدیث : 37

(عورت کا مزدوری کرنا)

جَاءَ رَافِعُ بْنُ رِفَاعَةَ إِلٰى مَجْلِسِ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ:

"لَقَدْ نَهَانَا نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ الْيَوْمَ، فَذَكَرَ أَشْيَاءَ، وَ نَهٰى عَنْ كَسْبِ

www.rahimia.org

الْأَمَةِ، إِلَّا مَا عَمِلَتْ بِيَدِهَا، وَقَالَ: هٰكَذَا بِأَصَابِعِهِ نَحْوَ الْخُبْزِ، وَ الْغَزْلِ، وَ النَّفْشِ"(183).

(رافع بن رفاعہ رضی اللہ عنہ انصار کی ایک مجلس میں آئے اور کہنے لگے کہ آج اللہ کے نبی ﷺ نے ہمیں منع فرمایا ہے، پھر انہوں نے کچھ چیزوں کا ذکر کیا اور کہا:

آپ ﷺ نے لونڈی کی کمائی (زنا کی کمائی) سے منع فرمایا سوائے اس کمائی کے جو اس نے ہاتھ سے محنت کر کے کمائی ہو، پھر آپ ﷺ نے انگلیوں سے اشارہ کر کے بتایا، مثلاً روٹی پکانا، چرخہ کاتنا، روئی دُھنا، جیسے کام۔)

حدیث : 38

(کاشت کاروں کی عظمت)

عَنْ خَلَّاد ابن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قال: سَمِعْتُ رَجُلاً مِنْ قُرَيْشٍ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :

"لَوْ أَنَّ أَصْحَابَ الْبَقَرِ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ أَذْنَابَ ثِيْرَانِهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا، سَبَقُوا النَّاسَ سَبْقًا بَعِيْدًا، وَ حَلَّتْ لَهُمْ كُلُّ حُلْوَّةٍ، بَيْدَ أَنَّهُمْ يُعِيْنُوْنَ النَّاسَ بِأَعْمَالِ أَبْدَانِهِمْ وَ يُغِيْثُوْنَ أَنْفُسَهُمْ(184).

(خلاد بن عبد الرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ: میں نے قریش کے ایک آدمی سے سنا، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"گائیوں والے لوگ جو اپنے بیلوں کی دُم پکڑ کر ہل چلاتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں تو وہ لوگوں سے بہت زیادہ آگے بڑھنے والے ہیں۔ اُن کے لیے ہر طرح کی اچھی اور میٹھی چیزیں حلال ہوجاتی ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے بدن کی مشقت سے لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور اپنی مدد کرتے ہیں۔)

www.rahimia.org

حدیث : 39

(باغ لگانے اور کاشت کاری کرنے کی فضیلت)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ''مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا، فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ، إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ''(185).

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی مسلمان جو ایک درخت کا پودا لگائے یا کھیتی میں بیج بوئے، پھر اس میں سے پرند یا انسان یا جانور جو بھی کھاتے ہیں، وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے''۔)

حدیث : 40

(سب سے زیادہ حلال پیشہ مزدوری ہے)

عَنْ حَكِيمِ ابْنِ حِزَامٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ''يَا حَكِيمُ! أَحَلُّ الْكَسْبِ مَا مَشَتْ فِيهِ هَاتَانِ، يَعْنِي: الرِّجْلَيْنِ، وَ مَا عَمِلَ فِيهِ هَاتَانِ، يَعْنِي: اليدين، وَ مَا عَرِقَتْ فِيهِ هٰذِهٖ، يَعْنِي: الْجَبِينُ''(186).

(حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اے حکیم! سب سے زیاہ حلال وہ پیشہ ہے کہ جس میں یہ دونوں پاؤں چل کر کام کریں، اور اِن دونوں ہاتھوں سے کام کیا جائے اور جس پیشے میں ماتھے پر پسینہ آ جائے''۔)

☆

www.rahimia.org

مقالہ

4

سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن

تحریر
مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

www.rahimia.org

سرمایہ اور محنت سے متعلق بحث کی نوعیت
اس بحث کا پیدائشِ دولت سے تعلق
پیدائش دولت کے مبینہ عوامل
''سرمایہ'' اور ''محنت'': اصل عاملینِ پیدائشِ دولت
سرمایہ کے استحصالی کردار کا جائزہ
سرمایہ کی استحصالی قوت کا ایک اَور پہلو
''سرمایہ'' کی اصل حقیقت اور اس کا تعاونی کردار
سرمایہ کے استحصالی کردار کا تجزیہ
''سرمایہ'' کی تعاونی اہمیت
محنت؛ حقیقی اور اصل عاملِ پیدائشِ دولت
تعاونِ باہمی کا اُصول
عاملینِ پیدائشِ دولت؛ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر
شاہ صاحبؒ کی نظر میں محنت کی عظمت
حاصلِ کلام

www.rahimia.org

سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن

سرمایہ اور محنت سے متعلق بحث کی نوعیت

معاشیات میں ''سرمایہ'' (Capital) اور ''محنت'' (Labour) کے متعینہ کردار سے متعلق بحث اپنی نوعیت کے اعتبار سے خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ علمِ معاشیات میں چوں کہ انسانی زندگی کی ''معاشی احتیاجات'' (Economic Wants) اور ان کی ''معاشی تسکین'' (Economic Satisfaction) کے حوالے سے ''پیدائشِ دولت'' (Production of Wealth) اور ''تقسیمِ دولت'' (Distribution of Wealth) پر بحث کی جاتی ہے، یوں دولت کی پیدائش اور اس کی متوازن تقسیم میں سرمایہ اور محنت کے کردار کا تعین گویا معاشیات کی بنیادی اور اہم مباحث میں سے ہے۔ یہی وَجہ ہے کہ ہر ایک نظامِ معیشت (Economic System) اس حوالے سے بحث کو اوّلیت دیتا ہے۔

یوں تو دنیا میں بہت سے نظریات اور افکار زیرگردش ہیں۔ اس حوالے سے مختلف نظام ہائے حیات اپنے اپنے افکار و خیالات پیش کرتے ہیں۔ سرمایہ اور محنت کی بحث بھی ان نظریات و افکار کے حوالے سے تہی دامن نہیں ہے۔ خاص طور پر اس صورتِ حال میں، جب کہ سرمائے کو بہ طور ایک استحصالی قوتِ پیدائشِ دولت اور انسانی محنت کو بہ طور ایک کمزور عاملِ پیدائشِ دولت کی حیثیت دینے کے لیے طرح طرح کے بے سرو پا خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ چناں چہ اس قسم کے ذہنی تخیلات تشکیل دے کر خود ساختہ نظریات و افکار کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے، جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایسے میں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اعتدال اور توازن کے ساتھ اس اہم ترین معاشی مسئلے پر گفتگو کی

www.rahimia.org

جائے اور اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے انسانی زندگی میں تعاونِ باہمی (Co - Operation) کی روح کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلے کی وضاحت کی جائے۔

اس بحث کا پیدائشِ دولت سے تعلق

چوں کہ معاشیات کے عمومی قواعد کی رُو سے تقسیمِ دولت کا انحصار پیدائشِ دولت کے عوامل (Factors of Production) پر رکھا گیا ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ جو عوامل پیدائشِ دولت میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں، دولت کی تقسیم میں ان کا ہی حصہ ہوتا ہے۔ علمِ معاشیات کا عمومی ضابطہ یہی بیان کیا جاتا ہے۔ اس لیے ''تقسیمِ دولت'' پر بحث سے قبل ''پیدائشِ دولت'' کے عوامل پر گفتگو کی جاتی ہے۔ اس طرح عواملِ پیدائش دولت کی بحث کا آغاز ہو جاتا ہے۔

پیدائشِ دولت کے مبینہ عوامل

عام طور پر مفکرینِ معاشیات اس بات پر زور دیتے ہیں کہ پیدائشِ دولت کے چار عوامل ہیں:

1۔ زمین (Land)

2۔ سرمایہ (Capital)

3۔ محنت (Labour)

4۔ تنظیم (Organization)

1۔ زمین (Land) کی تعریف

معاشیات میں ''زمین'' سے مراد صرف سطحِ ارض ہی نہیں، بلکہ وہ تمام مادے اور قوتیں اس عنوان میں شامل ہیں، جنھیں قدرت نے انسان کے واسطے زمین، پانی، ہوا، روشنی اور حرارت و توانائی اور معدنیات وغیرہ کی صورت میں پیدا کیا ہے۔

www.rahimia.org

2۔سرمایہ (Capital)

اس سے مراد وہ تمام اموال ہیں، جو زمین یعنی قدرتی مادی اشیا اور انسانی محنت کے تعاون سے وجود میں آتے ہیں اور پھر مزید دولت پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایسا مال جو ذاتی تصرف میں استعمال ہوجائے، دولت (Wealth) کہلاتا ہے۔ جب کہ سرمایہ کا اطلاق مزید دولت پیدا کرنے کے لیے استعمال کی جانے والی نمو پذیر اشیا واموال پر ہوتا ہے۔

3۔محنت (Labour)

معاشیات میں محنت سے مراد انسان کا ذہنی یا جسمانی نفع پہنچانے کا ہر وہ کام ہے، جسے معاوضہ اور اُجرت (Wages) حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ روحانی لذت یا آخرت کے فائدے کے حصول، جسمانی ورزش یا کسی کو نقصان پہنچانے (مثلاً کسی کا مال چوری، ڈاکہ زنی، قتل و غارت گری) اور بغیر معاوضہ لیے محض خدمت کے طور پر کیے جانے والے کام' معاشی محنت کے زمرے میں نہیں آتے۔

4۔تنظیم (Organization)

اس سے مراد ایسی تنظیم اور منصوبہ بندی ہے، جو ایک ماہرِ فن ذہنی اور جسمانی مشقت اُٹھا کر ان مذکورہ بالا تینوں عوامل کو باہم مربوط کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے اور اس سے زیادہ سے زیادہ نتائج حاصل کرنے کے لیے اپنی تنظیمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔

معاشیات میں عمومی طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ یہ چار عوامل' پیدائشِ دولت میں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں، لہٰذا تقسیمِ دولت بھی اسی حوالے سے ہوگی۔

''سرمایہ'' اور ''محنت'': اصل عاملینِ پیدائشِ دولت

بادی النظر میں یہ چار عوامل شاید اسی طرح محسوس ہوں، جس طرح انھیں بیان کیا جاتا ہے، لیکن بہ غور مطالعہ اس جانب رہنمائی کرتا ہے کہ پیدائشِ دولت کے اہم اور بنیادی

www.rahimia.org

عوامل (Factors) جنھیں معاشی حوالے سے زیرِ بحث لایا جاسکتا ہے، صرف دو ہیں:

1۔ ''سرمایہ''

2۔ اور ''محنت''

تنظیم: چوں کہ کسی انسان کی تنظیمی صلاحیتوں کے اظہار کا نام ہے، جو کہ ذہنی اور جسمانی محنت و مشقت کے امتزاج کا ہی دوسرا نام ہے، اس لیے وہ ''محنت'' سے ہٹ کر کوئی الگ اور مستقل عامل نہیں ہے۔ جیسا کہ محققین ماہرینِ معاشیات کی رائے ہے[187]۔

اسی طرح ''زمین'' (Land): قدرتِ خداوندی کا عطیہ ہے۔ جب تک وہ قدرتی حالت میں رہتی ہے، کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتی۔ وہ جب انسانی استعمال میں آتی ہے اور وہ اُسے محنت کرکے آباد یا حاصل کرتا ہے تو اس میں پیدا شدہ اِفادیت (Utility) کی وجہ سے وہ ''سرمایہ'' (Capital) یا ''دولت'' (Wealth) کے زمرے میں داخل ہوجاتی ہے۔ اس سے پہلے ''زمین'' اپنی الگ اور مستقل کوئی حیثیت نہیں رکھتی کہ جس کا معاوضہ طے کیا جائے۔ اس لیے کہ اُس سے پہلے وہ محض قدرتی شئے ہے، جس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انسان مالک نہیں ہے۔

اس طرح معاشیات کے محققین کے نقطۂ نظر سے عواملِ پیدائشِ دولت کی بحث سمٹ کر ''سرمایہ'' اور ''محنت'' کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ لہٰذا عاملینِ پیدائشِ دولت کے تناظر میں ان دونوں کے عملی کردار کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

سرمایہ کے استحصالی کردار کا جائزہ

سرمایہ اور محنت کی بحث کے دوران سامراجی اور استحصالی ذہنیت کے حامل مفکرینِ معاشیات سرمایہ داری نظام (Capitalism) کو ثابت کرنے کے لیے سرمایہ کے عامل ہونے کی صلاحیت کا اظہار کچھ اس انداز میں کرتے ہیں کہ سرمایہ کی طاقت استحصالی قوت (Exploiting force) کے طور پر اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ سرمایہ ایک معاون عامل ہونے کے بجائے اصل اور بنیادی عاملِ پیدائشِ دولت ہے، بلکہ

www.rahimia.org

استحصالی عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرزِ تفکر کے نتیجے میں مثبت سرمایہ کاری کے بجائے استحصالی سرمایہ داری نظام کی اَساس اور بنیاد قائم کی جاتی ہے۔ بتلایا جاتا ہے کہ سرمایہ کے پاس سودا کاری (Bargaining) کی قوت بہت زیادہ ہے۔

جب یہی سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھنے والے لوگ انسانی محنت کے بہ طور عاملِ پیدائشِ دولت ہونے کا ذکر اپنی کتابوں میں کرتے ہیں تو اس کی حیثیت اس حد تک گرا دی جاتی ہے کہ اسے برابری تک کی بنیاد پر سودا کاری (Bargaining) کی قوت سے بھی محروم کردیا جاتا ہے، جس سے عملاً انسانی محنت کی معاون عامل ہونے کی حیثیت بھی ختم ہوکر رہ جاتی ہے۔ یہی وَجہ ہے کہ عملی طور پر سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ (Capital) ایک استحصالی قوت (Exploiting force) کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اس طرح انسانی محنت کی عظمت کو پسِ پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ یوں سرمایہ کو معیشت کا محور و مرکز بنا کر معاشی استحصال 'لوٹ کھسوٹ' اور اقتصادی تباہ کاری کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

سرمایہ کی استحصالی قوت کا ایک اَور پہلو

سرمایہ کی استحصالی قوت کو اُجاگر کرنے میں ایک اَور پہلو نے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں ''زر'' (Money) کے ذریعے مزید زر حاصل کرنے کا معاشی رویہ سامنے آیا ہے، جس نے سود کے جواز اور عدمِ جواز کی بحث کو سِرے سے ہی ختم کر کے رکھ دیا۔ اس سامراجی نظام کی انسانیت دشمن کہانی کا آغاز دراصل اسی بنیاد اور اسی معاشی رویے سے ہوجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تبادلۂ اشیا واَجناس (Exchange of Goods and Commodities) معاشی تعاونِ باہمی کی اساسی ضرورت رہی ہے۔ انسان کے معاشی ارتقا نے تبادلے کے عمل کو سہل کرنے اور تعاونِ باہمی کو آسان تر بنانے کے لیے ''زر'' (Money) کی تخلیق کی ہے۔

سونے چاندی کے سِکّوں کی صورت میں ''زر'' (Money) کی گردش (Circulation) سے تبادلۂ اشیا کے عمل میں انتہائی آسانیاں پیدا ہوگئیں۔ لیکن وہی زر جسے تعاونِ باہمی کی

www.rahimia.org

اساس پر رواج دیا گیا تھا، سامراجی اور استحصالی ذہنیتوں نے اسے کرائے (Rent) پر چڑھانے کا ایسا تباہ کن سلسلہ شروع کیا کہ اس سے جدید شکل میں سرمائے کا سودی نظام فروغ پانے لگا۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ ''زر'' کو ''سرمایہ'' قرار دے کر اُس کا معاوضہ ''رینٹ'' کی صورت میں حاصل کرنے کا نظام بنایا، جب کہ زر کی اصل ساخت صرف آلۂ مبادلہ کی تھی۔ وہ خود ایسی کوئی اِفادیت نہیں رکھتا کہ جس سے براہِ راست انسان کی کسی معاشی حاجت کی تسکین ممکن ہو سکے، حال آں کہ ''سرمایہ'' تو وہ قدرتی زمین اور اشیا و اَجناس ہیں، جن میں انسانی محنت سے بڑھوتری، نشو و اِرتقا اور اِفادیت (Utility) پیدا ہوتی ہے اور اُسے مزید ویلیو ایڈیشن کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

صنعتی دور میں اس ''زر'' پر مبنی سرمایہ داری سودی نظام نے یوں ترقی کی کہ عام لوگوں کی پس انداز کی ہوئی بچتوں (Savings) کو تعاونِ باہمی کے اصول پر صنعتوں (Industries) میں لگانے کے بجائے ''مزید زر'' حاصل کرنے کے لیے کرائے اور سود (Interest) پر چڑھانے کے نظریے کو فروغ دیا گیا۔ اس سے صنعت پر ایک مخصوص طبقے کی اجارہ داری (Monopoly) کا سلسلہ شروع ہوا۔

بینکوں میں اپنی بچتوں کو جمع کروانے والے افراد صنعتوں کے حقیقی فوائد ــ جو کہ اس کے سود سے کہیں زیادہ ہیں ــ سے محروم رہے۔ سرمایہ داروں کے لیے سرمایہ جمع کرنے والے بینکوں نے عام لوگوں کی جمع شدہ بچتوں کو ان سرمایہ داروں کی جھولی میں لا ڈالا۔ اس طرح صنعتوں کی ترقی کے حقیقی فوائد و ثمرات اپنی بچتوں کو بینکوں میں جمع کرانے والے عام لوگوں کے بجائے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں نے خود سمیٹ لیے۔ یوں سرمایہ دار کی ایک فیکٹری کے بعد دوسری فیکٹری لگنے لگی۔ اس طرح بہ تدریج اجارہ داریاں (Monopolies) وجود میں آنے لگیں اور سرمایہ کا ایسا سامراجی کردار اور استحصالی پہلو سامنے آیا جو اس سے قبل موجود نہ تھا۔

www.rahimia.org

''سرمایہ'' کی اصل حقیقت اور اس کا تعاونی کردار

اگرچہ سرمایہ داروں نے عملاً سرمائے کو استحصالی قوت دے رکھی ہے، ملکی صورتِ حال کا معاشی جائزہ اس پر گواہی دے رہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بنیادی طور پر سرمایہ کسی استحصالی قوت کا نام نہیں ہے، بلکہ تعاونِ باہمی (Co - Operation) کی اساس پر ایک ایسی قوت کا نام ہے، جو مثبت سرمایہ کاری میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ اس لیے کہ علمِ معاشیات میں ''سرمایہ'' کی تعریف کے مطابق قدرتی زمین، اشیا اور اَجناس میں انسانی محنت کی وجہ سے جو وسائل حاصل ہوئے ہیں، انھیں مزید ویلیو ایڈ کرنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ یوں اس کا تعاونِ باہمی کا کردار زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ عام لوگوں کے باہمی اجتماعی تعاون کے بغیر بچتوں پر مشتمل سرمایہ تشکیل پذیر ہی نہیں ہوسکتا۔ یہی وَجہ ہے کہ سرمائے کی تشکیل اور اُس کے داخلی وجود میں لوگوں کے اجتماعی تعاون کی بھرپور کارفرمائی موجود ہے۔

یہ بات طے ہے کہ کسی چیز کی تشکیل اور اس کا وجود جس اجتماعی عمل اور اصولِ کلی کا مرہونِ منت ہو تو اس کے دائرۂ عمل میں اسی اجتماعی عمل اور اصول کی کارفرمائی ایک فطری امر ہے۔ اس لیے سرمایہ کا فطری اور صحیح استعمال یہ ہے کہ اسے ''تعاونِ باہمی کے اصول'' پر پورے انسانی معاشرے کی اجتماعی خدمت کے جذبے سے ہی استعمال میں لایا جائے۔ اس حوالے سے سرمائے کی فعالیت اور پیدائشِ دولت کے عامل ہونے کی حیثیت سے اس کا کردار ایسا ہونا چاہیے، جو پورے سماج کی اجتماعی ترقی کا ذریعہ بنے۔

سرمایہ کے استحصالی کردار کا تجزیہ

ایک طرف تو سرمائے کی یہ حقیقت اور نوعیت ہے، جب کہ دوسری طرف سامراجی بیمار ذہنیت نے سرمائے کو باہمی تعاون میں استعمال کرنے کے بجائے استحصالی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کے لیے اپنی ساری طاقت اور قوت صَرف کردی ہے۔ اس سے عملاً

www.rahimia.org

یہ سمجھ لیا گیا کہ سرمایہ اور استحصال (Exploitation) آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ ایسا سمجھا جانا اگرچہ معروضی صورتِ حال میں بالکل صحیح تھا، لیکن سامراجی ذہنیت کے اس کردار نے سرمایہ کے بارے میں متضاد اور غیر حقیقت پسندانہ نظریوں کو جنم دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک جانب سرمائے کو بنیادی عاملِ پیدائشِ دولت قرار دے کر اور انسانی محنت کی سوداکاری کی قوت کو ردّ اور اُس کی توہین کرکے اُسے استحصالی رُوپ دیا گیا تو اس کے ردعمل میں دوسری جانب سرمایہ کے استحصالی کردار کے خاتمے کی جدوجہد میں اس کی تعاونی اہمیت کو بھی نظرانداز کردیا گیا۔ یوں سرمایہ کی اصل حقیقت عام لوگوں کے ذہنوں میں کچھ اس طرح اُلجھا کر رکھ دی گئی کہ اس کا صحیح طور پر سراغ لگانا مشکل ہوکر رہ گیا۔ جب کہ ضرورت اس امر کی تھی اور ہے کہ سرمایہ کے استحصالی کردار اور اس کی ظالمانہ قوت کا خاتمہ کرکے اُس کی اجتماعی تعاون پر مشتمل قوت اور انسانی خدمت پر مبنی اس کے کردار کو سامنے لایا جائے۔

''سرمایہ'' کی تعاونی اہمیت

لوگوں کی چھوٹی چھوٹی بچتوں کے مجموعے سے مرتب ہونے والے اجتماعی نوعیت کے حامل سرمایہ (Capital) کو تعاونِ باہمی کے اصول پر اس طریقے سے استعمال میں لایا جائے کہ اس کے حقیقی فوائد سے اپنی اپنی بچتوں کو جمع کرنے والے تمام لوگ یکساں طور پر مستفید ہوں۔ اس طرح اس میں چھپی ہوئی تعاونِ باہمی کی قوت کا اظہار کچھ اس انداز میں سامنے آئے کہ پورا سماج اس سے فوائد حاصل کرے۔

اس سلسلے میں بینکوں میں جمع ہونے والی لوگوں کی بچتوں کو قرضوں کی معیشت کے تصورات کے بجائے تعاونِ باہمی کی اساس پر استعمال میں لایا جائے۔ اس لیے کہ دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق قرض کا معاملہ ''عقدِ تبرُّع'' ہے۔ اس پر زائد رقم وصول کرنا استحصالی کردار کے زمرے میں آتا ہے۔ جب کہ تعاونِ باہمی کی اَساس پر لوگوں کی جمع شدہ بچتوں سے یکساں طور پر سب لوگ مستفید ہونے چاہئیں۔

www.rahimia.org

محنت؛ حقیقی اور اصل عاملِ پیدائشِ دولت

ظاہر ہے کہ سرمایہ میں جو تعاونی قوت موجود ہے، وہ اپنے فطری اور اَساسی معاون یعنی محنت ایسے بنیادی عامل کے بغیر کوئی نتیجہ نہیں دے سکتی۔ انسانی محنت کے تعاون کے بغیر سرمائے کا اپنا وجود تک مشکوک ہو کر رہ جاتا ہے، چہ جائے کہ اس کا کوئی کردار سامنے آئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ معاشی محنت کی اپنی ایک عظمت ہے۔ وہ ایک ایسا بنیادی عامل پیدائش دولت ہے کہ سرمایہ کے بغیر بھی پیدائش دولت کا عمل جاری رکھ سکتا ہے۔

''زمین'' (Land) پر مشتمل قدرتی اشیا کو ''دولت'' یا ''سرمایہ'' کی شکل دینا اور ان میں ''افادیت'' (Utility) پیدا کرنا انسانی محنت کا ہی کام ہے، خواہ وہ زراعت اور تجارت کی صورت میں ہو یا صنعت وحرفت کی صورت میں سامنے آئے۔ جدید دور میں ٹیکنالوجی کی تمام تر جدتیں بھی اس کی عظمت اور اہمیت کو چیلنج نہ کرسکیں۔ آج بھی ٹیکنالوجی کی تمام تر جدتوں اور تمام تر ترقی یافتہ آلات کے باوجود انسانی محنت کا اپنا ایک بلند مقام ہے، جسے آئندہ بھی کسی صورت چھینا نہیں جاسکتا۔

اندریں حالات سرمایہ کی تعاونی قوت کا اُبھار اور کردار اسی وقت ظاہر ہوگا، جب کہ اُسے انسانی محنت کا اَساسی تعاون حاصل ہو۔ اور انسانی محنت کا تنوع اور اس کے اثرات و ثمرات کا پھیلاؤ اسی وقت سامنے آئے گا، جب کہ سرمایہ کی تعاونی قوت اس کے ساتھ تعاون کرے۔ اس طرح انسانی محنت کو اصل اور بنیادی مقام دیتے ہوئے اُس کی عظمت اور بلندئ کردار کو تسلیم کرنا ہوگا۔ سرمائے اور محنت دونوں کے باہمی تعاون سے ایک ایسا توازن اور اعتدال پیدا کرنا ضروری ہے، جو یقینی طور پر انسانی سماج میں عدل و انصاف پر مبنی معتدل اور متوازن نظامِ معیشت قائم کرے۔ یوں ان دونوں میں تعاونِ باہمی کے اصول کی کارفرمائی سے درست معاشی نظام کی تشکیلِ جدید ممکن ہے۔

www.rahimia.org

تعاونِ باہمی کا اُصول

تعاونِ باہمی کا اُصول انسانی زندگی کا ایسا لازمہ ہے کہ جو صرف معاشیات تک ہی محدود نہیں، بلکہ انسانی زندگی کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی دائرے بھی اسی اصول کی بنیاد پر ترقی کرتے ہیں۔ البتہ معاشی نظام کی تشکیل میں اس کی اہمیت فطری طور پر دوچند ہو جاتی ہے۔ تعاونِ باہمی کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشادِ ربانی ہے:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ (188)

(نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کا تعاون کرو، گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو)

اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

> ”جب کہ انسان مَدَنِیُ الطَّبَع (یعنی فطری طور پر اجتماعیت پسند) واقع ہوئے ہیں تو ان کی معاشی زندگی باہمی تعاون و اشتراک کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تعاون اور باہمی اشتراکِ عمل کو واجب کر دیا ہے۔ اور یہ بھی لازم کر دیا ہے کہ کسی فرد کو بھی (تعاونِ باہمی کے) ایسے امور سے کنارہ کش ہونے کا حق حاصل نہیں ہے، جو تمدن میں دخیل ہیں، مگر یہ کہ کسی شخص کو بعض مجبور کن حالات ایسا کرنے پر مجبور کریں“ (189)۔

تعاونِ باہمی ایسا بنیادی اور اساسی اصول ہے کہ معاشرے کے تمام سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی مسائل اس اصول کی روشنی میں حل کیے جا سکتے ہیں۔ چناں چہ کسی چیز کی مثبت یا منفی افادیت متعین کرنے کے لیے اس اصول کو سامنے رکھنا ہوگا۔

علمِ معاشیات کی بحث میں سرمایہ کی مثبت افادیت (Positive Utility) اس وقت ظاہر ہوگی، جب کہ محنت کی اساسی حیثیت کے ذریعے اس کی تعاونی قوت کا اظہار ہو۔ اگر سرمائے کا استحصالی کردار (Exploitative Character) سامنے آتا ہے تو یہ اس کا منفی افادیت (Negative Utility) کا پہلو ہوگا۔ اس حوالے سے سرمایہ کی تعاونی قوت پر مبنی مثبت سرمایہ کاری کی اہمیت اپنی جگہ مُسلَّم رہے گی۔ چناں چہ مالی ترقی اور سرمائے کے نمو کی

www.rahimia.org

ضرورت واضح کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

"ثمّ الاستنماء فی أموال النّاس بمعونة فی المعاش یتعذّر أو یتعسّر استقامة حال المدینة بدونھا." (190)

(پھر یہ بات بھی پیشِ نظر رہنا ضروری ہے کہ اگر معاشی معاملات میں لوگوں کے درمیان مالی تعاون اور اشتراکِ عمل کے ذریعے مالی ترقی اور نمو (بڑھوتری) بروئے کار نہ آئے تو ملک کی معاشی حالت کا درست رہنا بڑا ہی مشکل ہے۔)

عاملینِ پیدائشِ دولت؛ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ تعاونِ باہمی کے اس اصول کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کے بعد پیدائشِ دولت کے اسباب پر گفتگو کرتے ہیں۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ نے محنت اور سرمایہ کے مابین عادلانہ توازن کی بنیاد پر مثبت سرمایہ کاری اور اس کی بنیادی شرائط کا ذکر کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"پیدائشِ دولت کا اصل الاصول یہ ہے کہ:

الف: **حیازة الأموال المباحة:** (اموالِ مباح (قدرتی مادی اشیا، جب کہ وہ کسی کے قبضے میں نہ ہوں) میں سے کسی شئے کو (اپنی محنت کے ذریعے) اپنے قبضے میں لیا جائے۔)

ب: **استنماء ما اختصّ به، بما یستمدّ من الأموال المباحة:** (انسان اموالِ مباح (اور اپنی محنت) کے ذریعے اپنے اس مال میں افزائش اور بڑھوتری پیدا کرے، جسے اس نے مزید نفع حاصل کرنے کے لیے مخصوص کرلیا ہے (یعنی سرمایہ)۔

مثلاً گھاس وغیرہ چرا کر اپنے ان جانوروں کی افزائش کرنا، جنھیں اس نے اس لیے پالا ہوا ہے، یا مقبوضہ زمین کی درستگی اور پانی کی سیرابی کے ذریعے سے زراعت اور کاشت کاری کرتا ہے۔

www.rahimia.org

لیکن پیدائشِ دولت کی ان دونوں صورتوں میں اوّلین شرط یہ ہے کہ

''و یشترط فی ذٰلک أن لا یضیّق بعضھم علٰی بعض بحیث یفضی إلٰی فساد التّمدّن''(191)۔

(پیدائشِ دولت کا عمل اس طرح نہ ہونے پائے کہ ایک فرد دوسرے فرد کے لیے معاشی تنگی کا باعث بن جائے اور اس طرح انسانی تمدن کو فاسد اور برباد کردے۔)

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ سرمایہ اور محنت کے مابین عادلانہ توازن پر مبنی اس سرمایہ کاری کی مختلف صورتیں بیان فرماتے ہیں، جو لوگوں کے درمیان تنگی پیدا کرنے کے بجائے تعاونِ باہمی کو فروغ دینے کا سبب بنتی ہیں۔ چناں چہ تجارتی سرمایہ اور انسانی محنت کے درمیان تعاون کی صورت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ایک شخص وہ ہے، جو تجارتی سرمایہ کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتا ہے اور ایک معین مدت تک اس مال کی حفاظت کر کے محنت و مشقت برداشت کرتا ہے اور اس طریقے سے وہ اپنے تجارتی مال میں اضافہ کرتا ہے''(192)۔

صنعتی سرمایہ اور محنت کے مابین عادلانہ توازن پر مبنی تعاون کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''ایک شخص لوگوں کے مال (جدید دور میں بچتوں پر مشتمل جمع شدہ سرمایہ) سے ایسی مصنوعات تیار کرتا ہے، یا ایسی ایجادات (جدید دور میں ٹیکنالوجی کی جدتیں بھی اس میں داخل ہوسکتی ہیں) کرتا ہے کہ جس سے اس مال میں بڑھوتری اور اضافہ ہوجاتا ہے''(193)۔

پیدائشِ دولت کی ان تمام صورتوں کو بیان کر کے شاہ صاحبؒ تعاونِ باہمی کے بنیادی اصول کی اہمیت اُجاگر کرتے ہیں:

''ان سب صورتوں میں تعاون کے بغیر معاشی زندگی میں استواری پیدا نہیں ہوسکتی۔ بہرحال ان تمام معاملات میں صحیح تعاون اور اشتراکِ عمل ضروری

www.rahimia.org

اور واجب ہے۔ اگر سرمایہ کاری اس طریقے سے کی جائے کہ اس میں سِرے سے تعاون کا دخل ہی نہ ہو، جیسا کہ جوئے کا کاروبار کرنا، یا ایسے طریقے سے سرمایہ کاری کی جائے کہ بہ ظاہر تو تعاون نظر آتا ہو، لیکن حقیقت میں وہ زبردستی کا تعاون ہو، حقیقی تعاون نہ ہو، جیسا کہ سودی کاروبار میں ہوتا ہے، یہ درست نہیں ہے"(194)۔

شاہ صاحبؒ کی نظر میں محنت کی عظمت

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ محنت کی عظمت واضح کرتے ہیں۔ وہ سرمایہ کے مقابلے پر محنت کی سودا کاری کی قوت (Bargaining Power) کو کمزور بنانے اور اُسے کم اُجرت پر مجبور کردینے کو انتہائی غلط اور ظلم قرار دیتے ہیں۔ وہ محنت کش سے عدل کے متوازن اصولوں پر مبنی سودا کاری کو لازمی اور ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس کی مجبوری کی رضامندی کو حقیقی رضامندی نہیں سمجھتے۔ مجبور محنت کش کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کو انسانی معاشرے میں باطل اور حرام قرار دیتے ہیں۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"فإنّ المفلس یضطرّ إلٰی التزام ما لا یقدر علٰی إیفائہٖ، و لیس رضاؤہ رضاً فی الحقیقۃ، فلیس من العقود المرضیّۃ، و لا الأسباب الصّالحۃ، و إنّما ھو باطل و سحت بأصل الحکمۃ المدنیۃ"(195).

(ایک مفلس اور نادار اپنی معاشی پریشانیوں کی وَجہ سے ایسی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھا لینے پر مجبور ہوجاتا ہے، جن کو پورا کرنے کی اپنے میں طاقت نہیں پاتا (یا ایسی کم اُجرت پر کام کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے، جسے وہ اپنی ضروریات کے لیے ناکافی سمجھتا ہے۔) اس کی ایسی رضامندی حقیقت میں رضامندی نہیں ہے۔ یہ بات پسندیدہ معاہدات میں سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ معیشت کے صحیح اسباب میں ہے۔ یہ اصولِ تمدن کے مطابق سِرے سے باطل اور حرام معاملہ ہے۔"

www.rahimia.org

حاصلِ کلام

اگرچہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ صنعتی دور سے قبل کی شخصیت ہیں، لیکن ان کے معاشی افکار کی روشنی میں سرمایہ اور محنت کے حوالے سے اصولی رہنمائی ملتی ہے۔ سرمایہ اور محنت کی بحث کو اگر شاہ صاحبؒ کے افکار کی روشنی میں دیکھا جائے تو بنیادی فکر یہ سامنے آتا ہے کہ معاشرے کی معاشی ترقی اسی میں مضمر ہے کہ سرمایہ اور محنت دونوں کے مابین عادلانہ توازن پر مبنی تعاونِ باہمی کو اس انداز سے فروغ دیا جائے کہ اس پر ملکی نظامِ معیشت کا ڈھانچہ بہتر طور پر اُستوار ہو سکے۔ اگر ان کے درمیان قائم شدہ توازن (Balance) ختم کر دیا جائے تو ملکی معاشی نظام میں تباہی کے اثرات بڑی دور تک جا پہنچیں گے۔

اگر سرمایہ کی طاقت اور قوت غلط طور پر استعمال کی جائے اور وہ محنت کو اصل عاملِ پیدائش سمجھنے کے بجائے اس پر حاوی ہو جائے اور اس سے عادلانہ توازن کے ساتھ معاملہ کرنے کے بجائے کمزور فریق کی حیثیت سے معاملہ کیا جائے تو معاشرے میں معاشی حوالے سے فساد اور ظلم پیدا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر سرمائے کی مثبت صلاحیتوں اور تعاونی حیثیت سے انکار کر کے محض محنت کی بنیاد پر آگے بڑھا جائے اور جدید ٹیکنالوجی اور صنعت پر مشتمل سرمائے کا تعاون حاصل نہ کیا جائے تو مطلوبہ نتائج کا حصول بہت معمولی حد تک ممکن تو ہے، لیکن یہ عمل انتہائی سست روی کا شکار ہو جائے گا، جس کے ملکی اور قومی ترقی پر منفی اثرات مرتب ہوں گے اور اجتماعی اور قومی مورال ختم ہو کر رہ جائے گا۔

اندریں حالات عادلانہ توازن پر مبنی باہمی تعاون کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے سرمایہ اور محنت کی قوتِ عاملیّتِ پیدائشِ دولت کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ ان دونوں کے متوازن تعاون سے ہی مؤثر اور مفید نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ ان کے درمیان عادلانہ توازن ہی مثبت نتائج کو یقینی بنا سکتا ہے اور فلاح و بہبود پر مبنی درست معاشی نظام کی تشکیلِ جدید میں بنیادی کردار ادا کر سکتا ہے۔

☆

www.rahimia.org

مقالہ

5

دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و اہمیت

تحریر
مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

www.rahimia.org

معاشیات اور محنت کی قدر و اہمیت

''محنت'' معاشیات کی اصطلاح میں

معاشی محنت کی اہمیت ؛ اللہ تعالیٰ کی نظر میں

سود کی حرمت کا اصل سبب ؛ محنت کا نہ ہونا

معاشی محنت اور حضور ﷺ کے ارشادات

معاشی محنت اور صحابہ کرامؓ کا عمل

محنت کش دین کی نظر میں

حضورؐ کی تشکیل کردہ سوسائٹی میں محنت کی قدر و منزلت

معاشی محنت ؛ فقہا اور علما کی نظر میں

محنت پسند علما اور فقہا کے اسمائے گرامی

معاشی محنت دین و عقل کی نظر میں

معاشی محنت ؛ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر

خلاصۂ کلام

محنت کی بنیاد پر نظام کا خاکہ

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اقتصادی اُصول

www.rahimia.org

دین کے معاشی نظام میں

محنت کی قدر و اہمیت

معاشیات اور محنت کی قدر و اہمیت

یوں تو آج کے دور کا تقاضا یہ ہے کہ دین کے حوالے سے، انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں محنت و عمل کی اہمیت کو اُجاگر کیا جائے۔ لیکن چوں کہ اس دنیا میں انسانی زندگی کے وجود کے لیے معیشت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ویسے بھی بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ موجودہ دور اقتصادیات اور معاشیات کا دور ہے۔ اس لیے وقت کا تقاضا ہے کہ دین فطرت کے معاشی نظام میں ''محنت'' کی قدر و اہمیت پر روشنی ڈالی جائے۔ حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ فرماتے ہیں:

> ''آج کا دور سیاسی، معاشی اور مختلف نظریات کی سیاستوں اور معاشی فلسفوں کے غلبے کا دور ہے۔ مذہب بن رہے ہیں تو سیاسی۔ معاشی پارٹیاں بن رہی ہیں تو سیاسی۔ مسائل پیدا ہو رہے ہیں تو سیاسی اور معاشی۔ ان حالات میں جب تک کسی دینی مسئلے کو سیاسی چاشنی کے ساتھ پیش نہ کیا جائے، تو وہ عوام کے لیے قابلِ التفات نہیں ہوتا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے اسلام کو سیاسی اور معاشی رنگ کے دلائل سے پیش کیا جائے۔ یہ سیاسی رنگ اسلام کے حق میں کوئی بیرونی رنگ نہ ہوگا، بلکہ اسی کے اندر کا ہوگا۔

www.rahimia.org

حالات محرک ہوں گے اور ان کے فطری اور طبعی قسم کے معاشی اور سیاسی پیکر، اس تحریک سے نمایاں ہوکر اسلام ہی کی سیاست ومعیشت کو نمایاں کریں گے۔ اگر اس میں (اسلام میں) سیاست و اجتماعیت کے اصول وقوانین نہ ہوتے تو صدیوں تک اس کی وہ مثالی حکومتیں دنیا میں نہ چل سکتیں، جنھوں نے دین و دیانت کے غلبے کے ساتھ، سیاسی حکمرانی کے فرائض بھی سرانجام دیے اور آج بھی مسلم حکمرانوں کی بود و نابود اسی دور کی مستحکم فرماں روائیوں کے ثمرات ہیں''(196)۔

اس سے آج کے دور کے معروضی حقائق کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کسی بھی دور سے متعلقہ مسائل کو جب تک حل نہ کیا جائے تو کوئی چیز بھی نافذ نہیں ہوسکتی۔ اس لیے وقت کا تقاضا ہے کہ ہمارے دین کے ذمہ دار حضرات دین کی معاشی حیثیت کو کماحقہ سمجھیں۔ یہ دور چوں کہ معاشیات کا دور ہے، اس لیے جب تک معروضی نقطۂ نگاہ سے معاشیات سے متعلقہ مباحث، اس کے علمی وعملی اثرات و نتائج، اس سے پیدا ہونے والے بگاڑ کا صحیح تجزیہ نہیں کیا جائے گا اور پھر دین کے موضوعی (طے شدہ) اصولوں کو آج کے معروضی حقائق کے ساتھ ملا کر صحیح حل پیش نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کو استحصالی سامراجی نظاموں سے نجات دلا کر دین اسلام کے عادلانہ نظام کا احیا ناممکن ہے۔

''محنت'' معاشیات کی اصطلاح میں

انسانی حرکت وعمل ایک خاص مقصد سے ہوتو معاشیات میں اس کو ایک اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ چناں چہ معاشیات میں ہر انسان کی ہر حرکت وعمل کا نام ''محنت'' نہیں، بلکہ اس سے مراد:

''ہر انسان کا ہر وہ ذہنی یا جسمانی فعل ہے، جس سے اشیائے صَرف میں ایک خاص قسم کی افادیت پیدا ہوجائے اور جس سے اس کا ارادہ اُجرت حاصل

www.rahimia.org

کرنا ہو"۔

یعنی معاشیات کی رو سے "محنت کش" ہر اُس انسان کو کہیں گے، جو کہ "زمین" (Land) سے پیدا ہونے والے قدرتی وسائل اور سرمائے میں محنت اور عمل کر کے اس کو انسانوں کے لیے مفید مطلب بنا دیتا ہے۔

محنت کی اس اصطلاحی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے معاشی ڈھانچے (Structure) میں انسانی محنت، بنیادی اور جوہری کردار ادا کرتی ہے۔ اگر انسانی محنت نہ ہو تو پھر معاشیات کا سارا سٹرکچر زمین بوس ہو جائے۔ اس لیے کہ معاشیات کا ڈھانچا (Structure) انسانی محنت کے گارے سے چنا ہوا ہے۔ اور جب کسی معاشرے میں اس کی قدر و قیمت گر جائے تو وہ معاشرہ اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔

معاشی محنت کی اہمیت؛ اللہ تعالیٰ کی نظر میں

علم معاشیات کی نظر سے "محنت" کو دیکھنے کے بعد آیئے دیکھیں کہ دینِ فطرت نے "محنت" کو اپنے نظام میں کیا اہمیت دی ہے۔ چناں چہ ہم سب سے پہلے قرآن کریم میں دیکھتے ہیں، اس نے "معاشی محنت" کی اہمیت کو کس طرح بیان کیا ہے۔ چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں پر محنت کو واجب قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (197)

(پس جب نماز تمام ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے رزق تلاش کرو۔)

اس آیت میں رزق کے لیے زمین میں پھیل جانے کا حکم دیا گیا۔ نیز تلاش اور سعی کا حکم ہے۔ دوسرا یہ کہ اس جگہ اَمر کا صیغہ استعمال کیا ہے، جو کہ عام طور پر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ گویا رزق کے حصول کے لیے محنت اور سعی ضروری ہے۔ اس کے بغیر "رزقِ حلال" کا حصول مشکل ہے۔

ایک اَور آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ انسان کے لیے صرف

www.rahimia.org

وہی چیز ہے جو کہ اس نے اپنی سعی اور محنت سے کمائی۔ چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ (198)

(انسان کے لیے وہی ہے، جو اس نے محنت سے کمایا۔)

گویا انسانی سماج میں محنت ہی وہ اہم اور بنیادی چیز ہے کہ جس کی بدولت انسان اشیائے صرف کو اپنے زیرِاستعمال لاتا ہے۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس مال سے خرچ کرو جو تم نے اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کمایا ہے۔ چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ (199)

(اے ایمان والو! اس پاکیزہ مال سے خرچ کرو جو تم نے محنت کر کے پیدا کیا۔ اور اس مال سے جو ہم نے قدرتی طور پر زمین سے تمھارے لیے پیدا کیا۔)

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم ہے کہ تم اپنی کمائی کا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں انسانی سماج کی خدمت کے لیے خرچ کرو۔ یہ انسان کی نفسیات میں سے ہے کہ جو چیز وہ محنت و مشقت سے حاصل کرے، اس کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔ جو چیز بغیر محنت کے مفت مل جائے اس کی قدر و اہمیت نہیں ہوتی۔ اس لیے اس آیت میں انسان کی اسی بیماری کا علاج بتایا گیا ہے، کہ مال کی محبت کی وجہ سے اس کو جمع نہ کرے، بلکہ اپنی محنت کی کمائی کو اجتماعی مفاد کے لیے سوسائٹی پر خرچ کرے۔ اس طرح محنت کی اہمیت کے بیان کے ساتھ مال کو جمع کرنے والی خصلت کو بھی ختم کیا جا رہا ہے۔

سود کی حرمت کا اصل سبب؛ محنت کا نہ ہونا

دین کے معاشی نظام میں محنت کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر خدا تعالیٰ نے اس اُمت پر ''سود'' کو حرام قرار دیا۔ اس لیے کہ جس سوسائٹی میں سودی نظام رائج ہو جاتا ہے، وہ سوسائٹی عیش پسندی، اور آرام طلبی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ جب بغیر کام کے محض

www.rahimia.org

سرمائے کے بل بوتے پر سودی ''منافع'' ملے تو بھلا کون آدمی ''محنت'' کرے گا؟

امام فخرالدین رازیؒ ''سود'' کی حرمت کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''إنّ اللّٰه تعالٰی إنّما حرّم الرِّبا من حیث أنّه یمنع النّاس عن الإشغال بالمکاسب، و ذٰلک لأنّ صاحب الدّرهم إذا تمکّن بواسطة عقد الرِّبا من تحصیل الدّرهم الزّائد، نقدًا کان أو نسیئةً، خفّ علیه اکتساب وجه المعیشة، فلا یکاد یتحمّل مشقّة الکسب، و التّجارة، و الصّناعات الشّاقة، و ذٰلک یُفضی إلٰی انقطاع منافع الخلق، و من العموم أنّ مصالح العامّه لاتنتظم إلاّ بالتّجارات، و الحِرَف، و الصّناعات، و العمارات'' (200).

(اللہ تعالیٰ نے سود کو اسی وجہ سے حرام قرار دیا ہے کہ سودی کاروبار لوگوں کو محنت کے ذریعے مال کمانے سے روکتا ہے۔ اس لیے کہ جب سرمایہ دار، سودی کاروبار کے نتیجے میں ''قدرِ زائد'' نقد یا اُدھار کی شکل میں حاصل کرنے لگ جائے تو محنت کے ذریعے مال کمانے کی اہمیت، اس کے نزدیک کم ہوکر رہ جائے گی۔ پس وہ اتنی محنت و مشقت بھی برداشت نہیں کرے گا جو کہ اشیا کی تیاری اور اس کی خرید وفروخت میں ضروری ہوتی ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ مخلوق کے تمام منافع کو ختم کر کے رکھ دے گا۔ حال آں کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ دنیا جہان کی مصلحتیں تجارت، صنعت اور شہروں کی آبادکاری میں مضمر ہیں اور یہ چیزیں بغیر محنت کے وجود پذیر نہیں ہوسکتیں۔''

سود کی حرمت کی یہی وجہ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی بیان فرمائی ہے اور محنت کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں:

''و إذا جری الرّسم باستنماء المال بهٰذ الوجه أفضٰی إلٰی ترک الزّراعات و الصّناعات، الّتی هی اُصول المکاسب'' (201).

www.rahimia.org

(اور جب سودی کاروبار کے ذریعے مال بڑھانے کی رسم جاری ہو جائے تو لوگ کمانے کے بنیادی ذرائع، یعنی زراعت اور صنعت میں محنت کر کے مال کمانا ترک کر دیں گے۔)

قرآنی آیتِ ربا کی ان تشریحات سے معلوم ہوا کہ معاشرہ اور سماج کے لیے محنت کی بنیاد پر نظام کا قائم ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی فرد معاشرے میں محنت کے بغیر محض سرمائے کے بل بوتے پر مفت خوری پر مبنی سودی نظام قائم کرنے کی سعی کرتا ہے تو وہ حقیقت میں معاشی محنت کی اہمیت کا انکار کرتا ہے اور لوگوں کے اجتماعی فوائد کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ سوسائٹی پر بوجھ ایسا فرد معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ اس کو محنت کا عادی بنانا از حد ضروری ہے۔

معاشی محنت اور حضور ﷺ کے ارشادات

قرآن کریم انسان کی رہنمائی کے لیے ایک نظریہ اور نصب العین فراہم کرتا ہے۔ اور حضور اقدس ؐ اس نظریے کے مطابق ایک عملی نظام اُمت کو دیتے ہیں، جسے قرآن نے ''اُسوۂ حسنہ'' سے تعبیر کیا ہے۔ جب قرآن نے ''محنت'' کو معاشی نظام میں اتنی اہمیت دی ہے تو پھر ناممکن ہے کہ حضرات انبیا علیہم السلام کی زندگی میں ہمیں اس کی جھلک واضح طور پر نظر نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی زندگی میں معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے محنت اور مشقت برداشت کی ہے اور اس طرح خود اپنے ہاتھ سے حاصل کیے ہوئے ''پاکیزہ رزق'' کو اپنے تصرف میں لائے ہیں۔ انھوں نے اس میں کوئی عار بھی محسوس نہیں کی۔ جس طرح آج کل ایک مخصوص طبقہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں اپنا رویہ بنائے ہوئے ہے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے معاشی نظام میں ''محنت'' کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے انبیاؑ کا طرزِ عمل بھی بتلا دیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

''عن المِقدام عنِ النّبیّ ﷺ قال:

''مـا أكـل أحـدٌ طـعـامًا قطُّ، خيرًا مِن أن يأكل مِن عمل يدهٖ،

www.rahimia.org

و أنّ نبیَّ اللّٰہ داؤد علیہ السّلام کان یأکل مِن عَمَلِ یدہ“ [202].

(حضرت مقدام رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

”اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام جو اللہ کے نبی تھے، اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔“)

ایک اور حدیث مبارکہ میں گزشتہ انبیاؑ کے وہ تمام پیشے بیان کیے گئے ہیں، جن میں یہ معزز ترین ہستیاں اپنے ہاتھ سے کام کرکے اپنی معاشی ضروریات پورا کیا کرتی تھیں:

”کان داؤد زرّاداً، و کان آدم حارثاً، و کان نوح نجّاراً، و کان إدریس خیّاطاً، و کان موسیٰ راعیا“ [203].

(حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کاشت کاری کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام درزی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مویشی چراتے تھے۔)

آج کے دور اور حالات میں یہ حدیث انتہائی قابل غور ہے۔ ہمارا معاشرہ اس طرح کے کام کرنے والے محنت کش لوگوں کو ذلیل سمجھتا ہے اور انھیں حقارت سے ”کمّی“ کہا جاتا ہے۔ یہ سارا اَثر اس جاگیردارانہ اور ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام کے جبر کا ہے، جس میں ہم جکڑے ہوئے ہیں، ورنہ ایک حقیقی مسلمان ان تمام پیشوں کو سنتِ انبیا کرامؑ سمجھ کر کبھی بھی ذلیل نہ سمجھتا۔

افسوس تو اس بات پر ہے کہ انگریز سامراج کو ہمارے ملک سے گئے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے، لیکن آج بھی ہمارے پٹوار خانے کے رجسٹروں میں یہ تمام پیشے ”کمّی“ شمار کیے جاتے ہیں۔ اور پھر طرفہ تماشا یہ کہ دیہات کی مسجد کا امام بھی ان ”کمّیوں“ میں شامل ہے، بلکہ امام صاحب کا اندراج اس رجسٹر میں ”کمّیوں“ کے بھی نچلے درجے میں ہوتا ہے۔

www.rahimia.org

گزشتہ انبیاؑ کے علاوہ خود آپ ﷺ نے اپنی معاشی ضروریات اور احتیاجات کے لیے محنت و مشقت فرمائی اور اس سے اپنی ضروریات کو پورا فرمایا۔ چناں چہ امام بخاریؒ نے آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی نقل کیا ہے:

"عن ابی هُريرة عن النبىّ ﷺ، قال:

"ما بعث اللّٰه نبيّاً إلّا رعى الغنم،

فقال أصحابه: و أنت؟

فقال: "نعم! كنتُ أرعاها علىٰ قراريط لأهل مكّة"(204).

(حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا مبعوث نہیں کیا، جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔"

صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا: کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟

آپ نے فرمایا: "ہاں! میں نے بھی اہل مکہ کی بکریاں چند ٹکوں کے عوض چرائی ہیں۔")

آج جس معاشرے کے افراد چرواہے کو حقیر نظروں سے دیکھتے ہیں اور محنت کش کی زندگی کا مذاق اُڑاتے ہیں، وہ اس حدیث کی روشنی میں اپنے طرزِ عمل کا اندازہ لگالیں۔

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نزولِ وحی کے وقت آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کے بنیادی پانچ اَوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

1۔ **"إنّک لتصل الرّحم"**: بے شک آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔

2۔ **"و تحمل الكلّ"**: آپ لوگوں کا بوجھ اٹھا کر منزلِ مقصود تک پہنچاتے ہیں۔ کوئی مزدور، کوئی ہاری بوجھ اٹھائے جا رہا ہے، بوڑھا ہے، نہیں اٹھا سکتا، حضور ﷺ اس کا بوجھ اپنے کندھے پر اُٹھا کے اُس کی منزلِ مقصود تک پہنچا دیتے۔

www.rahimia.org

3۔ ”و تکسب المعدوم“: آپؐ جو آدمی کما نہیں سکتا، اُسے کما کر کھلاتے ہیں۔ ”معدوم الرّزق“ جس کے پاس رزق نہیں ہوتا، اپنی محنت اور مشقت سے اُس کو کما کر کھلاتے ہیں۔

4۔ ”و تقری الضّیف“: آپؐ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔

5۔ ”و تعین علٰی نوائب الحق“: حقیقی مصیبتوں اور قدرتی آفات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں(205)۔

ایک اور حدیثِ مبارکہ میں آپؐ کے بارے میں وارد ہے:

”و أذرع رسول اللّٰہ ﷺ بالجُرُف“(206).

(جرف مقام میں رسول اللہ ﷺ نے خود کاشت کاری کی۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے کسانوں کی طرح محنت کر کے خود کاشت کاری کی ہے۔ محنت کے ذریعے معاشی ضروریات کو پورا کرنے کی یہی اہمیت تھی کہ آپؐ نے اُمت کو ایک اور انداز سے بھی اس کی ترغیب دی ہے۔ فرماتے ہیں:

”عن أبی هُریرة رضی اللّٰہ عنه، قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ:

”إنّ مِن الذّنوب ذنوبًا لا تکفّرها الصّلوٰة، و لا الصّیام، و لا الحجّ و العمرة.“

قالوا: فما یکفّرها یارسول اللّٰہ ﷺ؟

قال ﷺ: الهَمّ فی طلب المعیشة“(207).

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

”یقیناً گناہوں میں سے بعض گناہ ایسے ہیں جن کی بخشش نہ نماز سے، نہ روزے سے، نہ حج سے اور نہ عمرے سے ہوتی ہے۔“

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! پھر انھیں کون سا عمل بخشواتا ہے؟

www.rahimia.org

آپ ؐ نے فرمایا: ''رزق کی تلاش میں غم اور فکر کرنا۔''

اس حدیث میں جہاں معیشت کے لیے جدوجہد اور محنت کی ترغیب ہے، وہاں یہ حدیث ان لوگوں کے لیے تازیانۂ عبرت بھی ہے، جنھوں نے دین کو صرف عبادات تک محدود کر رکھا ہے اور گناہوں کا کفارہ انھیں کو سمجھا جاتا ہے۔ حال آں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے بعض گناہ طرزِ معیشت کی محنت میں خرابی سے متعلق ہیں۔ اگر یہ محنت صحیح نہ ہوئی تو وہ گناہ جو دراصل سوسائٹی سے متعلق ہونے کی وجہ سے بڑے عظیم گناہ ہیں، اسی وقت معاف ہو سکتے ہیں، جب کہ ''طلبِ معیشت'' کے لیے صحیح نظام کی فکر انسان پر سوار ہو جائے، لیکن آج کے آرام پرست اور عیش پسندی کے دور میں ''محنت'' کو ایک عیب سمجھا جاتا ہے۔

یہ نتیجہ ہے اس سرمایہ پرستی کا جو سرمایہ دارانہ نظام کے تحت خوب برگ و بار لاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ نظام میں ہر آدمی محض سرمایہ کا بندہ ہو کر رہ گیا ہے۔ محنت سے جی چرانا اس کا وطیرہ بن چکا ہے۔ پھر محنت کش لوگ خواہ وہ کسان ہوں یا مزدور، ان کو انتہائی حقیر نظروں سے دیکھنے کی عادت بھی اس بے ڈھنگے معاشرے میں پیدا ہو چکی ہے۔ حال آں کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ تمام انبیائے کرامؑ ''محنت کش'' تھے۔ انھوں نے کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کر کے اپنی معاشی احتیاجات وضروریات کو پورا کیا۔ یہی نہیں بلکہ خود کما کر لوگوں میں تقسیم کیا، سوسائٹی کا خیال رکھا اور اسے ترقی دے کر بامِ عروج پر پہنچایا۔

معاشی محنت اور صحابہ کرامؓ کا عمل

اسی طرح حضرات انبیائے کرامؑ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی محنت اور مشقت کی زندگی اختیار کی۔ آرام طلبی اور عیش کوشی میں نہیں پڑے۔ چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحابہ کرامؓ کی زندگی کا نقشہ ان الفاظ کے ساتھ کھینچتی ہیں:

''قالت عائشةؓ: كان أصحابُ رسولِ الله ﷺ: ''عُمّالَ أنفسِهم، فكان يكون لهم أرواحٌ، فقيل لهم: لو اغتسلتم''[208].

www.rahimia.org

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: آپؐ کے صحابہ کرامؓ محنت مشقت کا کام خود کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے پسینہ آ کر جسم میں بدبو پیدا ہوجاتی تھی۔ اسی لیے انھیں کہا گیا کہ جمعہ کے اجتماع کے موقع پر غسل کر کے آیا کرو!۔)

اسی طرح ایک اَور حدیث میں حضرت ابوہریرہ –رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ– صحابہ کرامؓ کی معاشی محنت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''إنّ إخواننا مِن المهاجِرين كان يشغلُهم الصَّفْقُ بالأسواق، و إنّ إخواننا مِن الأنصار كان يشغلُهم العمل فی أموالهم'' [209].

(بے شک ہمارے مہاجرین بھائی بازار میں خرید و فروخت میں مشغول رہتے تھے۔ اور ہمارے اَنصاری بھائی اپنی زمینوں میں کاشت کاری کے عمل میں مشغول رہتے تھے۔)

حضرت ابوبکر صدیقؓ بہ حیثیت محنت کش

اسی طرح امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ – رضی اللہ عنہا – کی ایک اور روایت حضرت ابوبکر –رضی اللہ عنہٗ– کے بارے میں نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفۂ اوّل کس طرح اپنی معاشی ضروریات کے لیے محنت و مشقت کا کام کرتے تھے:

''أنّ عائشةَ قالت: لما استُخلِف ابوبكرِن الصّدّيق قال:

''لقد عَلِمَ قومی إنّ حِرُفَتِی لم تكُن تعجُزُ عن مؤنة أهلی، و شُغِلْتُ بأمر المسلمين، فسيأكلُ آلُ أبی بكر مِن هٰذا المال، و يحترِفُ للمسلمين فيه'' [210].

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: جب حضرت ابوبکر خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے خطبے میں ارشاد فرمایا:

''میری قوم یہ بات بہ خوبی جانتی ہے کہ میرا تجارتی پیشہ میرے اہل و عیال کی کفالت بہ خوبی کرسکتا ہے، مگر اب میں مسلمانوں کے معاملاتِ

www.rahimia.org

(خلافت) میں مشغول کر دیا گیا ہوں۔ لہٰذا اب ابوبکر کے اہل و عیال کی قُوْتِ لا یَمُوت (ضروری روزی) بیت المال سے ملے گی اور ابوبکر مسلمانوں کی خدمت کا پیشہ کرے گا۔")

اس روایت سے حضرت ابوبکر صدیق خلیفۂ اولؓ کا جو طرزِ عمل معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ معاشی ضروریات اور احتیاجات کے لیے محنت بنیادی عمل ہے۔ خواہ ہاتھ کے ساتھ عمل کر کے کوئی پیشہ اختیار کیا جائے، یا دماغی اور ذہنی محنت و مشقت کر کے وسائل رزق حاصل کیے جائیں۔

محنت کش دین کی نظر میں

ان گزارشات سے یہ بہ خوبی واضح ہوگیا ہے کہ دین کے معاشی نظام میں "محنت" کو بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ محنت کے بغیر معیشت کا پہیہ جام ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب جو طاقت محنت و مشقت کر کے معیشت کے پہیے کو رواں دواں رکھتی ہے، اس کی اہمیت اس سے بھی دو چند ہو جاتی ہے۔ اور یوں محنت کش کا وجود معاشرے اور سوسائٹی کے لیے ضروری قرار پاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور اقدسؐ نے محنت کش کی عظمت کو یوں اُجاگر فرمایا ہے:

"أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ"[211]۔

(مزدور اور محنت کش کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو!)

جو معاشرہ اور سوسائٹی محنت کش مزدور کسان کی مزدوری پوری نہ ادا کرے اور اس کی محنت کا استحصال کرے، اسے اس حدیث کے آئینے میں اپنی شکل ضرور دیکھنی چاہیے۔ ایک طرف تو مسلمانی کا دعویٰ اور پھر آپؐ کی محبت کا دعویٰ اور دوسری طرف آپ ﷺ کے ارشادِ گرامی کو پس پشت ڈال کر محنت کش کی محنت کا استحصال کیا جائے!

ایک اَور حدیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

عن رافع بن خديجؓ، قال: قيل يا رسولَ اللّٰه! أيّ الكسب

www.rahimia.org

أطیَب؟ قال: ''عَمَلُ الرّجُل بیدہٖ، و کُلُّ بیعٍ مَبرُورٍ''[212].

(حضرت رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کون سا پیشہ زیادہ پاکیزہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاتھ کی مزدوری اور ہر سچی خرید وفروخت (جس میں جھوٹ فریب کا دخل نہ ہو)۔''

اسی طرح محنت کش کو اللہ کا دوست کہا گیا ہے:

''الکاسِبُ حبیبُ اللّٰہ''[213].

(محنت کش اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔)

جو انسان اللہ تعالیٰ کا دوست ہو، ہم اسے دھتکاریں اور معاشرے میں اسے باعزت مقام نہ دیں، ایسا معاشرہ کسی طور پر بھی دینی یا اسلامی معاشرہ نہیں کہلا سکتا۔ ایسے معاشرے کے نظام میں تبدیلی لانا از حد ضروری ہے، تاکہ صحیح اور عادلانہ سوسائٹی قائم کی جاسکے، جو خدا تعالیٰ کے ''حبیب'' یعنی مزدور کو ایک باعزت مقام دلا کر خدا کے غیظ و غضب سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکے۔

خدا تعالیٰ تین طرح کے انسانوں کا دشمن ہے اور جس کی تفصیل بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ایک روایت میں بیان کی گئی ہے: (حدیث قدسی ہے)

''قال اللّٰہ تعالیٰ: ''ثلاثۃٌ أنا خصمُھم یوم القیامۃ:

رجلٌ: أعطٰی بی، ثُمّ غَدَرَ، و رجُلٌ: باع حُرًّا فأکل ثَمَنَہ،

و رجُلٌ: استأجَرَ أجیرًا، فاستوفٰی منہ، و لم یُعطِہِ أجرَہٗ''[214].

(اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مَیں قیامت کے دن تین طرح کے لوگوں کے خلاف مدعی بنوں گا:

(۱) پہلا وہ آدمی جس نے میرے نام پر کسی سے عہد کیا اور پھر اسے توڑ دیا،

(۲) دوسرا وہ آدمی جو کسی آزاد آدمی کو فروخت کر کے رقم کھا گیا،

(۳) تیسرا وہ آدمی جس نے مزدور رکھا اور اس سے پورا کام کروایا، لیکن اسے اُجرت نہ دی۔)

www.rahimia.org

اس حدیث کا تعلق جس طرح تین قسم کے افرادِ انسانی کے ساتھ ہے، اسی طرح ان تین ظالم اقوام سے بھی ہے، جو ایسا ہی کردار ادا کریں۔ چناں چہ اگر کوئی سامراجی قوم توسیع پسندی کے مہلک مرض میں مبتلا ہوکر آزاد قوموں کو غلام بنا کر فروخت کرنے کی عادی ہو اور اس رقم سے اپنی خوش حالی اور ترقی کا ڈھنڈورا پیٹے تو ایسی قوم کا دشمن خدا تعالیٰ اور وہ خدا تعالیٰ کی دشمن ہے۔

اسی طرح کوئی سامراجی نظام، کسی محنت کش قوم کی محنت کا استحصال کرے، اس کی محنت سے پیدا شدہ خام مال سستے داموں خرید لے اور پھر انتہائی مہنگے داموں اسی کو فروخت کردے اور قرضوں کے جال میں جکڑ کر اس کی معیشت کو تباہ و برباد کرڈالے، ایسی قوم بھی خدا کے عتاب کا نشانہ بنے بغیر نہیں رہ سکتی۔

ایسی خدا دشمن قوم کے خلاف جدوجہد کرنا اور ایسے نظام کو توڑنا جو محنت کا استحصال کرے، دینی حوالے سے بالکل جائز اور خدا کی رَضا کا موجب ہے۔

حضورؐ کی تشکیل کردہ سوسائٹی میں محنت کی قدر و منزلت

محنت کے بغیر قائم شدہ معاشرہ چوں کہ انسانیت کے لیے ننگ و ذلت کا باعث ہے، اس لیے نبی کریمؐ نے ایسے معاشرے کے خلاف انقلاب برپا کرکے محنت کی بنیاد پر جو معاشرہ اور سماج تشکیل دیا تھا، اس کی کیفیت یہ تھی کہ جو انسان کوئی پیشہ اختیار کرکے محنت و مشقت نہیں کرتا تھا، صحابہ کرامؓ اور خلافت وحکومت کے نزدیک ایسے کسی انسان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی۔ خواہ اپنی ذات میں وہ کتنی ہی قدر و منزلت کیوں نہ رکھتا ہو۔ چناں چہ خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے اس طرزِ عمل سے اس دور کے معاشی رویے کی پوری عکاسی ہوتی ہے:

”كان عمر رضى الله عنه إذا نظر إلٰى ذى سِيُمَا،

يسأل: أ لَهُ حِرفَةٌ؟ فإذا قيل: لا، سَقَطِ مِن عَيُنِه.“ (215)

(حضرت عمرؓ عموماً جب کسی ذی وجاہت آدمی کو دیکھتے تو سوال کرتے:

www.rahimia.org

"کیا یہ کوئی پیشہ اختیار کیے ہوئے ہے؟"

جب کہا جاتا کہ: نہیں!، تو ایسا آدمی آپؐ کی نظروں سے گر جاتا۔)

جب خلیفۂ وقت کی نگاہ سے کوئی آدمی گر جائے، بھلا اس کو باقی سوسائٹی میں کیسے عزت و شرف حاصل ہوسکتا ہے۔

آج ہمارے ہاں معاملہ اُلٹ ہے۔ جو کوئی محنت نہ کرے محض سرمائے کے بل بوتے پر لوگوں کا استحصال کرے، وہ ہمارے معاشرے میں اہم مقام رکھتا ہے، لیکن جو بے چارہ اپنی عزت بچاتے ہوئے معاشرے میں محنت و مشقت کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالے، وہ "کَمّی" کہلاتا ہے۔ وہ حقیر مزدور اور کسان سمجھا جاتا ہے، جس کی معاشرے میں کوئی اہمیت اور قدر نہیں ہے۔

خدا کا خوف کھایئے! معاشرے کی کس قدر کایا پلٹ ہوگئی کہ دین کے عروج کے دور میں جن کی قدر و منزلت تھی، وہ ذلیل سمجھے جائیں۔ جس فرد کی ثانوی حیثیت تھی، وہ معاشرے میں معزز ترین فرد سمجھا جائے۔ ایسے معاشرے کے خلاف اقدام کرنا اور اسے خلافتِ راشدہ کے منہاج پر لانا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

معاشی محنت؛ فقہا اور علما کی نظر میں

قرآن کریم، اُسوۂ نبی کریمؐ اور صحابہؓ کی زندگی کے نقشے سے "محنت" کا تصور جس طرح نکھر کر سامنے آتا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ "محنت" کا اثر ہمیں دین کے وارث سچے فقہائے اُمت اور علمائے حق کی زندگیوں میں بھی نظر آتا ہے۔ کتنے ہی فقہا و علما ہیں، جنھوں نے محنت کش کی سی زندگی گزاری ہے اور دین کی خدمت سرانجام دی ہے۔

امام بخاریؒ "صحیح بخاری" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کے یہ جملے نقل کرتے ہیں:

"کنتُ أنا و جارٌ لی مِن الأنصار فی بنی اُمیّة بن زید، و هی مِن عوالی المدینة، و کُنّا نتناوب النّزول علیٰ رسول اللہ ﷺ ینزِلُ یومًا و أنزِلُ یومًا"(216).

www.rahimia.org

(میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی مدینہ کے مضافات میں بنی اُمیہ بن زید کے محلے میں رہتے تھے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کے لیے باری مقرر کی ہوئی تھی۔ ایک دن وہ آپؐ کی خدمت میں علم حاصل کرنے جاتا اور ایک دن مَیں علم کے حصول کے لیے آپؐ کے پاس آتا تھا۔)

یعنی ایک دن حضرت عمر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اس دن انصاری صحابیؓ اپنی معاشی سرگرمیوں میں مصروف ہوتے۔ دوسرے دن حضرت عمرؓ اپنی معاشی معاملات سنبھالتے تھے اور انصاری صحابیؓ حضورؐ کی خدمت میں آتے تھے۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ بدرالدین عینیؒ بخاری شریف کی شرح ''عمدۃ القاری'' میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے علم حاصل کرنے کی حرص اور شوق ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث سے یہ پتہ چلا کہ طالبِ علم کو چاہیے کہ وہ اپنی معاشی زندگی کے معاملات کو بھی دیکھے اور اُس کے ذریعے سے طلبِ علم کے حصول میں مدد حاصل کرے''(217)۔

ایسے محنت کش علما کی ایک طویل فہرست ہے، جنھوں نے ''محنت'' کی عظمت کو چار چاند لگائے اور اسی پیشے کی نسبت سے ان کا نام مشہور ہوگیا۔ اس پر کبھی انھوں نے عار محسوس نہیں کی۔ گنتی کے چند علما کا تذکرہ قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

محنت پسند علما اور فقہا کے اسمائے گرامی

1۔ فقہ حنفی کے امام، امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ۔ جو سب اماموں کے امام ہیں۔ ''بزّاز'' یعنی ''کپڑا فروش'' تھے۔ آپؒ کا کپڑے کا وسیع کاروبار تھا۔

2۔ فقہ کے علم سے ذرا بھی مس رکھنے والا کون سا آدمی ایسا ہے جو امام ابوبکر احمد بن علی جصّاص رازی (۳۰۵ھ - ۳۷۰ھ = 917ء - 980ء) کے نام سے واقف نہ ہو۔ حضرت موصوفؒ بڑے امامِ وقت تھے۔ آپؒ پیشے کے اعتبار سے ''الجصّاص'' یعنی ''چونا فروش'' کہلاتے تھے۔

www.rahimia.org

3۔ اسی طرح پھر امام خصافؒ کا حوالہ تو ہماری فقہ کی مشہور کتاب ''ھدایہ'' میں بار بار آتا ہے۔امام احمد بن عمر (متوفی ۲۶۱ھ)، جن کی شہرت ''الخصّاف'' یعنی ''موچی'' کی حیثیت سے تھی۔آپؒ جوتے سازی کا کام کرتے تھے۔

4۔ علم فقہ کی مشہور کتاب ''مختصر القدوری'' کے مصنف امام احمد بن محمد القدوریؒ (۳۶۲ھ - ۴۲۸ھ) کے نام سے تو مدارس اور سکول کے طلبا بہ خوبی واقف ہیں۔ آپؒ کی شہرت ''قدوری'' یعنی ''ہنڈیا فروش'' کے نام سے تھی۔

چند مزید علما وفقہا کے نام اور پیشے درجِ ذیل ہیں:

5۔ ابوعلی ''الدّقّاق'' (آٹا پیس کر فروخت کرنے والے)

6۔ احمد بن اسحاق بن ابونصر فقیہ ''الصَّفَّار'' (پیتل کے برتن فروخت کرنے والے)

7۔ احمد بن علی ابوبکر ترمذی ''الورّاق'' (کاغذ فروش)

8۔ احمد بن محمود ''الحصیری'' (چٹائی بنا کر فروخت کرنے والے)

9۔ احمد بن محمود نور الدین (متوفی ۵۸۰ھ) ''الصّابونی'' (صابن بنانے والے)

10۔ ایوب بن ابی بکر (۶۱۷ھ - ۶۹۹ھ) ''النُّحاس'' (تانبے کا کام کرنے والے)

11۔ عبدالعزیز شمس الائمہ (متوفی ۴۴۸ھ/1056ء) ''الحلوائی'' (حلوا فروش)

12۔ محمد بن ابی بکر المعروف بخمیر ''الوَبَری'' (اُون کا کاروبار کرنے والے)

13۔ محمد بن ابی القاسم المعروف بہ''البقّالی'' (بقّال: سبزی فروش)

14۔ محمد بن احمد الدّلّال (متوفی ۳۹۳ھ) المعروف بہ''الزّعفرانی'' (زعفران فروش)

15۔ محمد بن احمد بن شعیب (متوفی ۳۷۹ھ) ''الخَفّاف'' (موزے بنانے والے)

16۔ محمد بن عبداللہ الصّائغی نسبةٌ إلى الصّیاغة (سُنار، زرگری)

17۔ محمد بن محمد سفیان ابوطاہر ''الدّبّاس'' (شیرہ بنانے والے اور شہد اور شیرہ فروخت کرنے والے)۔[218]

یہ صرف چند علما کی فہرست ہے، جنھوں نے اپنی زندگی میں معاشی ''محنت'' میں کوئی

www.rahimia.org

عار محسوس نہ کی۔ ورنہ ایسے محنت کش حضرات علما وفقہا کی ایک طویل فہرست ہے، جو علمِ اَنساب اور طبقاتِ فقہا کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی ''پیشہ'' ضرور اختیار کیا۔

معاشی محنت دین وعقل کی نظر میں

گزشتہ سطور میں دین کی روشنی میں معاشی محنت کی اہمیت واضح ہوگئی ہے۔ عقلی طور پر بھی دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ محنت کے بغیر انسان بے کار محض ہو جاتا ہے۔ اس لیے رزق کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا از بس ضروری ہے۔ ورنہ محنت کے بغیر زندگی گزارنے والا انسان معاشرے پر بہت بڑا بوجھ ہے، جس کو ہر فرد نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس لیے دین کی تعلیمات کے مطابق دنیا اور آخرت دونوں کے لیے کام کرنا ضروری ہے اور کسی فرد کو دوسرے انسانوں پر بوجھ نہیں بننا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لَیسَ خَیرُکُم مَن تَرَکَ دُنیاهُ لآخِرَتِهٖ، و لا آخِرَتَهُ لِدُنیاهُ، حَتّٰی یُصیبَ مِنهُما جَمیعًا، فَإنَّ الدُّنیا بَلاغٌ إلَی الآخِرَةِ، و لا تَکونوا کَلًّا عَلَی النّاسِ''(219).

(وہ آدمی تم میں بہتر نہیں ہے، جو اپنی دنیا کو آخرت کے لیے چھوڑ دے اور نہ وہ بہتر آدمی ہے جو اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے لیے چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ اُسے دین اور دُنیا دونوں کو حاصل کرنا ہے۔ اس لیے کہ دُنیا آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اور انسانوں پر بوجھ مت بنو (یعنی معاشی محنت کر کے خود کماؤ اور کھاؤ۔)

یہی وجہ ہے کہ ہمارے علمانے ہمیشہ ''محنت'' کو انسان کا لازمہ قرار دیا۔ اور جس نے محنت ترک کی، اس کو ملامت کی۔ چناں چہ علامہ راغب اصفہانی اپنی مشہور کتاب ''الذّریعه إلٰی مکارم الشّریعة''، میں ''محنت'' کی اہمیت کو یوں ذہن نشین کراتے ہیں:

''و لمّا جعل اللّٰه تعالٰی للحیوان قوّة التّحرک لم یجعل له

www.rahimia.org

رزقاً إلاَّ بسعیٍ مّا منہ، و لئلاَّ تتعطّل فائدۃ ما جعل بقوّۃ التّحرُّک"[220]۔

(اور جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو حرکتِ عمل کی قوت عطا فرمائی تو رزق کے حصول کے لیے سعی و محنت بھی ضروری قرار دی، تاکہ قوتِ عملیہ کا فائدہ بے کار اور ضائع نہ چلا جائے۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان پر یہ واجب ہے کہ وہ رزق کے حصول کے لیے محنت کرے اور اگر انسان واقعی انسانیت کے درجے پر رہنا چاہتا ہے تو "محنت" میں سستی اور کوتاہی نہ کرے۔ چناں چہ علامہ راغبؒ نے ایک مستقل باب "**فی مدح السّعی و ذمّ الکسل**" (محنت کی مدح اور بے عملی کی مذمت) کے عنوان سے قائم فرمایا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

"**من تعطّل و تبطّل انسلخ من الإنسانیۃ، بل من الحیوانیۃ، و صار من جنس الموتیٰ**"[221]۔

(جس نے محنت چھوڑی اور بے کار رہنے لگا، وہ انسانیت کے مرتبے سے نکل گیا، بلکہ حیوانیت کے درجے سے بھی گر گیا اور مُردوں کی فہرست میں داخل ہوگیا۔)

اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی طور پر انسان صرف اور صرف وہی ہے جو معاشرے میں رہ کر "محنت" کر کے سوسائٹی کو فائدہ پہنچائے اور جو آدمی محنت کے بغیر سرمایہ پرستی کی لعنت میں مبتلا رہے اور سرمائے پر "سود" (Usury) کو "منافع" (Interest) کے نام سے اُڑا کر یہ سمجھے کہ وہ بھی انسان ہے تو وہ انتہائی غلطی پر ہے، وہ انسان نہیں، حیوان ہے، بلکہ بے حس مردہ ہے۔

لہٰذا وقت کی پکار یہی ہے کہ ایسے سرمایہ پرست مُردوں کی سڑانڈ سے معاشرے کو پاک کیا جائے۔ اس لیے کہ مردہ جب سڑتا ہے تو بدبو پیدا کرتا ہے، جس سے انسانوں

www.rahimia.org

کے دماغ پھٹنے کے قریب ہوجاتے ہیں۔ آج وہی نقشہ ہے کہ معاشرے کے یہ ناسور (جو مُردے ہیں) معاشرے میں سڑانڈ پیدا کر رہے ہیں، انھیں جلد اُٹھا کر دفن کردیا جائے، تاکہ انسانیت اَمن وسکون کا سانس لے سکے۔

معاشی محنت؛ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نقطۂ نظر

اس دور کے مجدد حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ دینِ اسلام کی تعلیمات اور عقل و حکمت کی اَساس پر معاشی محنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”مِن فِقه الرّجُلِ أن ينظُر إلىٰ حاجاته، فليختَرْ كَسْبًا يكفي لها، فكَمْ قد رأينا مِن رجُلٍ وافر الجُوع، قد اختار مِن المَكاسِب كسبًا، لا يسُدُّ خَلَّتَه، فينحَدِر إلىٰ تكدِّى و هَوَانٍ“[222]۔

(آدمی کی سمجھ داری کی باتوں میں سے یہ ہے کہ وہ اپنی معاشی احتیاجات اور ضروریات کو دیکھے اور اُن کے مطابق کوئی پیشہ اختیار کرے۔ کتنے ہی ہم نے بھوک و اِفلاس میں مبتلا آدمی دیکھے ہیں کہ وہ (محنت کرتے ہوئے) پیشوں میں سے ایسا پیشہ اختیار کرتے ہیں، جو اُن کی ضروریات پوری نہیں کرتا۔ پھر وہ پستی اور رُسوائی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔)

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ محنت کش کے لیے دو اہم باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”و للكاسِبِ مقامان، ينبغي أن يتأنَّقَ فيهما، و يعمل برأيه العميق: أحدُهما: اقتناءُ صنعةٍ تكفيه، و ثانيهما: صَرْفُه علىٰ قصدِ تحرّى صواب. و إذا دخل الرّجُل فى كَسْب، فعليه أن ينظُر أوّلًا فى الآلاتِ و أصولِه، فإذا أحُكَمَها فلينظُر إلىٰ دقائقِه و حواشِيْه“[223]۔

(کمانے والے محنت کش کے لیے دو باتوں میں مقامِ مہارت ضروری

www.rahimia.org

ہے، اس کے لیے مناسب ہے کہ ان میں پوری مہارت حاصل کرے اور اس پر خوب سوچ سمجھ کر عمل کرے:

ایک یہ کہ کسی ایسے پیشے میں مہارت حاصل کرے کہ جس سے حاصل ہونے والی آمدنی اس کے لیے کافی ہو۔

اور دوسرے یہ کہ سوچ سمجھ کر اُسے درست طور پر استعمال میں لائے۔

جب کوئی آدمی کسی پیشے میں محنت کرے تو اُس پر لازم ہے کہ سب سے پہلے اُس پیشے سے متعلق آلات اور اُس کے اُصولی کام پر نظر رکھے اور جب وہ اچھی طرح مستحکم ہو جائے پھر اُس کی باریکیوں اور تفصیلات کو دیکھے۔)

شاہ صاحبؒ انسانی معاشروں میں اَسباب کی وجوہات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کوئی طاقت ور آدمی کسی کمزور کی معاشی محنت کو لوٹنے اور اُس کو تباہ کرنے کی کوشش کرے تو اس سے معاشروں میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

”و مِن أعظم أسباب فساد المدينة أن يَّقتَضِبَ واحدٌ على الآخر وجهَ معيشتِه، و إنّما المرضيُّ عند الله أن يطلُب كُلُّ واحدٍ معيشتَه بما يسَّر اللّٰهُ له مِن غير أن يسعىٰ فى إزالة معيشة الآخر“[224].

(کسی ملک کے فساد کے بڑے اسباب میں سے یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے محنت کش کی معیشت پر قبضہ کرلے اور اُسے لوٹ لے۔ اللہ کے ہاں پسندیدہ بات یہ ہے کہ ہر ایک اپنی معیشت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے، جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے میسر بنائی ہے۔ بغیر اس کے کہ کسی دوسرے انسان کے معاشی رزق کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے۔)

خلاصۂ کلام

گزشتہ تمام گزارشات میں یہ بات بہ خوبی واضح ہوگئی کہ دین کے معاشی نظام میں

www.rahimia.org

اصل اور بنیادی حیثیت ''محنت'' کو حاصل ہے۔ انبیا کرامؑ، صحابہ کرامؓ، فقہا عظامؒ اور اولیا کرامؒ کے اقوال اور ان کے طرزِ عمل سے یہ حقیقت مزید نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔

لٰہذا آج کے دور میں یہ انتہائی ضروری ہے کہ ان حضرات کے اُسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے معاشی محنت اور محنت کش کی عظمت کو معاشرے میں اُجاگر کیا جائے۔ اس کو وہی مقام دیا جائے جو خیرالقرون میں اسے حاصل تھا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ''محنت'' کی بنیاد پر دین کا پورا معاشی نظام تشکیل دیا جائے۔ اس لیے کہ مکمل نظام کے بغیر کوئی اُصول اپنی قدر و قیمت نہیں منوا سکتا۔

محنت کی بنیاد پر نظام کا خاکہ

محنت کی بنیاد پر نظام تشکیل دینے کے لیے بنیادی خاکہ، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اقتصادی اُصولوں میں ہمیں ملتا ہے۔ درجِ ذیل اقتصادی اُصول حضرت مولانا سیّد محمد میاںؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی کتابوں؛ ''حجۃ اللہ البالغۃ''، ''البدور البازغۃ'' اور ''الخیر الکثیر'' سے اَخذ کر کے ترتیب دیے ہیں:

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اقتصادی اُصول

(1) دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔ مزدور اور کاشت کار قوتِ کاسبہ ہیں۔ باہمی تعاون مدنیت (شہریت) کی روحِ رواں ہے۔ جب تک کوئی شخص ملک اور قوم کے لیے کام نہ کرے، ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

(2) جوا، سٹہ اور عیاشی کے اڈے ختم کیے جائیں، جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ اور بجائے اس کے کہ قوم اور ملک کی دولت میں اضافہ ہو، دولت بہت سی جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے۔

(3) مزدور، کاشت کار اور جو لوگ ملک اور قوم کے لیے دماغی کام کریں، دولت کے اصل مستحق ہیں۔ ان کی ترقی اور خوش حالی ملک اور قوم کی ترقی اور خوش حالی ہے۔

www.rahimia.org

جو نظام ان قوتوں کو دبائے، وہ ملک کے لیے خطرہ ہے، اس کو ختم ہونا چاہیے۔

(4) جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے، مزدوروں اور کاشت کاروں پر بھاری ٹیکس لگائے، قوم کا دشمن ہے۔ اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔

(5) ضرورت مند مزدور کی رَضا مندی قابل اعتبار نہیں، جب تک اس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امدادِ باہمی کے اُصول پر لازم ہوتی ہے۔

(6) جو پیداوار یا آمدنی تعاونِ باہمی کے اُصول پر نہ ہو، وہ خلافِ قانون ہے۔

(7) کام کے اوقات محدود کیے جائیں۔ مزدوروں کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیے کہ وہ اپنی اَخلاقی اور روحانی اصلاح کر سکیں۔ اور ان کے اندر مستقبل کے متعلق غور وفکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

(8) تعاونِ باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ لہٰذا اس کو تعاون کے اُصول پر ہی جاری رہنا چاہیے۔ پس جس طرح تاجروں کے لیے جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ یا غلط قسم کے ''کمپیٹیشن'' (مقابلہ بازی) سے روحِ تعاون کو نقصان پہنچائیں، ایسے ہی حکومت کے لیے درست نہیں کہ بھاری ٹیکس لگا کر تجارت کے فروغ اور ترقی میں رُکاوٹ پیدا کرے یا رَخنہ ڈالے۔

(9) وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقے میں منحصر کر دے، ملک کے لیے تباہ کن ہے۔

(10) وہ شاہانہ نظامِ زندگی، جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کے عیش وعشرت کے سبب سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو، اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے عوام کی مصیبت ختم کی جائے۔ اور ان کو مساویانہ نظامِ زندگی کا موقع دیا جائے۔ (تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ)[225]

یہ وہ رہنما اقتصادی اساسی اُصول ہیں کہ جن پر اگر صحیح طریقے سے عمل کر کے معاشی نظام تشکیل دیا جائے تو ایک ایسا معاشرہ قائم ہو سکتا ہے، جس میں ہر انسان کی بنیادی

www.rahimia.org

ضروریات پوری ہوں گی۔ اس طرح:

☆ اُس کی محنت کا استحصال ہونے کے بجائے اس کا پورا پورا حق ادا ہو سکے۔

☆ محنت کش کی محنت کی پوری قیمت اس کے پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا ہو جائے۔

☆ محنت کش کو معاشرے میں باعزت مقام مل جائے۔

اس طرح ایک ایسی سوسائٹی قائم ہو جائے، جس میں تمام لوگ امن وسکون کی زندگی بسر کر سکیں، اور اپنی دنیاوی زندگی سے مطمئن اور آسودہ حال ہونے کے بعد زیادہ سے زیادہ اَخلاق اور روحانی ترقی میں منہمک ہو جائیں۔

لیکن ایسے نظام کے قیام سے قبل موجودہ سرمایہ دارانہ سامراجی استحصالی نظام کا خاتمہ اَز حد ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ وہ نظام ہے، جس میں محنت کش کا انتہائی بے دردی سے استحصال کیا جاتا ہے۔ سارا سارا دن محنت کرنے کے بعد اسے اتنی روزی نہیں ملتی کہ وہ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ باعزت طریقے سے پال سکے۔ اس نظام پر جیسے دن گزرتے جاتے ہیں غریب غریب سے غریب تر اور امیر امیر سے امیر تر ہوتا جاتا ہے۔

یہ طبقاتی نظام، جس میں اَسّی نوے فی صد افراد کے استحصال پر مبنی معاشرے میں دس بیس فی صدی افراد عیاشی کرتے ہیں۔ اور محنت کش کو مزید پیس کر رکھ دیتے ہیں، اس قابل نہیں کہ اس کو برقرار رکھا جائے۔ اس کا خاتمہ کروڑوں انسانوں کے امن وسکون کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ و اللّٰہُ الموفِّقُ و المُعین.

☆

www.rahimia.org

مقالہ

6

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریۂ معیشت

خطاب

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

۲۱ / رجب المرجب ۱۴۳۸ھ / 19 / اپریل 2017ء

www.rahimia.org

موضوع کی اہمیت پر تمہیدی کلمات

معاشیات کی اہمیت

اہلِ دین کی ذمہ داری

مسلم برصغیر کا معاشی نظام

اسلام کا اپنا ایک مستقل معاشی نظام

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دینی معاشی فکر میں تجدیدی حیثیت

علمِ معیشت کی حقیقت و دائرۂ کار

ایڈم سمتھ مکتبِ فکر کی نظر میں معیشت

سوشلزم کے بانی مارکس کا نقطۂ نظر

شاہ صاحبؒ کے نقطۂ نظر سے علم معاشیات کی تعریف

سرمایہ داری نظام کے فکر و فلسفے کا تجزیہ

کمیونزم کی فلاسفی کا تحلیل و تجزیہ

ہیگل کا نظریۂ جدلیت

شاہ صاحبؒ کی نظر میں وحدتِ انسانیت

فاسد معاشی نظام اور اُس کی خرابیوں کی نوعیت

طبقاتی معاشی نظام کی خرابیاں شاہ صاحبؒ کی نظر میں

فاسد معاشی نظام کا علاج

دین کے معاشی نظام کو علمی طور پر سمجھنے کی ضرورت و اہمیت

سوالات و جوابات

صدارتی کلمات

www.rahimia.org

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریۂ معیشت

پاکستان کی معروف تعلیمی درس گاہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں موسیٰ پاک شہید چیئر شعبہ علومِ اسلامیہ کے زیرِاہتمام ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار اور عصرِ حاضر'' کے عنوان سے ایک چار روزہ لیکچر سیریز کا انعقاد کیا گیا تھا۔ اس میں راقم سطور نے مذکورہ بالا عنوان پر چار لیکچرز دیے تھے۔ یہ مقالہ اُن میں سے ایک عنوان ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریۂ معیشت'' پر دیے گئے لیکچر پر مشتمل ہے، جو مؤرخہ 19/اپریل 2017ء بروز بدھ کو سیمینار ہال، شعبہ علومِ اسلامیہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں ہوا تھا۔

اس سیشن کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا (سابق چیئرمین شعبہ علومِ اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان) نے کی، جب کہ نظامت کے فرائض پروفیسر ڈاکٹر محمود سلطان کھوکھر نے سرانجام دیے۔ اس مجلس میں شعبہ علومِ اسلامیہ کے اساتذہ، طلبا اور ملتان شہر سے اہلِ علم و دانش اور علما نے بھی شرکت کی۔ لیکچر کے آغاز میں پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن نے تمہیدی کلمات ادا کیے۔ لیکچر کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ اس کے بعد صدرِ مجلس نے صدارتی کلمات ارشاد فرمائے۔

راقم سطور نے لیکچر دینے کے لیے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں سے بہت سے اقتباسات جمع کیے تھے، مقالے کی تخریج و تحقیق کرتے ہوئے انھیں متعلقہ مقامات پر مقالے میں شامل کر دیا گیا ہے، تاکہ شاہ صاحبؒ کی اصل عبارتیں بھی قارئین کے سامنے رہیں۔ یہ مقالہ نظرِ ثانی، تحقیق و تخریج اور عبارتوں کی نوک پلک درست کرنے اور حک و اضافہ کے بعد سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی'' لاہور (شمارہ اپریل تا جون 2019ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ پھر ''خطباتِ ملتان'' کے عنوان سے اس لیکچر سیریز کے تمام خطبات پر مشتمل مجموعے میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ (آزاد)

www.rahimia.org

موضوع کی اہمیت پر تمہیدی کلمات

خطاب
پروفیسر ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم. نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم.

محترم خواتین وحضرات! آپ دو دن کی گفتگو کے بعد اس پروگرام (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار اور عصرِ حاضر کے حوالے سے لیکچر سیریز) کی اہمیت سے واقف ہو چکے ہیں۔ چند باتوں کی یاد دہانی اس وقت مقصود ہے۔سوالات سے یہ بات سامنے آئی کہ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟

اس چیز کو پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے کہ یقیناً ہماری تاریخ بہت ہی ثروت مند (Rich) تاریخ ہے۔ تاریخِ اسلام کا موضوع یقیناً اپنی جگہ ایک بڑا بھرپور موضوع ہے۔ اس تاریخ میں یقیناً بہت بڑی شخصیات اور بڑے بڑے نام ہیں۔ اور ہر شخصیت کا اپنے دور میں ایک بہت بڑا کردار ہے۔ اُس کے کردار پر، اُس کے کام پر اگلے دور کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ یہ ایک تاریخ کا تسلسل ہے۔

تاریخی تسلسل کو سمجھے بغیر ہم علوم سے کسی طور پر بھی واقف نہیں ہو سکتے۔ چاہے نیچرل سائنسز (Natural Sciences) ہوں یا سوشل سائنسز (Social Sciences) ہوں، ہر علم کا ایک ارتقا ہے۔ وہی ارتقا اگلے دور میں اس کو لے کر جاتا ہے۔ اگر کوئی بھی اس ارتقا کا انکار کر دے اور آغاز سے کسی کام کی تدوین کرے گا تو وہ اپنی چھوٹی سے عمر میں یہی کچھ

www.rahimia.org

کر پائے گا، جو پہلے سے ہو چکا ہے اور کوئی اضافہ نہیں کر پائے گا۔ آگے بڑھنے کا راستہ ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ تاریخ میں جو ورثہ ہمارے پاس علمی حوالے سے اور فکری حوالے سے ہے، اس کو سمجھا جائے اور اس کو آگے بڑھانے کے لیے بہ طور بنیاد کے متعین کیا جائے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی خصوصیت ہے کہ وہ پچھلے ایک ہزار سال سے زائد کے اس ورثے کے اگلے دور میں منتقل کرنے کے مُحرِّک بنے۔ انھوں نے سارے ورثے کا نئے سِرے سے جائزہ لیا۔ اُن کا ورثہ پچھلے تمام اہلِ علم، اہلِ بصیرت، اہلِ اخلاص اور اہلِ شعور کی محنتوں کا خلاصہ ہے۔ ہمیں یہ چیز سمجھنی ہے کہ شاہ صاحبؒ کا ذکر تاریخ سے کاٹ کر نہیں ہے، بلکہ تاریخی تسلسل اور تاریخی ارتقا کے ایک اہم مرکز کے طور پر مقصود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آج جس طرح کی ہماری سوسائٹی ہے، وہ بُری طرح مذہبی طور پر تقسیم ہے۔ اس پسِ منظر میں شاہ صاحبؒ کا تعارف بہت زیادہ ضروری ہے کہ وہ ایک ایسی شخصیت ہیں کہ جن پر ہمارے آج کے دور کے جو مروّج فرقے ہیں، وہ سب ان پر متفق ہیں، بلکہ وہ اپنا علمی سلسلہ ان تک پہنچاتے ہیں۔ تو کیوں نہ اس شخصیت سے اور اس کے فکر سے براہِ راست آگہی حاصل کی جائے، تاکہ یہ جو بعد کے مسائل ہیں، ان کو ہم صحیح طور پر سمجھ سکیں اور ان گروہیتوں سے نکل سکیں اور فرقوں سے اوپر اٹھ سکیں۔ شاہ صاحبؒ کی شخصیت سوسائٹی کے اور معاشرے کے مختلف گروہوں کے جوڑ کا ذریعہ ہے۔ اس لیے ان کا تذکرہ نہ صرف ہونا چاہیے، بلکہ اُن کی فکر کو پیشِ نظر رکھا جائے تو درپیش مسائل سمجھ بھی آجاتے ہیں اور ان مسائل کو حل کرنے کی ہمیں نوید بھی ملتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ جس دور میں آئے تھے، وہ دورِ زوال ہے۔ دورِ زوال کا جو شخص مشاہدہ کرتا ہے، دیکھتا ہے اور تجزیہ کرتا ہے، یقیناً اس کا اسلوبِ بیان دورِ عروج کے لوگوں سے مختلف ہوگا۔ وہ اسلوب آپ کو امام غزالیؒ کے ہاں نہیں ملے گا، امام رازیؒ کے ہاں نہیں ملے گا وغیرہ۔ اس لیے کہ وہ دورِ عروج کے لوگ ہیں اور اپنے اپنے شعبے میں کام کر رہے ہیں اور جس شعبے کی تجدید کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں، اس میں

www.rahimia.org

ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔

شاہ صاحبؒ جس دور میں آئے، وہ زوال کا دور ہے۔ مذہبی طور پر بھی، سماجی طور پر بھی، سیاسی طور پر بھی۔ اور بدقسمتی یہ ہے کہ وہ زوال آج ہم تک پہنچا ہوا ہے۔ اب تک کوئی حقیقی تبدیلی نہیں آسکی۔ اس صدی کا جو بھی تجزیہ ہے، وہ آج بھی اسی طرح متعلقہ (Relevant) ہے، جیسے اُن کے اپنے دور میں تھا۔ اور پھر شاہ صاحبؒ اس خطے یعنی برصغیر کی شخصیت ہیں اور وہ برصغیر کے مزاج کو سمجھتے ہیں۔ برصغیر کے اندر جو بھی مختلف مذہبی اور مختلف ثقافتی نوعیتیں ہیں، اس سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ ان کے مقابلے میں ہم کسی باہر کے مفکر کو اگر پیش بھی کریں گے تو اس کا فکر اپنی جگہ پر کتنا ہی اچھا ہو، وہ ہمارے اس ماحول سے متعلق نہیں ہوگا۔

ہمارے ہاں مغرب کا فکر پڑھایا جاتا ہے۔ روسو (1712ء-1778ء) پڑھایا جارہا ہے، ایڈم سمتھ (1723ء-1790ء) پڑھایا جا رہا ہے، کارل مارکس (1818ء-1883ء) پڑھایا جارہا ہے، ٹائن بی (1889ء-1975ء) پڑھایا جا رہا ہے۔ اس طرح کے بہت سارے لوگوں کے نام ہمارے سلیبس میں موجود ہیں۔ یہ جتنے بھی لوگ ہیں، مغرب کے ماحول میں انھوں نے آنکھیں کھولیں۔ وہاں کے مسائل کو پڑھا۔ وہاں کے مسائل کا تجزیہ کیا۔ قطع نظر اس کے کہ وہ نظریہ کیا ہے۔ یہ ایک علاحدہ موضوعِ بحث ہے۔

اس کے مقابلے پر شاہ ولی اللہ دہلویؒ (1703ء-1762ء) اس خطے میں پیدا ہوئے، یہیں پر رہے، یہاں کی جو بھی سیاسی، معاشی اور سماجی کشمکش ہے، اس کا حصہ رہے۔ اس دور میں جو فکری طور پر مسائل تھے، ان کی پوری طرح ان میں آگہی موجود ہے۔ وہ ایک دیسی (Indigenous) مفکر ہیں۔ ہم نے باہر کے مفکر پڑھ لیے۔ وہ فکر یقیناً درآمد شدہ ہے، جب کہ ہمیں یہاں کے مفکر کی بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ دیگر مسلم مفکر جو کسی اَور علاقے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا بھی یقیناً بہت بڑا کنٹری بیوشن (Contribution) ہے اور ان سے بھی استفادہ ہوتا ہے۔ لیکن بات وہیں پر آجاتی ہے کہ

www.rahimia.org

کسی بھی دوسرے مسلم علاقے کا مفکر، وہ ہمارے مزاج کو اس طرح نہیں جانتا، جس طرح یہاں کا مفکر جانتا ہے۔ اس لیے ہمیں ایک قومی مفکر کی ضرورت ہے، جو یہاں کے قومی مسائل کو سمجھتا ہو، یہاں کی ثقافت کو سمجھتا ہو، یہاں کے مذہبی تنوُّع کو جانتا ہو، جو اس برصغیر کے مسائل پر گہری نظر رکھتا ہو، وہ یہاں کے مسائل کا حل پیش کرتا ہو، دنیا کے کسی بھی کلچر، کسی بھی ثقافت میں اُس کی فکر سے پوری طرح استفادہ ہو سکے۔

دیگر مفکرین ایک جیسی ثقافت میں رہے ہیں، وہاں ایک ہی زبان بولی جاتی ہے۔ ایک ہی مذہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اُن کی گفتگو، اُن کے تجزیے میں آپ کو وہ تنوع اور ہمہ گیریت نظر نہیں آئے گی، جو ہمیں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر میں نظر آتی ہے۔ کیوں کہ یہاں کی سوسائٹی ملٹی کلچرل (Multi Cultural) ہے۔

یہاں بہت ساری صداقتیں رہی ہیں، بہت سارے مذاہب ہیں، متعدد زبانیں ہیں۔ برصغیر جس کو مولانا عبیداللہ سندھیؒ ''برعظیم'' کہا کرتے تھے، کہ جو اس کا جغرافیہ ہے، جو اس میں مختلف اقوام کا تنوع ہے، وہ ایک براعظم سے کم نہیں ہے۔ گو فنی طور پر ہم اس کو براعظم نہیں کہہ سکتے، لیکن وہ براعظم سے کم نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں آپ دیکھیں آسٹریلیا کو ''براعظم'' کہا جاتا ہے، حال آں کہ برصغیر کے مقابلے میں اُس کی کیا حیثیت ہے؟ یعنی برصغیر ایک ایسا علاقہ ہے کہ اس علاقے کا جو بھی مفکر ہوگا، اس کی سوچ کثیر الجہات ہوگی۔ اس لیے یہاں ہم کسی گزرے ہوئے دور کو آواز نہیں دے رہے کہ ایک دور تھا، بڑے اچھے لوگ تھے، شاہ صاحبؒ کی بڑی اچھی شخصیت تھی، ان کو ہم خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں، یا مذہبی زبان میں اُن کا کوئی عرس پڑھا جا رہا ہے، ایسا قطعاً نہیں!۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جو گفتگو کی ہے، انھوں نے ایک منہج اور میتھڈ (Method) بھی دیا ہے کہ کس طرح چیزوں کو سوچا اور دیکھا جاتا ہے۔ اور وہ میتھڈ ظاہر ہے کہ بعد میں بھی استعمال میں آتا رہے گا۔ اس لیے جو گفتگو یہاں پر ہو رہی ہے، اس میں صرف شاہ صاحبؒ کا ذکر نہیں آتا، بلکہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور ان کے بعد

www.rahimia.org

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ کا بھی ذکر آتا ہے۔ یہ ایک سکول آف تھاٹ ہے، یعنی ولی اللّٰہی سکول آف تھاٹ (Wliullahi school of thought)۔اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔اس سے ہم کتنا اتفاق کریں یا کتنا اختلاف کریں، یہ ایک علاحدہ موضوع ہے۔لیکن پہلے اس کو سمجھا تو جائے کہ وہ فکر ہے کیا؟

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جو شخصیت ہے، محض عقیدت کی طور پر اُس کا ذکر یہاں پر مقصودنہیں ہے۔ کیوں کہ ان کے عقیدت مند بہت ہیں۔کوئی کسی کی عقیدت کو چیلنج بھی نہیں کرسکتا۔ بات یہ ہے کہ اُن کی فکر کے اندر کون سے پہلو ہیں، کون سی جہات ہیں کہ جن سے ہم آج کے اس ماحول، اس دور اور اس ملک میں استفادہ کر کے، اس سے روشنی حاصل کر سکتے ہیں اور ہم آج کے مسائل کے لیے کوئی بہتر راہِ عمل تجویز کر سکتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جو بھی اُن کی فکر ہے، وہ دینِ اسلام پر ہی استوار ہے۔

آج عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی فلاں سے متأثر ہے، یا فلاں آدمی فلاں جگہ سے متأثر ہے، تو شاہ صاحبؒ کے حوالے سے یہ بات بھی نہیں ہے۔ ان کی فکر کیپٹل ازم (Capitalism)، سوشلزم (Socialism) اور مغرب کی جمہوریت (European Democracy) سے کسی طرح متأثر نہیں۔ کیوں کہ یہ سب چیزیں بعد کی ہیں۔اس لیے وہ کوئی بات کریں گے تو پھر یقیناً اُن پر یہ پھبتی نہیں کسی جاسکتی کہ وہ فلاں نظام سے متأثر ہیں۔ بلکہ اُن کا اپنا علم، مطالعہ، تربیت، مشاہدہ، چیزوں پر غور وفکر، عقل کا استعمال، نقل سے استفادہ، کشف کے ذریعے چیزوں کا پرکھنا اور جانچنا۔ یہ سب چیزیں گویا کہ ان کے علم کے ذرائع میں موجود ہیں۔

اس گفتگو پر مشتمل تمہیدی کلمات کا مقصد یہی ہے کہ آپ ان چیزوں کو ذہن میں رکھ کر ان موضوعات، جن پر یہاں گفتگو ہوچکی ہے، اور جن پر آج اور کل مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب اظہارِ خیال کریں گے، اس پر غور وفکر کریں اور سوالات کے ذریعے اپنے علم میں اضافہ کریں۔ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔شکریہ!

www.rahimia.org

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریۂ معیشت

خطبہ مسنونہ اور لیکچر

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم. اما بعد!

فأعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم. بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم.

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ (226)

و قال النّبیّ ﷺ: ''اُطْلُبُوا الرِّزْقَ مِن خَبَايَا الأرْضِ''(227).

و قال النّبیّ ﷺ: ''الاقْتِصَادُ فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ''(228).

صدق اللّٰہ العظیم و صدق رسولہٗ النّبیّ الکریم.

معاشیات کی اہمیت

صاحبِ صدر اور معزز اساتذہ، طلبا و طالبات، خواتین و حضرات!

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افکار کے حوالے سے آج ہمارا موضوع معیشت جیسے اہم مسئلے پر گفتگو کرنا ہے۔ معاشیات اور اقتصادیات اس دور کا بڑا سلگتا ہوا موضوع ہے۔ بالخصوص اس حوالے سے بھی کہ دنیا بھر پر یورپ کے قبضے کے بعد معاشیات

www.rahimia.org

واقتصادیات کے تصورات زندگی کے باقی تمام زاویوں پر غالب ہو چکے ہیں۔ علم وفکر بھی معاشی اور اقتصادی سرگرمیوں کے تابع ہے، سیاست بھی سرمائے کے گرد گھومتی ہے، مذہب بھی اس کی جیب کی گھڑی بن چکا ہے۔ غور وفکر اور سوچنے کے سوتے بھی سرمائے کے تابع ہو چکے ہیں۔ الغرض! معاشی سرگرمیوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، بلکہ کسی علم وفکر، ملک، فرد، قبیلے، قوم اور اقوامِ عالم کا جائزہ بھی معاشی حوالے سے ہی لیا جاتا ہے۔

اس دور میں جب کہ معاشی اور اقتصادی معاملات ہر چیز پر چھا چکے ہیں، ایسے میں دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں علمی اور فنی طور پر اقتصادی امور یا معاشی علوم پر غور وفکر کرنا انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ دنیا میں معاشی حوالے سے جن دو نظاموں نے اس وقت دنیا کے ایک سو نوّے سے زائد ملکوں پر بالادستی حاصل کی ہوئی ہے، وہ کیپٹلزم کی شکل میں ہو یا کمیونزم کی صورت میں، دونوں ہی انکارِ مذہب کی اساس پر اپنا سیاسی اور معاشی نظام تشکیل دینے کے دعوے دار ہیں۔ اُن کے خیال کے مطابق سوسائٹی تبھی ترقی کرتی ہے، جب مذہب کا انکار کیا جائے اور خالصتاً معاشی نقطہ نظر سے یا سیاسی نقطہ نظر سے معاشروں کو دیکھا اور پرکھا جائے۔ نیز معاشروں کے مسائل کے حل کرنے کے لیے مادی نقطہ نظر یا دولت اور سرمائے کے تناظر میں تمام امور سرانجام دیے جائیں۔

اہلِ دین کی ذمہ داری

ایسے ماحول میں اہلِ مذہب کے سامنے دو راستے ہیں کہ یا تو وہ مذہب چھوڑنے کا اعلان کریں یا مذہب کی اساس پر سوسائٹی کے سیاسی اور معاشی مسائل کا حل پیش کریں۔ دیگر مذاہب؛ یہودیت، عیسائیت، ہندومت، بدھ مت اور آتش پرست وغیرہ مذاہب کے ہاں اگر کسی زمانے میں کوئی سیاسی ومعاشی تصورات تھے بھی تو وہ آج پسپا ہو گئے۔ انھوں نے قبول کرلیا کہ گرجا ہمارا، سیاست آپ کی۔ مندر ہمارا، معیشت آپ کی۔ آتش کدہ ہمارا، باقی سب آپ کا۔ انھوں نے اس تقسیم کو قبول کرلیا۔ وہ عقیدے کے اعتبار سے یہودی ہیں، عیسائی ہیں، ہندو ہیں، بدھ ہیں یا کچھ اَور ہیں، وہ چند مذہبی رسومات یا عبادات

www.rahimia.org

سرانجام دے کر فارغ ہوجاتے ہیں۔ ایک ہفتے بعد، مہینے بعد یا جیسے بھی اُن کے ہاں ''پرارتھنا'' یا ''مذہبی سروس'' کا کوئی تصور موجود ہے، لیکن سیاسی اور معاشی معاملات میں وہ ان دونوں نظاموں میں سے کسی ایک نظام، بلکہ زیادہ تر کیپٹلزم یا سرمایہ داری نظام کے تابع ہیں۔ اس تناظر میں مسلمانوں کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کیا وہ مذہب کے حوالے سے اپنی یہ حیثیت قبول کرنے کے لیے تیار ہیں؟ اور کیا جس دین سے وہ وابستگی کا اعلان کرتے ہیں، وہ انھیں اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ عبادت تو خدا کی ہو اور سیاست اور معیشت سرمائے کی ہو اور دین سے ہٹ کر ہو۔ یقیناً ایسا نہیں ہوسکتا۔

پھر یہودیت کی حکمرانی کا دور سو ڈیڑھ سو یا دو سو سال ہے۔ عیسائیت کا بھی ایسے ہی کچھ سو سال ہے۔ بدھوں کا یا ہندوؤں کے ویدک دھرم کا بھی صرف ایک خطے میں بہت تھوڑا سا عرصہ رہا ہے۔ جب کہ مسلمانوں نے پوری دنیا پر کوئی گیارہ بارہ سو سال تک حکومت کی ہے۔ پورے افریقا، یورپ کے ایک بڑے حصے اور پورے ایشیا پر دینِ اسلام کے ماننے والوں نے نظام قائم کیے۔ دنیا بھر کے لوگوں کے اقتصادی و معاشی مسائل حل کیے اور سیاسی نظام بنائے۔ کم از کم مسلمانوں کی حکمرانی کے چار اَدوار؛ خلافتِ راشدہ، خلافتِ بنواُمیہ، خلافتِ بنوعباس اور خلافتِ بنوعثمان کے دوران، حکومتوں کے ماتحت عملی سیاسی، معاشی نظام تشکیل دیے گئے ہیں۔ گویا ان تمام گیارہ بارہ سو سالہ دور میں معاشی نظام بھی وجود میں آئے اور سیاسی معاملات بھی طے کیے گئے ہیں۔

مسلم برصغیر کا معاشی نظام

2001ء میں اقوامِ متحدہ نے ایک معاشی سٹڈی کرائی کہ 1000ء سے لے کر 2001ء تک کے ہزار سالہ دورانیے میں دنیا بھر کے تمام ممالک میں معیشت کے گراف کی نوعیت کیا تھی؟ اس ہزار سالہ دور میں جغرافیائی تقسیم کے اعتبار سے سات خطوں میں پوری دنیا کو تقسیم کیا گیا۔ دنیا بھر میں جو معاشی اعداد و شمار اقوامِ متحدہ کے آرکائیو (Archive) میں موجود ہیں یا دنیا بھر کے مخطوطات کی شکل میں اقوامِ متحدہ کے علم میں ہیں، ان کی روشنی

www.rahimia.org

میں یہ تحقیقی کام کیا گیا۔ انگس میڈیسن (Angus Maddison) کی سربراہی میں کمیٹی بنی اوراس نے ایک سٹڈی کی، اقوامِ متحدہ کی ویب سائٹ پر وہ کتاب موجود ہے: ''ہزار سالہ معیشت کا جائزہ'' (The World Economy .A Millennial Perspective) اس میں اس بات کا اعتراف کیا گیا کہ سولھویں اور سترہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی معیشت دنیا کی نمبروَن (No.1) معیشت تھی۔ پیدائش دولت، تقسیم دولت، تبادلہ دولت اور صَرفِ دولت کے اصول پر معاشیات کے جو بنیادی پیرامیٹرز (parameters) ہیں، اس کی روشنی میں آج سے پہلے کا دو سو سالہ دور وہ ہے، جس میں – ہندوستان دنیا کی نمبروَن معیشت ہونے کی وَجہ سے – یورپ میں ''سونے کی چڑیا'' (Golden Sparrow) کے عنوان سے مشہور تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ معاشی ترقی کا یہ عمل بغیر کسی معاشی سسٹم کے نہیں ہوسکتا، کیوں کہ کسی معاشی نظام کے تحت ہی معاشی نشو ونما ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی آمد سے پہلے ہندوستان کی معاشی حالت کیا تھی؟ وہ بھی سب کے سامنے ہے اور یہاں مسلمانوں کے آنے اوران کے نظامِ حکومت اورمعیشت کے قائم ہونے کے نتیجے میں وہ دنیا کی نمبروَن معیشت بنا۔ اور وہ دنیا کی کل دولت کے پچیس فی صد کا مالک تھا۔

جس دینِ اسلام نے معاشی تعلیمات بیان کی ہیں، اس کے اصول اور ضابطے بتلائے ہیں، قرآن حکیم کی تعلیمات معاشی حوالے سے واضح اور دوٹوک ہیں، پھر نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات ہوں، احادیثِ مبارکہ کا ذخیرہ ہو، فقہا کی فقہی جزئیات، خرید و فروخت، لین دین، معاشی امور کی قانونی فقہی صورتوں سے فقہا کی کتابیں اورفتاویٰ جات بھرے ہوئے ہوں اوراس کا عملی نظام بھی موجود رہا ہو۔ کیا اس کے ماننے والے اس بات پر قناعت کرنے پر تیار ہیں کہ وہ مسجد میں صرف نماز اللہ کی پڑھیں گے یا انفرادی طور پر روزہ، حج اور زکوٰۃ دیں گے، یعنی عبادت کرنے میں وہ آزاد ہوں، لیکن سیاسی اور معاشی معاملات میں وہ اس دور کے مادی نظام ہائے حیات کو قبول کرنے کے لیے تیار رہیں اور خرید وفروخت اور لین دین ودیگر قوانین نبی اکرمؐ کی تعلیمات سے ہٹ کر ہوں؟ یقیناً یہ

www.rahimia.org

بات درست نہیں ہوسکتی ہے۔

اسلام کا اپنا ایک مستقل معاشی نظام

اسلام اپنا ایک مستقل معاشی نظام رکھتا ہے، اس کا ایک فلسفہ معیشت ہے، وہ معاشی قوانین اور ضابطے بیان کرتا ہے اور اسی کی اساس پر وہ ایک عملی نظام بناتا ہے۔ یہ گفتگو کرتے ہوئے آج اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کے بالمقابل جو نظام ہائے حیات ہیں، ان کا موازنہ (comparison) بھی پیش کیا جائے۔ کیوں کہ یک طرفہ بات سے تو معاملہ واضح اور دوٹوک طور پر سامنے نہیں آتا۔ یعنی دین کے فلسفۂ معیشت، سرمایہ داری اور سوشلزم کے فلسفۂ معیشت کا باہم موازنہ کیا ہے؟ ایسے ہی انھوں نے علمِ معیشت کے جو بنیادی اساسی امور متعین کیے ہیں، تعریفات، موضوع اور غرض و غایت اور اس کے بنیادی قواعد وضوابط بیان کیے ہیں، وہ کیا ہیں؟ اور دینِ اسلام اس حوالے سے کیا تعلیم دیتا ہے؟

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی دینی معاشی فکر میں تجدیدی حیثیت

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ وہ عظیم مفکر ہیں، جنھوں نے اس تناظر میں دین اسلام کا ایک مکمل معاشی سسٹم واضح کیا ہے۔ اس زمانے میں، جب کہ ابھی نہ موجودہ سرمایہ داری کی پیدائش ہوئی تھی اور نہ سوشلزم کی۔ شاہ صاحبؒ نے 1734ء میں **"حُجّةُ اللّٰہ البالِغة"** لکھی ہے۔ شاہ صاحبؒ حرمین شریفین سے رجب ۱۱۴۵ھ/ جنوری 1733ء میں ہندوستان واپس تشریف لائے۔ اس کے ایک ڈیڑھ سال کے عرصے میں شاہ صاحبؒ نے یہ کتاب تصنیف کی ہے۔ اس لیے کہ جمادیٰ الآخریٰ ۱۱۴۸ھ/ 1735ء میں شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب **"ھمعات"**، لکھی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اَخلاقِ اربعہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:

"ہر کہ ایں را بہ تفصیل خواہد باید کہ بہ کتابِ ما **"حُجّةُ اللّٰہ البالِغة"**

www.rahimia.org

رجوع کند“۔ (229)

(جس کو ان اَخلاق کی تفصیل چاہیے، وہ ہماری کتاب ”**حُجّةُ اللّٰه البالِغة**“ کی طرف رجوع کرے۔)

اس لیے اندازہ یہی ہے کہ شاہ صاحبؒ نے 1734ء میں ”**حُجّةُ اللّٰه البالِغة**“ تحریر فرمائی ہے۔ اور 1735ء میں یہ کتاب ہندوستان بھر میں پھیل گئی۔

ایڈم سمتھ (م 1790ء) نے ”دولتِ اقوام“ (The Wealth of Nations) لکھی جو 1776ء میں پہلی دفعہ سامنے آئی۔ یعنی ”**حُجّةُ اللّٰه البالِغه**“ کے تقریباً چالیس سال بعد یہ کتاب سامنے آئی۔ کارل مارکس (م 1883ء) نے اینگلز (م 1895ء) کے تعاون سے 1848ء میں کمیونسٹ مینی فیسٹو (The Communist Manifesto) لکھا، جب کہ اس نے داس کیپٹل (Das Kapital) 1867ء میں لکھی ہے، جس میں کیپٹل (سرمایہ) پر بحث کی ہے۔ 1867ء میں سب سے پہلے جرمن زبان میں اس کی پہلی جلد سامنے آئی، جب کہ دوسری جلد 1885ء میں اور تیسری جلد 1894ء میں شائع ہوئی۔ اور 1887ء اور اس کے بعد اس کے انگلش اور دوسری زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ اس کے بعد اس کتاب کا ”**رأس المالیه**“ کے نام سے عربی میں ترجمہ ہوا۔

آپ دیکھئے کہ کارل مارکس نے جو نظریۂ معیشت دیا ہے، اس سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے اور ایڈم سمتھ کی کتاب سے تقریباً چالیس سال پہلے شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب ”**حُجّةُ اللّٰه البالِغة**“ لکھی ہے۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ ایڈم سمتھ کا زمانہ مرکنٹائلزم (Mercantilism) کا ہے۔ یہ تجارتی نظریۂ زر، یعنی زر کی اساس پر معیشت کی گردش کا زمانہ ہے۔ یہی نظریہ آگے چل کر کیپٹل ازم کی اساس بنا۔ ارتقا کے اگلے مرحلے میں جب صنعت کا پہیہ تیز ہوتا ہے اور ”قدرِ زائد“ (Surplus value) پیدا ہوتا ہے تو کیپٹل (Capital) وجود میں آتا ہے اور اس طرح مرکنٹائل اِزم کے بعد کیپٹل اِزم کا دور داخل ہوجاتا ہے، جس کا بانی ایڈم سمتھ ہے۔ اس کا دور مرکنٹائل اِزم کے اختتام اور کیپٹل اِزم کے آغاز کا دور ہے۔

www.rahimia.org

علمِ معیشت کی حقیقت

معاشی اصطلاحات کی زبان میں اگر ہم بات کریں تو علمِ معیشت کی تمام تر گفتگو کے دو بنیادی محور ہیں۔علمِ معاشیات میں ان دونوں کے حوالے سے بات ہوتی ہے:

1۔ ایک یہ کہ انسانی احتیاجات اور ضروریات (Necessities) کا تعین۔ انسان کو کھانے پینے کی، گرمی سردی سے بچاؤ کی حاجت ہے۔یعنی اپنی جسمانی ضرورتوں اور احتیاجات کی تسکین کی ضرورت ہے۔ اس طرح ''احتیاجات'' کا ایک کالم (column) بنا دیا۔ پھر اس میں بحث ہے کہ خواہش کیا ہے اور حاجت کیا ہے؟ یہ مستقل بحث ہے۔ بہرحال جو حاجات ہیں، ان کا قرار واقعی ہونا ضروری ہے۔

2۔ دوسرے یہ کہ وسائل (resources) کی دستیابی۔ وسائل موجود ہوں گے تو اس سے کسی نہ کسی انسانی ضرورت کی تکمیل ہوگی۔ اس طرح دوسرا کالم (column) ان احتیاجات کی تسکین کے لیے وسائل کا دستیاب ہونا ہے۔ وسائل معاش ایک تو قدرتی ہوتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اُن وسائل معاش میں انسان محنت کر کے ایک افادیت (utility) پیدا کرتا ہے۔ وہ افادیت کسی نہ کسی حاجت کو پورا کرنے کے لیے کردار ادا کرتی ہے۔

علمِ معیشت کا دائرۂ کار

انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے وسائل کی دستیابی اور استعمال کے لیے بالترتیب چار امور کی ضرورت ہوتی ہے:

1۔ پیدائشِ دولت　　2۔ تقسیمِ دولت

3۔ تبادلۂ دولت　　4۔ صَرفِ دولت

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایڈم سمتھ سے بھی چالیس سال پہلے ان چاروں کو علاحدہ علاحدہ بیان کیا۔ ارتفاقات کے مبحث میں جہاں معاشیات پر بحث کی، وہاں اسے بیان

www.rahimia.org

کیا ہے۔ خاص طور پر اپنی کتاب ''البدور البازغة'' میں شاہ صاحبؒ نے حکمتِ اکتسابیہ، حکمتِ تعاونیہ، حکمتِ تعاملیہ اور حکمتِ منزلیہ کے عنوانات سے انھیں تعبیر کیا ہے کہ:

1۔ دولت کی پیدائش کے اصول اور ضابطے کیا ہونے چاہئیں؟

2۔ اس پیدا شدہ دولت کو عوامل پیدائش دولت (Factors of production of wealth) پر کیسے تقسیم کرنا ہے یعنی تقسیم کے اصول کیا ہوں گے؟

3۔ اسی طریقے سے خرید وفروخت اور لین دین میں سے کون سی بیع اور تبادلہ جائز اور درست، جب کہ کون سا معاہدہ فاسد اور باطل ہے اور دونوں کے درمیان کیا تعلق ہے؟ اس کی حکمت (logic) کیا ہے؟ شاہ صاحبؒ نے خرید وفروخت کے قوانین اور ضابطے بھی متعین کیے۔

4۔ پھر اس کے استعمالات بھی قرآن نے واضح کیے کہ کیسے اور کہاں دولت صَرف کرنی چاہیے؟

ان متعلقہ امور کو ایڈم سمتھ نے اپنی کتاب ''دولتِ اقوام'' میں (Production of Wealth) پیدائش دولت۔ پھر پیدا شدہ دولت کی تقسیم، (Distribution of Wealth)۔ پھر تقسیم شدہ دولت کا تبادلہ (Exchange of Wealth)، یعنی خرید و فروخت اور بیع، لین دین، اس کے اصول اور ضابطے اور قاعدے جب کہ تقسیم شدہ اور پھر تبادلہ شدہ دولت کے استعمال/ صَرف کو (Consumption of Wealth) کہا ہے۔

سرمایہ داری کے بانی ایڈم سمتھ نے مرکنٹائل دور (mercantilism) کے تقاضوں پر – ظاہر ہے کہ اس کے زمانے میں وہی تھی – پر تنقیدی گفتگو کی۔ جیسے جیسے وقت گزرا تو سرمایہ داری کیمپ کے بعد میں آنے والے ماہرین معاشیات نے اسی تناظر میں اس کے انھیں پہلوؤں کو آگے بڑھا کر مزید تفصیل وتشریح کی۔ اسی کو بنیاد بنا کر کارل مارکس نے گفتگو کی ہے۔ چوں کہ ایڈم سمتھ کے اس نظریے سے ''سرمایہ'' کا تصور وجود میں آیا، اس نے پیدائشِ دولت کے عمل کے تناظر میں سرمائے اور دولت کی اہمیت پر گفتگو کی، اس لیے داس کیپٹل میں مارکس نے علمی، فنی اور فلسفیانہ نقطہ نظر سے اور ریاضی اور الجبرا کے قوانین

www.rahimia.org

کی روشنی میں، حتیٰ کہ اپنے خاندانی یہودی مذہب، یعنی تورات کے تناظر میں بھی اس نے کیپٹل کی اس قرار واقعی حیثیت کو۔ جو ایڈم سمتھ نے مقرر کی تھی۔ فلسفیانہ دلائل کے ساتھ توڑا اور منطقی بنیادوں پر ردّ کیا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ان دونوں سے پہلے ان چاروں پہلوؤں پر اسلام کی تعلیمات کو جمع کرتے ہیں۔ اس حوالے سے انھوں نے کتابِ مقدس قرآن حکیم کی متعلقہ آیات اور احادیثِ مبارکہ کے ذخیرہ کو مربوط طور پر واضح کیا۔

ایڈم سمتھ مکتبِ فکر کی نظر میں معیشت

ایڈم سمتھ مکتبِ فکر جب معیشت کی تعریف کرتا ہے تو کہتا ہے کہ معاشیات وہ علم ہے، جس میں انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے موجود دولت سے بحث کی جاتی ہے۔ اقوامِ عالم میں دولتِ اقوام (wealth of nations) کی نوعیت کیا ہے؟ یعنی اس نے دولت کو بنیاد بنایا ہے اور احتیاجات پر اس حوالے سے کوئی بحث نہیں کی کہ واقعی اور حقیقی احتیاجات کون سی ہیں؟ اور پھر ان احتیاجات کی تسکین کا نظام (procedure) کیا ہو؟ کیوں کہ اس کا موضوعِ بحث یہ ہے کہ دولت زیادہ سے زیادہ کیسے پیدا کی جائے؟ اور دولت زیادہ سے زیادہ اکٹھی کیسے کی جائے؟ دولت کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیسے ممکن ہے؟ وغیرہ، چوں کہ مرکنٹائل دور، زر (Money) کے اکٹھا کرنے کا ہے، اس لیے سب سے بڑا اُس نے اصول دیا کہ دنیا میں مرکزی حیثیت زر کی ہے۔ اس لیے ہمیں اگر طاقت ور بننا ہے تو زر کو اپنے پاس رکھنا ہے۔ اس نے اس کا قانون اور ضابطہ بتلایا۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے کا زر سونا چاندی تھا۔ زر کو قومی اور اجتماعی نقطۂ نگاہ سے جمع کیا جائے۔ باہر اس کی گردش روک دی جائے۔ باہر مال جانا چاہیے، جب کہ زر آپ کی طرف آنا چاہیے۔ جب کہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سونا اور چاندی کے زر ہونے کی حیثیت کی زری حقیقت ونوعیت یا زری پالیسی پر بھی جامع گفتگو کی ہے کہ یہ سونا کیسے زر کے طور پر وجود میں آیا۔

ایڈم سمتھ کے ہاں پیدائش دولت، تقسیم دولت، تبادلۂ دولت اور صرفِ دولت کے جو

www.rahimia.org

معیارات ہیں، اس کی اساس ارتکازِ زر پر ہے۔ اسی زر کو اکٹھا کرنے کے لیے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان آئی تھی۔ سونے کی چڑیا (Golden Sparrow) کا عنوان اُن کے ہاں اسی لیے مشہور ہوا کہ ہندوستان کے پاس بڑا سونا ہے۔ شاہ جہان کے زمانے میں یہاں کا سب سے بڑا سکہ ایک سو پانچ تولے سونے کا تھا، جسے ''مہرِ شاہی'' کہا جاتا تھا۔ اکبر بادشاہ کے دور میں سونے کی پرکھ اوراس کی بہتر حالت کو زیادہ مرتب اور مربوط انداز میں ''آئینِ اکبری'' میں بھی واضح کیا گیا ہے۔ اسی تناظر میں زر کی تشکیل اور اس کی ٹکسالی حیثیت دنیا میں سب سے زیادہ ہندوستان میں مشہور تھی۔ ایڈم سمتھ کے اسی نظریے کے تحت ہی انگریز زر اکٹھا کرنے کے لیے یہاں آئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اسی اصول پر بنی۔ گویا کہ ان کے ہاں زر کے گرد تمام چیزیں گھومتی رہیں۔

صنعتی دور کے آنے کے بعد زر کو اگلے مرحلے میں سرمایہ (capital) قرار دیا گیا۔ جب پیداوار بڑھی اور اُون کی تجارت، نیل (Neil) کی تجارت اور اسی طریقے سے آگے بڑھ کر صنعتی ترقی کے نتیجے میں جو نئی سے نئی چیزیں تیار ہوئیں، وہ یورپ سے باہر گئیں اور زر یورپ میں لایا گیا۔ سرمایہ داری نظام میں یہ بنیادی پالیسی رہی۔ یہی وہ اساس تھی، جو ایڈم سمتھ نے متعین کی۔ اس کے بعد بھی اس مکتبِ فکر کے جتنے ماہرینِ معاشیات آئے ہیں، انھوں نے دولت کے گرد ہی نظریات پیش کیے۔ گو الفرڈ مارشل (Alfred Marshall) نے اپنی کتاب ''اصولِ معاشیات'' (Principles of Economics) مطبوعہ 1890ء میں تھوڑی سی کوشش کی کہ احتیاجات کو بھی ساتھ داخل کرلیا جائے۔ کیوں کہ سرمایہ دارانہ معیشت پر اعتراضات شروع ہوگئے کہ یہ اَخلاقیات سے ماورا محض دولت سمیٹنے کا عمل ہے، جو انسانیت دشمنی کی بات ہے۔ تو اُس نے اپنی تعریف میں کسی قدر احتیاجات کو بھی ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی، لیکن مرکز اور محور دولت ہی رہی۔

سوشلزم کے بانی مارکس کا نقطۂ نظر

اسی طریقے سے کارل مارکس (Karl Marx) نے جتنی بھی گفتگو کی ہے، وہ بھی اسی

www.rahimia.org

مطمحِ نظر سے ہے۔ اس نے یہ کہا کہ اس دولت کو آپ سرمایہ دار یا صنعت کار کو انفرادی ملکیت میں دیتے ہیں، جب کہ دولت کی انفرادی ملکیت کے بجائے ریاستی ملکیت ہونی چاہیے۔ گویا ناقدین کی نظر میں سرمائے کا استحصالی کردار ختم نہیں ہوا، بلکہ نقطۂ نظر میں بدل گیا کہ کمیونزم میں دولت کا یہ اجتماع ریاست کے اِردگرد ہونا چاہیے، حال آں کہ مارکس نے کہا کہ جو ''قدرِ زائد'' بھی پیدا ہوتا ہے، وہ مزدوروں کی محنت کی وَجہ سے ہوتا ہے۔ اسی کی اساس پر ''پرولتاریہ'' (Proletariat) کا تصور (concept) مارکس نے پیش کیا۔ اس نے کہا کہ چوں کہ مزدوروں کی اجتماعی کوشش اور کاوش سے یہ دولت پیدا ہوئی ہے، اس لیے اس کی مالک ریاست ہے۔ یا وہ انقلابی پارٹی جو مزدوروں کی آمریت کی اساس پر ہو، وہ اس دولت کے بارے میں فیصلہ کرے۔

شاہ صاحبؒ کے نقطۂ نظر سے علم معاشیات کی تعریف

اب اس تناظر میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے معاشیات کی جو تعریف کی ہے، اس کا مطالعہ کیجیے۔ انھوں نے سب سے پہلے ''**حُجّةُ اللّٰہ البالِغة**'' میں اسے بیان کیا۔ پھر ''**البُدور البازغة**'' میں شاہ صاحبؒ نے معاشیات کی بڑی جامع و مانع تعریف کی ہے۔ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ آج ہماری معاشیات کی کتابیں اسلامی معاشیات کے نام سے بہت کچھ بیان کرتی ہیں، لیکن آپ کو ان کتابوں میں شاہ صاحبؒ کی یہ جامع تعریف نہیں ملے گی۔ شاہ صاحبؒ کی بیان کردہ تعریف کے الفاظ یہ ہیں:

> ''**الحکمة المعاشية: أن تستوفی حوائجک علیٰ مراعاة مقتضَی الأخلاق الفاضلة من الدّيانة، و السّمت الصّالح وغيرهما، و مقتضی العلوم التّجاربيّة، و الرّأی الکلی**''[230]۔
>
> (معاشیات ایک ایسا علم ہے، جس میں انسانی فطرت کے بنیادی اَخلاق، دور کے تجرباتی علوم، اجتماعی مفاد کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے انسانی احتیاجات کی تعیین اور ان کی تسکین کے لیے وسائل معیشت کے حصول سے

www.rahimia.org

بحث کی جاتی ہے۔)

شاہ صاحبؒ کی اس تعریف کے مطابق معاشیات دو کالموں پر استوار ہے:

1۔ انسانی احتیاجات کی تعیین کے معیارات

2۔ ان احتیاجات کی تسکین کے لیے حصولِ وسائلِ معاش کے معیارات

وہ وسائلِ معاش خواہ زر کی شکل میں ہوں، اجناس کی صورت میں ہوں، یا کسی اَور اثاثہ جات کی حالت میں ہوں۔ یہ وسائلِ معاش، انسانی احتیاجات اور ضروریات پوری کریں۔ سردی سے بچاؤ، کپڑا لتا، کھانا پینا وغیرہ جو بھی ہو۔ ان وسائل سے انسانی حاجات کی تسکین ہونی چاہیے۔ چناں چہ معاشی اور اقتصادی علم کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے انسانی احتیاجات اور ضروریات کی تسکین کی جائے۔

اس حوالے سے سب سے پہلے تو احتیاجات کے تعین کا ایک معیار ہونا چاہیے۔ اگر ہر انسانی ''خواہش'' کو ''حاجت'' قرار دیا جائے تو ہر انسان میں تو معاشی حوالے سے ہزاروں سینکڑوں خواہشات ہیں۔ خواہشات کی نوعیت بہ قول غالبؔ یہ ہے کہ

'ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے'

ہر خواہش تو پوری نہیں کی جاسکتی۔ احتیاجات کے تعین کا ایک معیار (criteria) ہونا چاہیے۔ ایسے ہی وسائل کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور اُن کے صَرف اور استعمال کے بھی کچھ معیارات طے ہونے چاہئیں کہ پیدائش دولت کس اصول پر ہوگی؟ پیدا شدہ دولت کی تقسیم کس اصول پر ہوگی؟ تقسیم شدہ دولت کے تبادلے کے کیا اصول ہیں؟ تقسیم شدہ اور تبادلہ شدہ دولت کا صَرف یا استعمال کیسے ہوگا؟

1۔ احتیاجات کے تعین اور وسائل معاش کے حصول کے تین معیارات

اس حوالے سے شاہ صاحبؒ نے احتیاجات کی تعیین اور وسائلِ معاش کے حصول کے لیے تین معیارات قائم کیے ہیں:

ا۔ کل انسانیت کے متفقہ اعلیٰ اَخلاق: شاہ صاحبؒ نے علمِ معاشیات کی تعریف

www.rahimia.org

میں پہلا معیار یہ مقرر کیا ہے کہ:

(الف) "مقتضَى الأخلاق الفاضلة"

(یعنی اعلیٰ اَخلاق کے تقاضوں کی رعایت رکھی جائے)۔

شاہ صاحبؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عرب و عجم اور دنیا بھر کے تمام مذاہب اور ملتوں کا جائزہ لیں۔ جن اعلیٰ اَخلاق پر دنیا متفق ہے، مثلاً آزادی اور حریت، شجاعت اور بہادری، عفت و عصمت وغیرہ اَخلاق کو معاشی وسائل کے حصول اور احتیاجات کے تعین کے لیے پیش نظر رکھا جائے۔ شاہ صاحبؒ نے فلسفہ یونان سے لے کر اپنے زمانے تک کے فلسفیوں اور مذاہب کی تعلیمات؛ بدھ اِزم، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے تناظر میں ممکنہ طور پر جو اَخلاقِ فاضلہ متعین ہو سکتے تھے، انھیں "البُـدور البـازغة" میں بیان کیا ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے سات بنیادی اَخلاقِ فاضلہ (حکمت، عفت، سماحت، شجاعت، فصاحت، دیانت، اور سمتِ صالح) متعین کیے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے کہا کہ مہذب انسانی معاشرے کی تشکیل کے لیے جو بھی تمام قوموں میں متفقہ اَخلاقِ فاضلہ ہیں، ان کو احتیاجات کے تعین میں اور وسائل کی پیدائش، تقسیم، تبادلے اور صَرف میں بھی پیش نظر رکھا جائے۔ جو انسانی حاجت اور ضرورت ان اَخلاق کے معیار پر پورا اُترتی ہے، وہ درست ہے۔ جو خواہش ان اعلیٰ اَخلاق کے منافی ہے، وہ محض خواہش ہے۔ انسان کی حقیقی حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح وسائل معاش کے حصول کے تمام مراحل میں ان اَخلاق کی رعایت رکھنا اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔

2۔ دور کے تجرباتی علوم اور دریافت شدہ ٹیکنالوجیز کو پیش نظر رکھنا

شاہ صاحبؒ نے علم معاشیات کی تعریف میں دوسری بات یہ کہی ہے:

(ب) "مقتضى العلوم التّجاربيّة"

(یعنی تجرباتی علوم کے تقاضوں کی رعایت رکھنا)

انسانی احتیاجات کے صحیح تعین اور اُن کی درست تسکین کے لیے یہ بھی ضروری ہے

www.rahimia.org

کہ اپنے دور کے تجرباتی علوم کو سامنے رکھا جائے۔ چناں چہ معاشی نظام میں ہر دور میں وجود میں آنے والے تجربات اور مشاہدات سے نئے نئے علوم اور ٹیکنالوجیز دریافت ہوئی ہیں، انھیں بروئے کار لایا جائے۔ ظاہر ہے ذرائع پیداوار یا وسائل کے حصول کے پیداواری رشتے مسلسل ارتقا پذیر رہے ہیں۔ پتھر کا ایک دور گزرا ہے، جس میں صرف قدرتی وسائل کی بنیاد پر معیشت وجود میں آتی ہے۔ پھر غلام داری دور آیا، پھر فیوڈلزم یا زمین کی اساس پر تمام پیداواری رشتے وجود میں آئے۔ فیوڈلزم کے بعد مرکنٹائلزم کا دور آیا۔ جب تجارت اور خرید وفروخت کی بنیاد پر زر اور پیسے کا استعمال شروع ہوا۔ پھر بڑھتے بڑھتے صنعتی ارتقا کی مختلف شکلیں سامنے آئی ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے کہا کہ جو بھی کسی دور کی ٹیکنالوجی دریافت ہوچکی ہو، چیزوں کی پیدائش، تقسیم، تبادلے اور صَرفی استعمالات کے حوالے سے اور انسانی احتیاجات کی صحیح تعیین کے لیے اسے پیشِ نظر رکھا جائے۔ مثلاً ایک غلام داری دور کے انسان کی حاجت ہے اور ایک آج کے دور (Digital Age) کے انسان کی حاجت ہے۔ دونوں حاجتوں کی نوعیت میں فرق ہوگا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آج کا انسان پچھلے زمانے میں لوٹ کر اُسی زرعی معیشت کے دور میں زندگی بسر کرنے کے معیارات کے مطابق اپنی حاجت پوری کرے۔ ایک زمانے میں مثلاً موبائل فون کوئی حاجت نہیں تھی، آج حاجت ہے۔ تو علومِ تجربیہ، یعنی ٹیکنالوجی کی نئی دریافتوں سے جو نئی نئی ضرورتیں یا احتیاجات سامنے آتی جائیں، اُن کی روشنی میں دولت کی پیدائش بھی ہوگی، تقسیم بھی ہوگی، تبادلہ بھی ہوگا۔ اور اس کے استعمالات کے ضابطے اور قوانین بھی بنائے جائیں گے۔

3۔ اجتماعی مفادِ عامہ کو پیشِ نظر رکھنا

تیسری بات شاہ صاحبؒ نے معاشیات کی اس تعریف میں یہ کہی ہے:

(ج) "مقتضی الرّأی الکلّی

(یعنی اجتماعی مفادِ عامہ کے تقاضوں کی پوری رعایت رکھی جائے)۔

www.rahimia.org

انسانی احتیاجات اور ان کی تسکین کے لیے پیدا شدہ وسائل کا حصول سوسائٹی کے اجتماعی مفادِ عامہ کے تناظر میں ہونا چاہیے۔اس لیے کہ ایک آدمی اپنی حاجت اور ضرورت پورا کرتے ہوئے اجتماعی مفاد کو نظرانداز کر دیتا ہے۔اس طرح انفرادی نقطۂ نظر سے اپنی حاجت اور ضرورت پوری کرنے سے باقی اجتماع کو نقصان پہنچتا ہے۔مثلاً وہ کوئی ایسی فیکٹری اور کارخانہ بناتا ہے، جس سے نکلنے والی آلودگی سوسائٹی کو نقصان پہنچاتی ہے۔یا وہ ایسے طریقے سے کاروبار (business) کرتا ہے کہ کسی سوسائٹی میں بسنے والے باقی لوگوں کے اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچتا ہے۔یا زراعت اور کاشت کاری ایسے کرتا ہے، جو باقی لوگوں کے اجتماعی مفاد کے لیے نقصان کا باعث ہے۔

ارتفاقات پر بحث کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ نے ایک اصطلاح **"الرّأی الکُلّی"** (اجتماعی مفادِ عامہ کی فکر) استعمال کی ہے۔جب کہ اس کے بالمقابل دوسری اصطلاح **"الرّأی الجُزئی"** (انفرادیت پر مبنی سوچ) ہے۔(ان شاء اللہ ارتفاقات کی بحث میں اس پر مفصل گفتگو کی جائے گی۔)"رأیِ کُلّی" میں مفادِ عامہ اور اجتماعیت کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔"رأیِ جُزئی" میں انفرادی نقطۂ نظر میں سے ذاتی مفادات اور گروہی مفادات کے تابع بات آگے بڑھتی ہے۔

شاہ صاحبؒ نے کہا کہ معاشی احتیاجات کی تعیین اور معاشی وسائل سے اُن کی تسکین بھی پورے معاشرے کے مجموعی مفاد کو سامنے رکھ کر متعین کی جائے گی۔کسی خاص فرد، طبقے یا نسل یا خاص فرقے کی اساس پر احتیاجات کا تعین نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کی تسکین کا طریقۂ کار ایک مخصوص طبقے کے مفادات کے تناظر میں تعیّشات کی بنیاد پر ہوگا، بلکہ اجتماعی مفادِ عامہ کے تناظر میں ہوگا۔شاہ صاحبؒ کے نزدیک یہ تین معیارات ہیں: پہلا اَخلاقِ فاضلہ، دوسرا علومِ تجربیہ، تیسرا **الرأی الکلی**۔ان معیارات کے مطابق احتیاجات کی تسکین بھی اور وسائل کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور صَرف کے امور میں پیشِ نظر رکھنا علمِ معاشیات ہے۔

www.rahimia.org

شاہ صاحب کے نقطۂ نظر کی جامعیت

آپ دیکھئے کہ علم معیشت کے حوالے سے کوئی ایسا پہلو نہیں ہے، جو اس تعریف کے دائرے سے خارج ہو۔ اس تعریف کے مطابق علمِ معاشیات کی بنیاد خود انسان ہے۔ کیوں کہ انسان کی احتیاجات ہیں۔ انسان نے ہی دولت پیدا کرنی ہے۔ انسان نے ہی اس کی تقسیم کرنی ہے۔ انسان ہی کے مفاد کے لیے اُس کی خرید وفروخت ہے۔ انسان ہی کے مفاد کے لیے، اس کی احتیاجات کی تسکین کے لیے دولت کی تقسیم اور صَرف کرنے کا سسٹم قائم ہونا ہے۔ اس تعریف سے ہی معیشت کا بنیادی فلسفہ واضح ہوجاتا ہے کہ معاشی امور میں اصل اہمیت انسانیت کی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝۷۰ (231)

(اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے، اور خشکی اور دریا میں اُسے سوار کیا، اور ہم نے انھیں ستھری چیزوں سے رزق دیا، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انھیں فضیلت عطا کی۔)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انسانوں کو معزز اور مکرم بنایا گیا ہے اور ان تمام کے لیے پاکیزہ رزق خشکی اور تری میں رکھا گیا ہے۔ اس لیے معاشی نظام بناتے ہوئے انسانیت کی عزت و احترام اور اس کے اشرف المخلوق ہونے کی فضیلت کو سامنے رکھا جائے گا۔ نیز قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ (232)

(اور ہم نے تمھیں زمین میں جگہ دی، اور اس میں تمھاری زندگی کا سامان بنا دیا، تم بہت کم شکر کرتے ہو۔)

یہ آیت واضح طور پر بتلاتی ہے کہ معاشیات کا دار و مدار انسانی احتیاجات کی تسکین

www.rahimia.org

اور وہ بھی پورے اجتماع کے لیے ہے۔

اصولِ فقہ کا قاعدہ و ضابطہ آپ نے فقہ کی کتابوں میں پڑھا ہوگا۔ بالخصوص فقہی کتب پڑھنے والے تو ضرور جانتے ہیں کہ جب جمع جمع کے مقابلے پر آئے تو مساوات پر دلالت کرتی ہے[233]۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی آدمی دس روپے دے کر دس آدمیوں سے کہے کہ یہ تمھارے لیے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے ایک ایک روپیہ ہے۔ یہ نہیں ہے کہ نو روپے ایک آدمی کے ہوں اور ایک روپے میں باقی نو شریک ہیں۔ اصول اور ضابطہ یہ ہے کہ کسی ملک کے تمام معاشی وسائل میں وہاں بسنے والے تمام لوگوں کا مساوی حق ہے۔ اس قرآنی آیت کی روشنی میں کل انسانیت کے لیے تمام زمینی وسائل ہیں۔ اس طرح اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی اصول ''حقِ معیشت میں مساوات'' کا ہے، یعنی قدرتی اور قومی وسائل میں تمام لوگوں کو مساوی طور پر استعمال کا حق حاصل ہے[234]۔

سرمایہ داری نظام کے فکر و فلسفے کا تجزیہ

فلسفۂ معیشت کے حوالے سے بھی درست تجزیہ ہمارے سامنے رہنا چاہیے۔ آج سرمایہ داری نظام کا بڑا شور و غوغا ہے۔ آپ دیکھئے کہ ان کے فلسفۂ حیات کی بنیاد انسان نہیں ہے۔ ان کے فلسفۂ حیات کی بنیاد دولت اور سرمایہ ہے۔ ان کے نزدیک انسانیت کا وجود ایک مادی شئے کے طور پر ہے۔ اُن کے پیشِ نظر اس کے محض جسمانی اور حیوانی تقاضے ہیں۔ انھوں نے انسان کے جسمانی اور حیوانی تقاضوں کی تکمیل کے لیے مادی نقطۂ نظر سے چیزوں کے استعمالات پر بحث کی ہیں۔

یہی وَجہ ہے کہ سرمایہ داری نظام نے سرمایہ (Capital) کو اصل قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سرمایہ (Capital) ہی اصل ہے، جب کہ انسان اُس کیپٹل کے لیے ہے۔ جب بھی کیپٹل استعمال میں آئے گا تو اس کی واپسی (return) چاہیے ہوگی۔ اس سے سرمایہ کو کوئی غرض نہیں کہ انسانیت خواہ تباہ و برباد ہو یا ذلت اور رُسوائی میں مبتلا ہو۔ اس لیے سود وغیرہ کی مضرت کی بحث ان کے ہاں کچھ نہیں۔ جہاں سے بھی کیپٹل کا return

www.rahimia.org

حاصل ہو، اس کو نگل لو کا اصول ہے۔ گویا کہ اصل سرمایہ ہے، انسان نہیں۔

یورپ نے اسی لیے مذہب کو بھی چھوڑا۔ یہودیت اور عیسائیت جیسے مذہبوں کو چھوڑ کر ''اَخلاقِ فاضلہ'' کے دائرے سے اپنے آپ کو آزاد کر دیا۔ تجرباتی علوم ضرور انھوں نے لیے، لیکن تجرباتی علوم کا صنعت و حرفت میں استعمال بھی سرمائے اور دولت کے ارتکاز اور پھیلاؤ اور منڈیوں پر قبضہ کرنے کے لیے کیا۔ حال آں کہ اصولاً ٹیکنالوجی کا استعمال تو اس لیے کیا جاتا ہے کہ انسان کے لیے سہولت پیدا ہو، مگر انسان کے بجائے سہولت کس کو پیدا ہوئی؟ سرمائے کو، یا سرمائے کے مالک سرمایہ دار کو۔ گویا ''اَخلاقِ فاضلہ'' بھی اُن کے پیشِ نظر نہیں رہے کہ اَخلاق کا معاشیات سے ربط ختم ہو کر رہ گیا۔ اسی طرح انھوں نے ''رأیِ کلی'' کو بھی پسِ پشت ڈال دیا۔ اس طرح انھوں نے اجتماعی مفادِ عامہ کو بھی پیش نظر نہیں رکھا۔ اسی لیے انفرادی طور پر سرمایہ دار اور ایک مخصوص طبقہ امیر سے امیر تر بننے کے چکر میں اُن علومِ تجربیہ کا ذاتی اور گروہی استعمال کرتا رہا ہے۔

ایک اَور حقیقت بھی ہمیں سامنے رکھنی چاہیے کہ قدیم زمانے سے تجرباتی علوم اور سائنس جب بھی کوئی نئی چیز اور ٹیکنالوجی دریافت کرتی ہے تو اس کا مقصد انسانوں کے لیے کسی نہ کسی سہولت کو پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے وہ انسانیت کی مشترکہ میراث ہوتی ہے اور اجتماعیت کے مفاد کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ لیکن اگر اسی ٹیکنالوجی سے انسانیت کو فائدہ پہنچانے کے بجائے مخصوص سرمایہ دار طبقے کو فائدہ پہنچایا جائے تو یہ اس ٹیکنالوجی کا غلط استعمال ہے۔ اس لیے کہ ٹیکنالوجی بہ ذاتِ خود بُری نہیں ہوتی، بلکہ اُس کا استعمال بُرا ہوتا ہے۔ ہمارا مذہبی طبقہ بسا اوقات سرمایہ داری اور جدید مادیت کے خلاف بات کرتا ہے تو سائنس و ٹیکنالوجی کا بھی سِرے سے انکار کر دیتا ہے۔ حال آں کہ ٹیکنالوجی تو انسانی فائدے کے لیے ہوتی ہے مگر اس کے استعمال کے دو طریقے ہیں کہ:

(1) مخصوص طبقے کے مفاد کے لیے ہو (2) یا پوری سوسائٹی کے لیے،

گویا اس کے استعمالات سے بحث ہے۔

www.rahimia.org

عاملینِ پیدائش کی بحث

سرمایہ داری نظام سرمائے کو دیوتا بنا کر انسانیت کو اس کے اردگرد گھماتا ہے۔ اس کا اظہار دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور صَرف کے چاروں شعبوں میں ہوتا ہے۔ چناں چہ سرمایہ داری نظام میں عاملینِ پیدائشِ دولت کے حوالے سے سرمایہ کو بالا دستی حاصل ہے۔ عام طور پر چار عاملینِ پیدائشِ دولت (Factors of production of wealth) بیان کیے جاتے ہیں:

1۔ سرمایہ (Capital)　　2۔ محنت (Labour)

3۔ زمین (Land)　　4۔ تنظیم (Organization)

بہ ظاہر کہنے کو تو یہ چار عاملین کہے جاتے ہیں، لیکن اگر سرمایہ دارانہ نقطۂ نظر سے ان کا جائزہ لیا جائے تو عملاً کیپٹل کے مالک سرمایہ دار کو بالا دستی حاصل ہے۔ عام طور پر ''زمین'' (Land) اکنامکس کی اصطلاح کے مطابق الگ عامل ہے، مگر اس کو الگ بنانے کا کوئی علمی اور منطقی اصول موجود نہیں۔ وہ بھی دراصل کیپٹل سے متعلق اثاثے میں شمار ہوتی ہے۔ اسی طرح آرگنائزیشن کا بھی یہی حال ہے۔ اس طرح سرمایہ دار زمین اور تنظیم کے ذریعے سے انسانی محنت (Labour) کا استحصال کرتا ہے۔ اس طرح حقیقت میں عاملینِ پیدائشِ دولت کے حوالے سے دو ہی کے کردار بنتے ہیں: (۱) سرمایہ اور (۲) محنت۔

سرمایہ دارانہ نقطۂ نظر سے محنت (Labour) کے بارے میں ایک قانون معاشیات کی کتابوں میں یہ پڑھایا جاتا ہے کہ لیبر کے پاس بھاؤ تاؤ (bargaining) کی قوت (power) نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اگر ایک مزدور کو ایک دن مزدوری نہیں ملی تو اس کی محنت کا وہ دن ضائع ہوگیا۔ اس لیے وہ مجبور ہو کر مثلاً 200 روپے کی مزدوری کے بجائے 100 روپے کی مزدوری کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اُسے مجبور کر دیا جاتا ہے کہ اگر یہ 100 بھی مزدوری میں نہ لیے تو اس دن کی محنت بیچنے کے لیے اس کے پاس محفوظ نہیں ہے۔ جب کہ سرمایہ دار کے پاس سرمایہ برقرار رہتا ہے۔ اگر کسی دن اُس میں کام نہیں بھی ہوتا تو

www.rahimia.org

بہرحال سرمایہ محفوظ رہتا ہے۔ اس طرح بارگیننگ پاور نہ ہونے کی وجہ سے محنت کو دوسرے، تیسرے، بلکہ چوتھے درجے میں منتقل کردیا جاتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ:

> ''ایک مفلس اور نادار اپنی معاشی پریشانیوں کی وَجہ سے ایسی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھا لینے پر مجبور ہوجاتا ہے، جن کو پورا کرنے کی اپنے میں طاقت نہیں پاتا (یا ایسی کم اُجرت پر کام کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے، جسے وہ اپنی ضروریات کے لیے ناکافی سمجھتا ہے۔) اس کی ایسی رضامندی حقیقت میں رضامندی نہیں ہے۔ یہ بات پسندیدہ معاہدات میں سے نہیں ہے اور نہ ہی یہ معیشت کے اصول کے صحیح اسباب میں ہے۔ یہ اصولِ تمدن کے مطابق سِرے سے باطل اور حرام معاملہ ہے''(235)۔

شاہ صاحبؒ نے کہا کہ اس قسم کا ہر عقد جو کسی بھی مزدور کے ساتھ کیا جائے، یہ دراصل اس معاہدۂ اُجرت کے سراسر خلاف ہے۔ وہ باطل اور سُحت یعنی حرام ہے۔ بہ ظاہر اس کے جواز کے لیے کہا جاتا ہے کہ مزدور خود کم مزدوری پر کام کرنے کے لیے مان گیا اور کم تنخواہ پر کام کرنے کے لیے تیار ہے۔ مگر یہ ماننا تو اضطراری طور پر مجبوری سے ہوتا ہے۔ جب کسی معاملے میں جبر یا اضطرار کی کیفیت پیدا ہوجائے تو یہ معاہدہ باطل اور حرام ہے۔

پیدائش اور تقسیمِ دولت میں استحصالی نوعیت

اس طرح آپ دیکھئے کہ عاملینِ پیدائشِ دولت کی بحث میں ''زمین'' بھی سرمایہ دار کا اثاثہ، ''سرمایہ'' بھی اُسی کا اور ''تنظیم'' بھی اُسی کی۔ باقی رہی مزدور کی ''محنت'' تو اس میں بارگیننگ کی پاور نہ ہونے کی وَجہ سے اس کے حصے میں انتہائی قلیل مزدوری آئی۔ چناں چہ پیدا شدہ دولت کا 3/4 حصہ، بلکہ اس سے بھی زائد سرمایہ دار کی جیب میں چلا گیا۔ اس طرح سرمائے سے خریدے گئے میٹریل اور اس میں مزدور کی محنت سے جو ''قدرِ زائد'' پیدا ہوئی، اسے نفع (Profit) کے نام پر سرمایہ دار نے ہڑپ کرلیا۔ اس طرح سب کا

www.rahimia.org

سب سرمایہ دار کے قبضے میں چلا گیا، مزدور کے پاس کچھ نہیں آیا اور اگر آیا بھی تو بہت معمولی سا حصہ۔ اس طرح عاملین پیدائش دولت کی جو بحث عام طور پر معاشیات کی کتابوں میں پڑھائی جاتی ہے، اس کا تمام تر فائدہ سرمایہ دار کے لیے ہوتا ہے۔ اسی کے نتیجے میں سرمائے کی بالادستی کی اساس پر دولت کی تقسیم کی بھی نوعیت ہوتی ہے، اس لیے کہ جو عاملین پیدائش دولت ہیں، تقسیم دولت بھی انھیں عاملین پر ہوتی ہے۔ اس طرح پیدائش دولت اور تقسیم دولت دونوں ہی ظالمانہ تفاوت پر مبنی ہوتے ہیں۔

تبادلۂ دولت میں استحصالی نوعیت

جب تبادلہ دولت کا معاملہ آتا ہے تو وہی پروڈکٹ (product) جو مثلاً 10 روپے میں تیار ہوئی ہے، اسے تیار کرنے والے سے لے کر عام صارف تک پہنچنے تک درمیان کے تاجروں اور ڈسٹری بیوٹرز کے ذریعے سے اُس کی قیمت میں اتنا اضافہ ہوجاتا ہے کہ پیدا کرنے والے کو اتنا فائدہ نہیں ہوتا، جتنا درمیان کا مڈل مین (middle man) اور کمپنیاں فائدہ اٹھاتی ہیں۔ اس طرح سرمایہ داری نظام میں نیشنل اور ملٹی نیشنل کمپنیاں دونوں طرف کے لوگوں کا استحصال کرتی ہیں۔ اس طرح تبادلۂ دولت کا جو حقیقی عمل اور ضابطہ ہے، وہ بھی ختم ہوجاتا ہے۔ اسلام میں تمام بیوعاتِ فاسدہ اسی لیے حرام ہیں کہ یا تو وہ "مُفضی إلَی المنازعہ" یعنی دونوں فریقوں میں جھگڑا پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں اور یا "عاقدَین" یعنی دونوں بائع اور مشتری کے درمیان معاملے میں کسی ایک فریق کو بالادستی حاصل ہوتی ہے کہ وہ من مانی قیمت پر چیز بیچتا یا خریدتا ہے۔ آج مثلاً کاشت کار کو بیج، کھاد اور باقی تمام چیزیں غلہ منڈی میں بیٹھا ہوا کمیشن ایجنٹ (commission agent) اپنی قیمت پر بیچتا ہے۔ جب اُس کی فصل غلہ منڈی میں آتی ہے تو اس کی قیمت مقرر کرنے کا اختیار بھی کاشت کار کو نہیں ہوتا، بلکہ وہی ایجنٹ اسے بھی اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ وہ اسے کم سے کم دام پر اس کی ادائیگی کرتا ہے۔ سرمایہ داری نظام کی یہی خرابی ہے کہ جب وہ خود بیچتا ہے تو اس میں ڈنڈی مارتا ہے اور دوسرے سے خرید تا ہے تو اس سے پورا پورا

www.rahimia.org

تو کیا، اس سے زیادہ لینے کی تگ ودو کرتا ہے۔ یہی تو "تطفیف" (ناپ تول میں کمی زیادتی) ہے۔ اس کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝١ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝٢ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝٣ (236)

(بربادی ہے کمی کرنے والوں کے لیے۔ وہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ماپ کر دیتے ہیں یا تول کر دیتے ہیں تو کمی کرتے ہیں۔)

صرفِ دولت میں اختیار کی جانے والی خرابیاں

پھر جب بے تحاشا دولت سرمایہ دار کے پاس آتی ہے تو وہ اُسے بے محابا اِسراف یعنی ملکی اور قومی دولت کا بے جا اور فضول خرچ کرتا ہے۔ جہاں ضرورت نہیں ہے، وہاں بھی خرچ کرتا ہے۔ ظاہر ہے ساری دولت کھا تو نہیں سکتا مگر لالچ کی وَجہ سے پیٹ پھر بھی نہیں بھرتا۔ دوسری طرف محنت کش آدمی (laboures) نانِ جویں کا محتاج اور اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے سے بے چارہ قاصر ہے۔ اس کے پاس اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بھی پیسے نہیں ہوتے۔ یوں معاشرے میں وہ تمام خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، جو پہلے لیکچر ("خطباتِ ملتان" ملاحظہ ہو) میں شاہ صاحبؒ کے خیالات کے تناظر میں بیان کی گئی تھیں کہ دونوں طبقے ہی دین سے دور ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ وہ اَخلاقِ فاضلہ کے دائرے سے نکل جاتے ہیں اور سوسائٹی کے مسائل حل کرنے سے قاصر ہوجاتے ہیں۔ الغرض! سرمایہ دارانہ فلسفۂ معیشت، سرمائے (Capital) کو اصل بنا کر انسانوں کو اُس کے گرد گھماتا ہے۔

کمیونزم کی فلاسفی کا تحلیل و تجزیہ

اب آیئے کمیونزم یا سوشلزم کی طرف۔ بہ ظاہر سرمایہ داری نظام کے مقابلے پر

www.rahimia.org

کمیونزم نے اپنے تصورات پیش کیے اور کہا کہ سرمایہ (Capital) اصل عاملِ پیدائشِ دولت نہیں ہے، بلکہ مزدور اور لیبر کی محنت اصل ہے۔ سرمائے کو ریاست کی ملکیت قرار دے کر مزدوروں کی اجتماعی محنت کو ریاست کنٹرول کرے۔ اُسے اشتراکیت کی صورت میں ریاست کے قبضے میں ہونا چاہیے۔

مارکس (م 1883ء) چوں کہ فلسفی ہے اور وہ فلسفے کے استاد ہیگل (م 1831ء) کا شاگرد ہے۔ جس نے جدلیت کا نظریہ (Dialectic Idealism) دیا۔ ہیگل کے فلسفے کے کچھ حصے مارکس نے لے لیے۔

واضح رہے کہ یورپین اقوام مذہب کے انکار کے بعد درجِ ذیل ان چار فلسفوں سے متأثر ہوئیں، جنھوں نے یورپ کی نشاتِ ثانیہ میں کردار ادا کیا۔ وہ چار فلسفے یہ ہیں:

1۔ فیورباخ (م 1872ء) کا نظریۂ مادیت

2۔ روسو (م 1778ء) کا نظریۂ اجتماع

3۔ ڈاروَن (م 1882ء) کا نظریۂ ارتقا

4۔ ہیگل (م 1831ء) کا نظریۂ جدلیت

(ان کی تفصیلات بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ اپنی بعض تحریرات میں ہم نے ان کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں[237]۔)

یورپین اقوام کے فلسفیوں پر ان چاروں فلسفوں کے اثرات ہیں، جس کے ملغوبے سے ایڈم سمتھ کی طرف منسوب سرمایہ داری نے اپنے ارتقائی مراحل میں غذا حاصل کی اور اسی کی اگلی شکل کمیونزم کی صورت میں سامنے آئی۔

ہیگل کا نظریۂ جدلیت

ہیگل (Hegel) (1770ء - 1831ء) نے کہا: ''تمام معاشرتی اور فطری اعمال تغیر پذیر ہیں۔ یہ تبدیلی کسی بیرونی قوت کا نتیجہ نہیں، بلکہ ہر شئے کے اندرونی تضاد کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ تضاد تبدیلی کا محرک ہے''۔ چناں چہ انسان سمیت تمام اشیا میں جدل کا عمل جاری

www.rahimia.org

ہے۔اس طرح اُس نے جدلیاتی (Dialectical) نظریات پیش کیے۔

انسان میں جدل ہے۔ اُس کی فطرت میں لڑائی ہے۔ اس نے یہ ایک تصور (concept) دیا۔ تاریخ پر بھی اُسے منطبق (fit) کیا۔ مادیت پر بھی، فزکس، کیمسٹری وغیرہ پر بھی کہ کائنات میں جدل جاری ہے۔اس نے کہا کہ ایک Thesis ہوتا ہے۔یعنی آپ نے دعویٰ اور فکر پیش کیا۔ کچھ عرصہ وہ Thesis چلتا ہے۔ پھر اُس کے ردِعمل سے ایک Antithesis پیدا ہوتا ہے۔اب اس Thesis اور Antithesis میں جدل ہوتا ہے۔اور اس جدل کے نتیجے میں کچھ عرصے بعد امتزاج یعنی Synthesis وجود میں آتا ہے۔ پھر یہ Synthesis کچھ عرصے کے بعد خود Thesis بن جاتا ہے۔ پھر اس کا ایک ردِعمل پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر اس مخالف اور Thesis کے درمیان لڑائی ہوتی ہے۔تو اُس کا کہنا ہے کہ شروع سے انسانیت میں جو مادی ارتقا کا نظریہ چلا آرہا ہے، وہ Thesisاور Antithesis کے جدل کا کھیل ہے۔ جب بھی Thesis اور Antithesis میں ٹکراؤ ہوتا ہےتو Synthesis اس کی اشتراکی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔یعنی اس جدل کے نتیجے میں ایک مشترک چیز وجود میں آتی ہے۔یہی اشتراکیت ہے۔

اب ہیگل کے فلسفے پر جب یہ سوالات ہوئے کہ آخر اس کائنات میں یہ جدل کیوں جاری ہے؟ فکر میں بھی، تاریخ میں بھی، سیاست میں بھی، معیشت میں بھی، افکار و خیالات میں بھی اور باقی تمام مادی چیزوں میں بھی۔تو ہیگل نے جواب دیا تھا کہ اس کائنات کی ایک ''روح الکل'' ہے اور وہ بے چین ہے۔ اُس کو اپنے ارتقا کے لیے اس جدل کی ضرورت ہے یعنی یہ ایک عالم گیر روح کے تابع کام ہورہا ہے۔ ایک مرحلے پر جب کائنات مکمل ہوجائے گی، تو یہ جدل بھی ختم ہوجائے گا۔یعنی اُس کے نزدیک تو یہ جدل اُس ایٹمی ری ایکٹر کے گنبد کے اندر تھا، جس کو اُس نے روح کہا، گویا اُس نے کسی درجے میں روحانیت کی بات کی۔

مارکس نے آکر کہا کہ ہیگل نے یہ جو روح الکل کی بات کی ہے، یہ عینیت پسند فلسفیوں کی بات ہے۔ یہ تو تخیلاتی بات ہے جب کہ روح وغیرہ کچھ نہیں ہوتی۔محض مادی

www.rahimia.org

جنم ہوتا ہے۔ اس طرح مارکس نے اپنے استاد کی پوری بات نہیں مانی۔ بلکہ اس کے بجائے فیورباخ کے نظریۂ مادیت کو قبول کرلیا۔ اُس نے ڈارون کے نظریۂ ارتقا کو لیا، روسو کے نظریۂ اجتماع کو لیا اور ہیگل کے نظریۂ جدلیت کو لے کر فلسفۂ اِشتراکیت تشکیل دیا۔ گویا کہ معاشی سیاسی افکار و خیالات کو مادی جدلیت (Dialectical Materialism) کی بنیاد پر آگے بڑھایا۔

اس اساس پر اُس نے کہا کہ جب صنعتی دور آیا اور سرمایہ داری نظام ایڈم سمتھ کے نظریات کے تحت بنا، تو یہ ایک Thesis تھا کہ سرمایہ دار کے پاس دولت کا ارتکاز ہونا شروع ہوگیا۔ اس کے مقابلے پر مزدوروں کی طاقتیں اُبھریں۔ یہاں واضح رہے کہ 1835ء میں پہلا کمیون امریکا میں بنا اور اس کے لیے ''کمیون'' کا لفظ استعمال کیا گیا۔ جرمنی کے کچھ گاؤں اور دیہاتوں میں بھی اسی اساس پر کمیونز کی شکل میں سرمایہ داری کا ردِ عمل پیدا ہوا۔ مارکس نے تو کمیونزم (Communism) کا لفظ بعد میں استعمال کیا یعنی اشتراکی اور اجتماعی نظام ۔اُس نے کہا کہ اب یہ مزدور اور سرمایہ دار کے درمیان جو جدل ہوگا تو اس جدل کے نتیجے میں Synthesis یعنی اشترکیت وجود میں آئے گی۔

شاہ صاحبؒ کی نظر میں وحدتِ انسانیت

اب آیئے! شاہ صاحبؒ کے فلسفہ معاشیات پر غور کیجیے کہ انھوں نے جب یہ بات کہی کہ ''الرّأی الکُلّی''، یعنی کل انسانیت کے مفاد کے تناظر میں بات ہونی چاہیے، معاشیات کی تاریخ میں بھی، دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلے اور صَرف میں بھی انسانی مفادِ عامہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ قرآن وسنت سے یہ بات واضح ہے کہ کل انسانیت مکرم اور معظم ہے۔ چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (238)

(اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی ہے، اور خشکی اور دریا میں اُسے سوار کیا،

www.rahimia.org

اور ہم نے انھیں ستھری چیزوں سے رزق دیا، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انھیں فضیلت عطا کی۔)

شاہ صاحبؒ کا فلسفہ یہ ہے کہ انسانیت اپنی نوع کے اعتبار سے ایک ہے۔ انھوں نے وحدتِ انسانیت کا تصور (concept) دیا کہ تمام انسان اپنے نوعی تقاضوں اور جسمانی تقاضوں کے اعتبار سے برابر ہیں۔ مثلاً بھوک ہر ایک کو لگتی ہے۔ پیاس ہر ایک کو لگتی ہے۔ سردی گرمی سے بچاؤ ہر ایک کی ضرورت ہے، چاہے وہ کوئی انجینئر ہو، ڈاکٹر ہو، مزدور ہو، کسان ہو، پڑھا لکھا ہو، جاہل ہو۔ یعنی معاشی احتیاجات کی تسکین کی ضرورت ہر انسان کو ہے۔ اس طرح نوعی تقاضوں اور ان احتیاجات کے حوالے سے تمام انسان ایک وحدت میں پروئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے انسانی مفاد کے لیے بنائے جانے والے تمام نظاموں میں انسانیت کو اصل قرار دیا ہے۔ پھر انسانوں کی اس وحدت سے اوپر کائنات بھی ایک وحدت لیے ہوئے ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اپنے فلسفے میں کائنات میں وحدت پر بہت زور دیا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے کہا کہ یہ کائنات مختلف اور متنوع ہونے کے باوجود ایک ''شخص'' ہے، جیسے یہ انسان شخصِ اصغر یا شخصِ صغیر ہے، ایسے ہی یہ پوری کائنات ایک ''شخصِ اکبر'' ہے۔ جیسے اس جسمِ انسانی میں ایک روح ''روحِ جزئی'' اور طبیعتِ انسانی پر مبنی ایک جسمِ انسانی ہے، ایسے ہی اس پورے شخص اکبر کی بھی ایک ''روحُ الکل'' اور ایک اس کا جسم الکل یا ''طبیعتُ الکل'' ہے۔ اس طرح وحدتِ کائنات ہے، یعنی اس میں تمام تر تنوعات کے باوجود ایک درجے کی وحدت ہے۔ کم از کم ''وحدت الوجود'' یعنی وجود کی وحدت ہے کہ تمام اشیا عرش سے لے کر فرش تک اپنا ایک وجود رکھتی ہیں۔ زمان و مکان وغیرہ آٹھ دس وہ اُمور جنھیں فلاسفہ نے ''اُمورِ عامہ'' کے طور پر متعین کیا ہے، اُن میں کائنات کی تمام اشیا ایک وحدت رکھتی ہیں۔ اس عالَم گیر وحدت کے ذیل میں ایک وحدت نوعِ انسانی کی بھی ہے۔ کائنات کی وحدت کا نظام تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کے پاس ہے اور اس کا تکوینی

www.rahimia.org

نظام ہے۔ اُس کے لیے تو تقدیرات وضع کردی گئیں۔ اس نوعِ انسانی کی وحدت کے لیے تشریعی نظام کو عملی طور پر قائم کرنے کی ذمہ داری اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر عائد کی ہے۔ اس طرح ہمارا مطمح نظر انسانوں کے لیے سیاسی، معاشی اور سماجی نظام بنانا ہے۔

پیدائشِ دولت میں شرکت کی اہمیت

نوعِ انسانیت کی ترقی کے لیے اللہ تعالیٰ نے شریعت مقرر کی ہے۔ اس کا ایک اہم ترین شعبہ معیشت ہے۔ معاشیات کی تعریف اور اُس کے فلسفے کے بعد اس کے بنیادی امور بھی متعین ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے اس حقیقت کی نشان دہی بھی کی ہے کہ ہر انسان کو جو سوسائٹی میں موجود ہے، اُسے پیدائش دولت کے عمل میں شرکت کرنی ہے۔ لوگ معاشرے پر بوجھ نہیں ہونے چاہئیں۔ انھیں مفت خور نہیں ہونا چاہیے۔ تمام لوگ کام کریں گے۔ اگر وہ کوئی کام کیے بغیر کوئی چیز لینا چاہتے ہیں تو شاہ صاحبؒ کے الفاظ میں

"یصیرون کَلاًّ علی المدینة"[239] (وہ سوسائٹی پر بوجھ بن جاتے ہیں)۔

اس لیے پیدائشِ دولت کے عمل میں ہر انسان کو شریک ہونا ضروری ہے۔

شاہ صاحبؒ نے اس حوالے سے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

"من فقه الرّجل أن ینظر إلٰی حاجاته، فلیختر کسباً یکفی لها"[240].

(انسان کی دانش اور شعور کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی حاجات کا تعین کرے اور وہ ایسا پیشہ اختیار کرے، جو اُس کی تمام ضروریات کو کفایت کرنے والا ہو۔)

مثلاً اسے اپنا گھر چلانے، اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کتنے اور کس قدر وسائل کی ضرورت ہے۔ اُن وسائل کے مطابق اُسے کیا پیشہ اختیار کرنا ہے۔ شاہ صاحب نے پیشوں کے لیے "اصول المکاسب" (بنیادی پیشے) متعین کیے ہیں۔ اُن کے نزدیک تمام پیشوں کے بنیادی اساسی اصول تین ہی ہیں: (۱) زراعت، (۲) صنعت اور (۳) تجارت۔ اس سے پھوٹنے والے اس کے ذیلی شعبے ہیں۔ پھر ان تینوں شعبوں کو منظّم کرنے والا وہ ریاستی نظام، یا انتظامیہ جو داخلی سلامتی کے ادارے اور باہر کے حملہ آوروں سے بچانے

www.rahimia.org

کے لیے عسکری یا فوجی قوت کی صورت میں یا انتظامی نظم و نسق چلانے والوں کی صورت میں ہوتی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے کہا کہ اس تناظر میں سوسائٹی میں دولت کی پیدائش کا عمل ہموار طریقے سے آگے بڑھنا چاہیے۔

انسان مدنی الطبع ہے

شاہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ تمام انسان مدنی الطبع ہیں، اجتماعیت کی سوچ رکھتے ہیں۔ اس لیے لازماً تمام لوگوں میں، اللہ نے تعاونِ باہمی کو واجب اور لازمی قرار دیا ہے۔ معاشی شعبوں میں تعاونِ باہمی ہے تو وہ درست ہیں۔ اگر تعاونِ باہمی نہیں ہے، اختلاف و انتشار ہے، ہر آدمی دوسرے کو کہنی مار کر پیچھے گرانا چاہتا ہے اور خود آگے بڑھنا چاہتا ہے تو یہ بنیادی طور پر دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلے اور صَرف کے تمام اصولوں کے تناظر میں غلط ہے۔

پیدائش دولت کے عمل میں بھی سوائے مجنون و پاگل کے تمام لوگ شریک ہوں گے۔ اس حوالے سے حضور اکرمؐ کی ایک حدیث بھی ہے کہ کسی کو کسی پر بوجھ نہیں بننا چاہیے۔ ایک اَور روایت میں ہے کہ ایک آدمی نبی اکرمؐ کے سامنے سے گزرا۔ رسول اللہؐ کے صحابہؓ نے اُس کی محنت کشی کی طاقت وقوت اور جسمانی نشاط کو دیکھا تو انھوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کاش یہ نوجوان اللہ کے راستے میں ہوتا۔ تو رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

''إن کان خرج یسعٰی علٰی ولدہٖ صغاراً فھو فی سبیل اللّٰہ، و إن کان خرج یسعٰی علٰی أبوین شیخین کبیرین فھو فی سبیل اللّٰہ، فإن کان خرج یسعٰی علٰی نفسہٖ یعفّھا فھو فی سبیل اللّٰہ، و إن کان خرج ریاءً و مفاخرۃً فھو فی سبیل الشّیطان''[(241)].

(اگر یہ اپنے چھوٹے بچوں کی پرورش کے لیے محنت و مشقت کرنے کے لیے نکلا ہے تو یہ اللہ کے راستے میں ہے۔ اگر یہ اپنے دو بوڑھے والدین کے لیے کمانے نکلا ہے تو یہ اللہ کے راستے میں ہے۔ اور اگر یہ اپنی عفتِ نفس کے لیے کمانے نکلا ہے تو اللہ کے راستے میں ہے۔ اور اگر لوگوں کو دکھانے اور مال

www.rahimia.org

پر فخر کرنے کے لیے نکلا ہے تو پھر شیطان کے راستے میں ہے۔)

اسی طرح ایک موقع پر کچھ لوگ حضورؐ کے پاس آئے اور انھوں نے ایک آدمی کی نیکی کا تذکرہ کیا۔ اس حوالے سے حضرت ابوقلابہؓ سے یہ روایت ہے کہ:

"عَنْ أَبِی قِلَابَةَ رضی اللّٰہ عنہ، قَالَ: ذُکِرَ عِنْدَ النَّبِیّ ﷺ رَجُلٌ، فَذَکَرَ فِیهِ خَیْرًا، فَقَالُوا: یَا رَسُولَ اللّٰہِ! خَرَجَ مَعَنَا حَاجًّا، فَإِذَا نَزَلْنَا مُنْزِلًا لَمْ یَزَلْ یُصَلِّی حَتّٰی نَرْحَلَ، فَإِذَا ارْتَحَلْنَا لَمْ یَزَلْ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ حَتّٰی نَنْزِل. فَقَالَ ﷺ: "فَمَنْ کَانَ یَکْفِیهِ عَلَفَ نَاقَتِهِ وَ صُنْعَ طَعَامِهِ؟" قَالُوا: کُلُّنَا یَا رَسُولَ اللّٰہِ. قَالَ: "کُلُّکُمْ خَیْرٌ مِنْهُ"[242].

(حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک آدمی کا ذکرِ خیر کیا گیا۔ پس لوگوں نے اس کے بارے میں کہا: اے اللہ کے رسول! وہ آدمی ہمارے ساتھ حج کرنے کے لیے نکلا۔ پس جب ہم کسی جگہ پڑاؤ کے لیے اُترتے تو وہ نماز میں مشغول ہوجاتا، یہاں تک کہ ہم وہاں سے کوچ کرتے۔ جب ہم سواریوں پر سوار ہوتے تو وہ اللہ عز وجل کے ذکر میں مشغول رہتا، یہاں تک کہ ہم کسی جگہ پڑاؤ کرتے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ: "اس کی اونٹنی کو چارہ کون ڈالتا تھا اور اُس کا کھانا کون تیار کرتا تھا؟ تو انھوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ہم سب یہ کام کرتے تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا: "تم سب اُس سے بہتر ہو"۔)

پھر شاہ صاحبؒ نے کہا کہ پیدائش دولت کے عمل میں جب بھی کوئی عمل شروع کیا جائے تو ہر پیشے میں کام کرنے والے کو اپنے اندر یہ مہارت اور صلاحیت پیدا کرنی ہے کہ سب سے پہلے اُس پیشے کے جو بنیادی ارکان ہیں یا بنیادی ڈھانچہ ہے، اُسے پورا کرے جب کہ اس کی تزئین و آرائش پر پیسہ بعد میں خرچ کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے پیشے کی بنیاد پر پیدائش کا عمل، سوسائٹی کی ترقی کے لیے ہونا چاہیے، محض ذاتی مفاد سے نہیں[243]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

www.rahimia.org

''التّاجر الصّدوق الأمین مع النّبیّین و الصّدّیقین و الشھداء''[244]

(سچا امانت دار تاجر قیامت کے روز انبیاؑ اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔)

اس لیے کہ تجارت کا مقصد پیسہ بٹورنا نہیں ہوتا۔ تجارت کا مقصد انسانی احتیاجات کی تسکین کے لیے انسانوں کو اُن کے مقام پر اشیا مہیا کرنا اور اُن کی خدمت سرانجام دینا ہوتا ہے۔

پیدائشِ دولت کی حقیقت

پیدائش دولت کیا ہوتی ہے؟ یہ درحقیقت کسی چیز میں ''افادیت'' (Utility) پیدا کرنا ہے۔ معاشیات میں یہ افادیت کئی طرح سے بیان کی جاتی ہے:

1۔ پہلا: افادۂ شکل (Utility of Form): آپ نے پیدا شدہ قدرتی مادے کے اندر ایک نئی شکل پیدا کردی۔ مثلاً درخت کی لکڑی جنگل سے کاٹ کر لائے اور اس کا فرنیچر بنا دیا تو لکڑی کو نئی شکل وصورت دے دی۔ ایک ضرورت کو پورا کرنے کے لیے آپ نے ایک عملِ تخلیق کیا۔ اسی کو پیدائشِ دولت کا عمل کہتے ہیں۔

2۔ دوسرا: افادۂ مقام (Utility of Place) ہے۔ کسی چیز کو ایک جگہ سے اٹھا کر آپ کسی دوسرے شہر لے گئے، تاکہ اس چیز تک انسانوں کی رسائی ہوجائے۔ اسے تجارت کے حوالے سے ایک مفید سرگرمی کہا جاتا ہے۔

3۔ تیسرا: افادۂ حفاظت (Utility of Possession) ہے۔ ایک شئے کو خاص وقت تک آپ نے محفوظ رکھا اور آپ کی اس پر محنت صَرف ہوئی۔ اس طرح اس شئے میں افادیت پیدا ہوگئی۔ مثلاً ایک کاشت کار فصل کاشت اور اس کی حفاظت کرتا ہے، اس کا مادے کی نشو ونما میں ذاتی طور پر کوئی کردار نہیں ہوتا۔ اس طرح ابتدائی طور پر یہ افادہ شعبۂ زراعت کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ثانوی طور پر مصنوعات اور تجارتی اشیا کے تحفظ کے لیے ہونے والی محنت سے پیدا ہونے والا افادہ ہے، جسے افادۂ وقت (Utility of Time) بھی کہا جاتا ہے۔

www.rahimia.org

پیدائش دولت کا یہ عمل اور اپنی محنت کے ذریعے سے چیزوں میں یہ افادیت پیدا کرنا خود اپنی ضروریات پوری کرنے اور دیگر انسانوں کی ضروریات کی تکمیل کی نیت سے ہونا چاہیے۔ یوں پورے سماج کے لیے افادیت پیدا ہوتی ہے۔کسی شئے میں حقیقی افادیت پیدا کرنے کی صورت میں ہی اس کا ایک معقول معاوضہ یا منافع آپ لینے کے حق دار ہوتے ہیں۔اس کا پورا طریقۂ کار شاہ صاحبؒ نے وضع کیا ہے۔

تبادلۂ دولت کا اصول

اسی طریقے سے خرید وفروخت پر مبنی جتنی بھی احادیث ہیں، شاہ صاحبؒ نے ان کا ایک خلاصہ بیان کیا۔اور بتلایا کہ یہ تبادلۂ دولت کا عمل اعلیٰ انسانی اصولوں پر، تعاونِ باہمی کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔لہذا ہر وہ بیع باطل اور فاسد ہے، جو کسی بھی ایک فریق کو نقصان پہنچائے۔ ہم حدیث اور فقہ کی کتابوں میں ''کتاب البیوع'' میں پڑھتے ہیں کہ تبادلۂ اشیا میں چار چیزیں ہوتی ہیں:

1۔ بائع (بیچنے والا)
2۔ مشتری (خریدنے والا)
3۔ ثمن (دونوں کے درمیان طے شدہ رقم)
4۔ مبیع (فروخت کی گئی شئے)

عقدِ بیع کرتے ہوئے بائع اور مشتری کی حیثیت اور ثمن اور مبیع کی نوعیت برابر ہونی چاہیے۔ اگر برابر نہیں ہے، کسی ایک کا مفاد زیادہ ہے یا کسی ایک کے مفاد پر مبنی کوئی بھی شرط لگا دی جائے تو بیع باطل اور فاسد ہوجاتی ہے۔اسی طریقے سے ثمن (قیمت) اور مبیع (فروخت شدہ چیز) بھی دونوں ہم مثل ہوں اور ان میں مماثلت ہونی چاہیے۔اگر اُونچ نیچ ہوگی اور کمی زیادتی ہوگی تو وہ بھی بیع فاسد ہوگی۔گویا عقد باطل ہوجاتا ہے۔دونوں متبادل اشیا کے کم یا زیادہ ہونے سے، یا بائع اور مشتری میں سے کسی ایک کے ظلم کے نتیجے میں۔

www.rahimia.org

تقسیمِ دولت کی حکمتِ عملی

تقسیمِ دولت کا قانون بھی دینِ اسلام میں انسانی اجتماعی مفاد کو سامنے رکھ کر مقرر کیا گیا ہے۔ یہی وہ قانون اور ضابطہ ہے، جسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جاری کیا۔ انھوں نے اپنے عہدِ خلافت میں بیت المال سے مال کی تقسیم کے وقت تمام لوگوں کو برابر اور مساوی طور پر اموال دیے۔ ان اموال کی تقسیم کے اعداد و شمار یہ ہیں کہ ایک بار 7.1/3 درہم اور دوسری بار 20 درہم سب کو ملے۔ چناں چہ "کتاب الخراج" میں قاضی ابویوسفؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت کے بارے میں لکھا ہے:

"حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیت المال کے بقیہ مال کو لوگوں کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کر دیا۔ ہر ایک چھوٹے اور بڑے، آزاد اور غلام، عورت اور مرد کو سات درہم اور ایک درہم کا تہائی حصہ مساوی طور پر دیا۔ جب دوسرا سال آیا اور پہلے سے زیادہ مال بیت المال میں آیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُسے بھی لوگوں کے درمیان اسی اصول پر تقسیم کیا۔ چناں چہ ہر انسان کو بیس درہم مساوی طور پر ملے"(245)۔

اس پر کچھ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ:

"اے رسول اللہؐ کے خلیفہ! آپ نے یہ مال لوگوں کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کیا ہے، حال آں کہ کچھ لوگ ایسے ہیں، جن کی قدیم خدمات ہیں، دینی کاموں میں سبقت لے جانے والے ہیں اور فضیلت رکھنے والے ہیں۔ کاش کہ آپ ان لوگوں کو کچھ زیادہ عنایت فرماتے"(246)۔

چناں چہ صحابہؓ میں سے ایسے صحابی بھی ہیں، جنھوں نے بدر میں خدمات سرانجام دیں۔ بدر سے لے کر اب تک اُن کی محنتیں ہیں اور کچھ وہ لوگ ہیں، جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ کچھ لوگ ہیں، جو ابھی مسلمان ہوئے۔ آپ نے سب کو برابر کر دیا۔ قاضی ابویوسف نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ جواب نقل کیا ہے۔ انھوں نے ارشاد فرمایا:

www.rahimia.org

''یہ جو تم نے سبقت لے جانے والے قدیم اور صاحبِ مرتبہ لوگوں کا ذکر کیا ہے، یہ ایسا ہے کہ میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ یہ ایک ایسا کام ہے، جس کا ثواب اللہ جل شانہٗ پر ہے، جب کہ یہ معاشیات کا معاملہ ہے۔ اس میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے مساوات بہتر ہے''(247)۔

صاحبِ فضل و احسان کے کاموں کا اس دنیا میں اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہے کہ غزوۂ بدر میں زیادہ خدمات سرانجام دیں۔ گویا مطالبہ کرنے والوں نے یہ مطالبہ نہیں کیا تھا کہ مال داروں کو مزید ملنا چاہیے اور غریبوں کو کم ملنا چاہیے۔ بلکہ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ جنھوں نے غلبہ دین کے لیے خدمات زیادہ انجام دی ہیں، اُن کی حوصلہ افزائی کے لیے اُن کو کچھ زیادہ ملنا چاہیے۔ تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ یہ معاشیات کا معاملہ ہے، اس میں معاشی مساوات کے قانون پر عمل ہوگا۔

حضرت عمر فاروقؓ کا دور آیا تو انھوں نے اسلام کے لیے زیادہ خدمات سرانجام دینے والوں کو ترجیح دی اور انھیں بیت المال سے زیادہ مال عطا کیا، لیکن آخری زمانے میں انھوں نے بھی معاشی مساوات کے قانون پر عمل کرنے کا عزم اور ارادہ ظاہر کیا۔ چناں چہ قاضی ابو یوسفؒ لکھتے ہیں:

''جب حضرت عمرؓ نے مال کی کثرت کو دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ: ''اگر میں آئندہ سال آج کے دن تک زندہ رہا تو میں ضرور پیچھے رہ جانے والے لوگوں کو پہلوں کے ساتھ شامل کردوں گا، یہاں تک کہ تمام لوگ بیت المال کی عطا حاصل کرنے میں مساوی ہو جائیں''(248)۔

صَرفِ دولت کا اصول

معاشروں میں صَرفِ دولت اور اخراجات کے حوالے سے دو طریقے پائے جاتے ہیں:

1۔ اِسراف اور تبذیر (ضرورت سے زائد یا فضول خرچ کرنا)

2۔ اس کے مقابلے میں تقتیر اور بخل (مال کی محبت میں ضرورت سے کم خرچ کرنا)

www.rahimia.org

قرآن حکیم کا حکم ان دونوں سے ہٹ کر یہ ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

(اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے، اور نہ تنگی کرتے ہیں، اوران کا خرچ ان دونوں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔) (249)

یوں قرآن حکیم نے صرفِ دولت کے حوالے سے درمیانہ درجہ متعین کیا ہے۔ اِسراف یہ ہے کہ مثلاً کوئی ضرورت دس روپے خرچ کرنے سے پوری ہوتی ہے۔ وہاں پر بیس خرچ کردیے جائیں۔ بخل اور تقتیر یہ ہے کہ ضرورت دس روپے خرچ کرنے کی ہے اور وہاں پانچ روپے خرچ کیے جائیں۔

اس طرح قرآن حکیم اور حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں شاہ صاحبؒ نے معاشی نظام کے حوالے سے پیدائشِ دولت، تقسیمِ دولت، تبادلۂ دولت اور صرفِ دولت سے متعلق ایک جامع اور مکمل معاشی نظام واضح کیا ہے۔

فاسد معاشی نظام اور اُس کی خرابیوں کی نوعیت

یہ بھی ضروری امر ہے کہ معاشی سسٹم کا تعلق کسی ریاست اور مملکت کے نظام کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ اس پر حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بڑا بہترین تجزیہ کیا ہے اور اپنے زمانے میں معاشی خرابیوں کے بنیادی اسباب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اس زمانے میں ملکوں کی خرابی کے دو بنیادی اسباب ہیں:

ایک بڑا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے قومی خزانے کو مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعے لوٹنا شروع کردیا ہے، اور اس ذاتی مفاد پرستی پر مبنی لوٹ کھسوٹ کو ہی اپنی کمائی کا دھندہ بنالیا ہے۔ کچھ لوگ ہیں جو غازی اور مجاہد بن کر اسے لوٹ رہے ہیں۔ بعض علما ہیں جو اپنے تئیں علم کی وَجہ سے قومی خزانے کا مستحق سمجھتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو حکمران طبقات سے بخشش اور انعام و اِکرام کے طلب گار رہتے ہیں، جیسے نام نہاد صوفی، شاعر اور ادیب لوگ۔ اور باقی لوگ بھی لوٹ

www.rahimia.org

کھسوٹ کے مختلف حیلوں بہانوں سے قومی خزانے کو حاصل کرنے کے لیے سرگرداں رہتے ہیں۔ان میں ذاتی مفادات اتنے غالب آ چکے ہیں کہ انھوں نے اسی لوٹ کھسوٹ کو اپنی کمائی کا پیشہ بنایا ہوا ہے۔ اور وہ اسے قومی اور اجتماعی مصلحتوں سے قطع نظر بہت اچھا کام سمجھتے ہیں۔

ذاتی مفاد پرستی کا عالم یہ ہوگیا ہے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ پر حملہ آور ہوتا ہے اور پھر وہ ایک دوسرے کے لیے تنگی کا باعث بنتے ہیں۔ یہ تمام لوگ سوسائٹی اور ملک پر بوجھ بن چکے ہیں۔

دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ کاشت کاروں، تاجروں اور ہنر مندوں (professionals) یعنی پیداواری جماعتوں پر بھاری ٹیکسز عائد کردیے جاتے ہیں اوران کی وصولی کے لیے ان پر تشدد کیا جاتا ہے ، یہاں تک کہ صورتِ حال یہ بن جاتی ہے کہ قانون کی پاس داری کرنے والوں کے حقوق بغیر کسی شنوائی کے سلب کرلیے جاتے ہیں اوران کو تباہ وبرباد کردیا جاتا ہے اورطاقتور گروہ محاذ آرائی اورسرکشی پر اتر آتے ہیں"[250]۔

شاہ صاحبؒ نے واضح کیا کہ بیت المال پر تمام لوگوں کا جھپٹنا، اس کے وسائل کو لوٹنا اوراس لوٹ کھسوٹ میں تمام تر افراد کا شامل ہونا معاشی عدمِ استحکام کا سبب بنتا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے لکھا کہ جو فوجی اور اُمرا ہیں، وہ اس لیے ملکی خزانہ لوٹتے ہیں کہ ہم نے ملک کی خدمت سرانجام دی ہے، ہمیں زیادہ سے زیادہ مال ملنا چاہیے۔علما ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تعلیم دے رہے ہیں، اس لیے ہمیں زیادہ سے زیادہ بیت المال سے پیسے ملنے چاہئیں۔ شعرا اور اُدبا ہیں، وہ اس بیت المال پر جھپٹنا چاہتے ہیں۔ان کی نظریں اس پر ہیں۔ وعظ گو ہیں تو وہ اپنے وعظ کا وظیفہ بھی خلیفہ اورحکومت سے لینا چاہتے ہیں۔شاہ صاحبؒ نے کہا کہ اورتو اَور وہ فقرا اور زہاد یا صوفیا جو زہد وتقویٰ کی زندگی بسر کرنے کے دعوے دار ہیں، وہ بھی چاہتے ہیں کہ اس کا معاوضہ ہمیں حکومت سے ملے۔شاہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ جو بیت المال ہے، وہ تو قومی نظام چلانے کے لیے، ملکی نظم ونسق کی

www.rahimia.org

عمومی اسلامی مصلحت کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے یا یہ کہ یہ اُجاڑنے کی جگہ ہے کہ ہر آدمی اُس پر بوجھ بن جائے!

شاہ صاحبؒ نے آخر میں یہ اہم جملہ ارشاد فرمایا ہے کہ: ''یہ سب کے سب اس سوسائٹی پر بوجھ بن چکے ہیں''۔اور پھر اس چھینا جھپٹی میں ہر ہر طبقے کا جہاں داؤ لگتا ہے تو وہ اس داؤ کے نتیجے میں آپس میں لڑ پڑتے ہیں، ایک دوسرے پر فتوے لگاتے ہیں، کافر بناتے ہیں، مال و دولت کی لڑائی جھگڑے کے سبب ایک دوسرے کی عزتیں اُچھالتے ہیں، یہاں تک کہ سب ہی لوگ حکومت کے سامنے دریوزہ گر اور بھیک مانگنے والے بن گئے۔ ایک جملہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک عمدہ ترین بات یہ ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے حکومت سے مال لوٹا جائے۔ ملک کی اصلاح اور سوسائٹی کی ترقی کا نظام قائم کرنا ان کا مقصد اور ہدف نہیں ہے۔ یہی ان کا تکسُّب اور پیشہ ہے۔

طبقاتی معاشی نظام کی خرابیاں شاہ صاحبؒ کی نظر میں

شاہ صاحبؒ کے نقطۂ نظر سے اس طرح معاشرے میں طبقاتی نظام وجود میں آجاتا ہے۔جن کا جہاں ہاتھ پڑتا ہے اور طاقت ور ہیں وہ تو حکومت کے خزانے یا قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ پر سب سے آگے ہیں اور اس طرح امیر سے امیر تر بنتے جا رہے ہیں۔جس بے چارے کا ہاتھ نہیں پڑتا، وہ غریب اور غریب سے غریب تر ہوتا چلا گیا۔

اسی طرح شاہ صاحبؒ قیصر و کسریٰ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے دور کے حکمرانوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''عصرِ حاضر کے ملوک وسلاطین اور والیانِ ریاست کی عیاشیوں کو دیکھ کر تم ان (قیصر و کسریٰ) کی عیاشیوں اور زندگی کی لذات میں حد سے بڑھنے کا اندازہ لگاسکتے ہو، سرمایہ پرستی کے یہ تمام امراض ان کے اصولِ معاشیات میں داخل ہوجاتے ہیں۔ لوٹ کھسوٹ کا یہ طریقہ ان کے رَگ و پے میں سرایت کرجاتا ہے۔ جس کی وَجہ سے پورے تمدن اور معاشرے میں موجود تمام

www.rahimia.org

جماعتوں (communities) میں ایک لا علاج رَوگ پیدا ہوجاتا ہے''[251]۔

شاہ صاحبؒ نے کہا کہ کسی قوم میں اگر سبھی لوگ وسائل کو لوٹنے لگ جائیں تو اتنے وسائل کہاں سے آئیں گے؟ اس کے نتیجے میں ایک دوسری خرابی یہ ہوتی ہے کہ جو کاشت کار، صنعت کار، یا تاجر ہیں، ان کام کرنے والوں پر ظالمانہ ٹیکس لگائے جاتے ہیں۔ جب یہ ظالمانہ ٹیکس ادانہیں کرسکتے تو وہ مجبور ہوکر دو راستے اپناتے ہیں: یا تو وہ ردِّعمل میں تشدد پسند بنتے ہیں۔ پھر حکمران طبقہ اُن کے قتل کے درپے ہوتا ہے۔ یا مجبوراً وہ ٹیکس دیتے ہیں تو اُن کی کارکردگی پر فرق پڑتا ہے اور وہ غریب سے غریب تر بنتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح قومی ریونیو (revenue) مسلسل گھٹنا شروع ہوجاتا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی کتابوں میں کئی مقامات پر اس کا واضح نقشہ کھینچا ہے۔ ایک جگہ شاہ صاحبؒ بتاتے ہیں:

''عیاشانہ زندگی بسر کرنے کے لیے ساز و سامان کا حصول ایک خطیر دولت خرچ کیے بغیر ناممکن ہوتا ہے جس کے لئے محنت کش طبقات یعنی کسانوں اورتاجروں وغیرہ پر بھاری ٹیکس لگا کر ان کی زندگی اجیرن کردی جاتی ہے۔ اگر وہ ٹیکس دینے سے انکار کردیں تو ان کو مارا پیٹا جاتا اور سخت سزائیں دی جاتی ہیں اوراگر سرمایہ داروں کی اطاعت بجالائیں تو ایسے بیلوں اور گدھوں کی سی ذلیل زندگی بسر کرتے ہیں۔ جن سے ان کی مرضی کے بغیر ہل چلانے، زمین کی کاشت، پیداوار اٹھانے اور کنویں سے پانی نکالنے کا کام لیا جاتا ہے۔ جن کی تھوڑی بہت پرورش یا غور و پَرداخت صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ مالکوں کی اپنی اغراض ان کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں''[252]۔

اس معاشی بدحالی کا ایک بنیادی حل

شاہ صاحبؒ اس معاشی بدحالی کا ایک بنیادی حل تجویز کرتے ہیں اور کسی مملکت کے نظام کو درست کرنے کے لیے لازمی طور پر اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں:

''و إنّما تصلح المدينة بالجباية اليسيرة، و إقامة الحفظة

www.rahimia.org

بقدر الضّرورة، فليتنبّه أهل الزّمان لهٰذه النّكتة"[253].

(کسی مملکت کا نظام بہتر طور پر ترقی تبھی کرتا ہے، جب لوگوں پر کم سے کم ٹیکس لگائے جائیں اور بہ قدرِ ضرورت انتظامیہ مقرر کی جائے۔ اس زمانے کے لوگوں کو یہ نکتہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔)

شاہ صاحبؒ نے پہلی بات تو یہ بتلائی کہ سوسائٹی کی ترقی اس میں ہے کہ کم سے کم ٹیکس اور آسان ٹیکس عائد ہوں اور سوسائٹی کی سب سے زیادہ ترقی جو اصلاً پیداوار کرنے والے لوگ ہیں، اُن کی حقیقی تجارت زراعت اور صنعت سے ہوگی۔ شاہ صاحبؒ نے دوسری بات یہ کہی کہ حکمرانی کے نظام میں انتظامی افسران اور ذمہ داران بہ قدرِ ضرورت ہوں، یعنی جتنی سوسائٹی کو ضرورت ہے۔ یہ نہ ہو کہ وزیروں و مشیروں کی فوج ظفر موج ہو۔ سول انتظامیہ اور فوج بلا وجہ کی بھرتی ہو اور داخلی سیکیورٹی فورسز کے لیے لوگ اپنے رشتے داروں اور خاندانوں سے بھرتی کر لیے جائیں۔

الغرض! جس ریاست کا معاشی نظام خراب ہوتا ہے، اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ بیت المال یا قومی دولت پر مفت خورے مسلط ہو جاتے ہیں اور ٹیکسوں کا ظالمانہ نظام ہوتا ہے۔

فاسد معاشی نظام کا علاج

معاشی بدحالی کے علاج کے طور پر شاہ صاحبؒ نے آخری بات جو بیان فرمائی کہ جب کسی سوسائٹی پر ایسا مرض مسلط ہو جائے تو وہ نظام توڑے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوتا، یعنی "**فَکُّ کُلِّ نِظَام**" (ہر فرسودہ اور ظالمانہ نظام کو توڑنا) اور اُس پر حضور ﷺ کی سنت کا تذکرہ کیا کہ قیصر و کسریٰ کے زمانے میں بھی یہی حالت تھی تو نبی اکرمؐ کے قلب میں یہ بات ڈالی گئی کہ اس طرح کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے ایسے سسٹم کا مادہ ہی سِرے سے ختم کر دیا جائے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا [254] (پھر اُن ظالموں کی جڑ کاٹ دی)

شاہ صاحبؒ نے واضح طور پر اس کی تعیین کی کہ معاشی سسٹم میں "رائی جزئی"، یعنی

www.rahimia.org

انفرادی مفادات پر مبنی سرمایہ داری نظام کی اساس پر جو عمل بھی کیا جائے گا، وہ سوسائٹی کے لیے عذاب کا باعث ہے۔ اُس عذاب کو دور کرنے کے لیے مسلمان جماعت پر لازمی ہے کہ اُس پورے سسٹم کو توڑے۔ شاہ صاحبؒ نے ہر ایسے غلط معاہدۂ عمرانی کو توڑنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا ہے:

> ''انسانی معاشرے کا ہر قضیہ لامحالہ یا تو گھریلو معاہدے پر مشتمل ہوگا یا تبادلۂ اشیا اور تعاونِ باہمی کا کوئی معاہدہ ہوگا۔ جب صحیح تفتیش و تحقیق میں فساد پیدا ہو جائے تو اُس کا حکم اُس معاہدے کو توڑ دینا ہے۔ اور ہر آدمی کو اپنی اصل حالت میں بقا کا حق ہے۔ اور اگر وہاں کسی ایک نے دوسرے پر ظلم اور زیادتی کی ہے تو اسی قدر عدل و انصاف کا نظام قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی کمی کوتاہی نہ کی جائے''(255)۔

حقیقت یہ ہے کہ ریاست قائم کرنے کی وَجہ یہ ہے کہ ہر ایک سوسائٹی میں موجود معاہدات خواہ وہ گھر کے نظام سے متعلق ہوں، یا قومی اور شہری نظام اور بین الاقوامی ڈھانچے سے متعلق ہوں، ان کا مقصد ہر ایک سطح پر سوسائٹی کی ضروریات پوری کرنا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بھی معاہدہ ضرورت پوری نہ کر رہا ہو تو حکم یہ ہے کہ اس کو توڑ دیا جائے۔ چناں چہ میاں بیوی کی مثال دے کر کہا ہے کہ اگر دونوں جس سماجی ضرورت کی تکمیل کے لیے ایک چھت تلے جمع ہوئے ہیں، وہ پوری نہیں ہوتی اور ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا انتہا تک پہنچ چکا ہے کہ اب اس کا کوئی حل نہیں تو حکم یہ ہے کہ اس تعلق کو توڑ دیا جائے۔ حتیٰ کہ مرد طلاق نہ دے رہا ہو تو قاضی کو بھی یہ اختیار منتقل ہو جاتا ہے کہ وہ حقیقی صورتِ حال کی بنیاد پر رشتہ توڑ دے۔ تاکہ مرد و عورت کہیں اور معاہدہ کرلیں۔ اسی طرح ریاست میں بھی اگر معاشی سسٹم پر قابض حکمران طبقے ایسے ہوں تو اُن کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

دین کے معاشی نظام کو علمی طور پر سمجھنے کی ضرورت و اہمیت

آج صورتِ حال یہ ہے کہ ہم نے اس گزشتہ عرصے میں اسلام کی ان اعلیٰ تعلیمات

www.rahimia.org

کا معاشی نظام نہ تو علمی طور پر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور نہ ہی اس کی اساس پر پڑھنے پڑھانے کا کوئی نظام فکر اور تصور ہمارے سامنے رہا ہے۔ آج ہماری یونیورسٹیاں اور کالجز سرمایہ دارانہ اکنامکس پڑھاتی ہیں۔ وہ ایڈم سمتھ اور مارکس وغیرہ کے تصورات پر معاشیات پڑھاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ زور لگائیں گے تو اسلامی معیشت کے نام پر محض زکوٰۃ، صدقات، خیرات، اوقاف کا ذکر کیا جاتا ہے، ان تصورات کا اسلام کے علمی نظام سے کوئی تعلق نہیں کہ اُسے اسلامی معیشت کے نام پر پڑھایا جائے کہ اس میں نہ معاشیات کی تعریف، نہ کوئی تقابلی جائزہ، نہ پیدائش دولت، نہ صرفِ دولت کی علمی بحث، نہ عاملین پیدائش دولت پر کوئی گفتگو، نہ اس کے حوالے سے کوئی متفقہ تصورات ہماری سوسائٹی میں پڑھائے جاتے ہیں۔

گزشتہ دوسو سال غلامی کے زمانے میں ہماری سوسائٹی پر سرمایہ داری نظام مسلط رہا ہے۔ آج اعلانِ آزادی کے بعد ستر سال سے بھی وہی نظام قائم ہے۔ اسی کے نتیجے میں ملکی اور قومی اثاثہ جات کی نجکاری کا قانون، انفرادیت کی بنیاد پر سرمایہ پرستی اور کھلی منڈی کے نام پر عالمی سامراجی معیشت کا نظام قائم ہے۔ اسی طرح عالمی سطح پر دوسرے ملکوں کی منڈیوں پر قبضے کا سامراجی طور طریقہ جاری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ظلم کا نظام ہے، جس سے آج ہماری پوری سوسائٹی عذاب میں مبتلا ہے۔ مسلسل قرضوں کی معیشت کے سبب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر بچہ پیدا ہوتے ہی مقروض ہوتا ہے۔

وَجہ یہ ہے کہ ہم نے دین اسلام اور بالخصوص جس جامعیت کے ساتھ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اسلام کا فکر و عمل پیش کیا تھا، اس کو نہ اہلِ علم نے اس طریقے سے پھیلایا اور نہ ہی اس کی اساس پر اپنی معیشت قائم کرنے کے لیے ہم نے کوئی حکمتِ عملی بنائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں دین اسلام کی ان معاشی تعلیمات کو درست تناظر میں سمجھنے اور اس کے مطابق حکمتِ عملی بنانے اور جدوجہد وکوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

www.rahimia.org

سوالات و جوابات

(لیکچر کے اختتام پر ناظمِ اجلاس نے صدرِ مجلس کی اجازت سے سوال و جواب کے سیشن کا آغاز کیا۔ چناں چہ اساتذہ اور طلبا نے سوالات کیے۔ حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ان کے جوابات دیے۔

اس موقع پر طلبا اور اہلِ علم کی طرف سے کیے گئے سوالات و جوابات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔)

1۔ معاشی بحران کا سبب

سوال: دنیا میں معاشی حوالے سے 1930ء، 1970ء، یا 2008ء کے بعد آنے والے بحرانوں (crisis) کا ذکر ہوتا ہے۔ ان کی ہم وجوہ ذکر کرتے اور ان کے حل کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ کیا شاہ صاحبؒ کے نظریات اور اُن کی تعلیمات میں اس قسم کے کرائسز کا کوئی ذکر ہے؟ اور کیا شاہ صاحبؒ نے ان کا کوئی حل پیش کیا ہے؟

جواب: یہ بحران (crisis) سرمایہ داری نظام کے ہیں۔ 1930ء کا بحران ہو، جو سرمایہ داری کی وَجہ سے پیدا ہونے والے ''تجارتی چکر'' کی وَجہ سے ہوا۔ تجارتی چکر کے نتیجے میں پیداوار زیادہ ہوگئی، طلب اس کی موجود نہیں تھی۔ مصنوعی طلب اور رسد کی اساس پر قوتِ خرید لوگوں سے ختم ہوگئی۔ تو بحران کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس کے بعد 1970ء کی دہائی میں جو بحران پیدا ہوا، وہ بھی سرمایہ داری کا پیدا کردہ تھا۔ 2008ء میں بھی جو معاشی

www.rahimia.org

بحران پیدا ہوا، وہ بھی سرمایہ داری کا ہے۔ مارٹ گیج سسٹم (Mortgage System) کے نتیجے میں یہ بحران پیدا ہوا کہ جب ایک پلاٹ مثلاً ایک کروڑ کا تھا، آپ نے اس پر دس جگہ قرض دے دیا، مثلاً دس کروڑ کا قرضہ جاری کر دیا۔ ہر آدمی جب پیسہ مانگنے کے لیے آئے تو ظاہر ہے کہ پیسہ تو نہیں ہوگا، یہی سوال ہے کہ کیا ایک اثاثہ پر نو گنا زیادہ قرض دیا جا سکتا ہے؟ تو یہ بھی سرمایہ داری نظام کا چکر ہے۔

ولی اللّٰہی فکر کی اساس پر ان بحرانوں کا تجزیہ یہ ہے کہ یہ جو تجارتی چکر یا مصنوعی طلب و رسد کا عمل اس وَجہ سے پیدا ہوا کہ جب آپ نے انسانیت کو ایک طرف رکھ دیا اور خود ساختہ تصورات کے تحت صرف سرمائے کے پرافٹ اور ریٹرن کی بنیاد پر سرمائے کی بالادستی کا سلسلہ شروع کر دیا اور زر کی جو حقیقی نوعیت تھی، وہ ختم کر کے کرنسی نوٹ اور اب ڈیجیٹل نوٹ بھی آنے شروع ہو گئے، گویا مصنوعی عمل شروع کر دیا تو اس کے نتیجے میں یہ بحران پیدا ہوئے ہیں۔ جب تک حقیقی معیشت نہیں ہوگی تو اسی طرح کے تضادات اور بحرانات آتے رہیں گے۔

2۔ ہیگل اور شاہ صاحبؒ کے نظریۂ ''روح الکل'' میں فرق

سوال: ہیگل (1770ء - 1831ء) کے نظریۂ ''روح الکل'' اور شاہ صاحبؒ کے نظریۂ ''روح الکل'' میں بنیادی طور پر کیا فرق ہے؟ لگتا تو ایسے ہے کہ وہ بھی مذہب کی طرف سے ہے اور یہ بھی مذہب کی بنیاد پر ہے؟

جواب: شاہ صاحبؒ کے نزدیک ''روح الکل'' کے ساتھ ''طبیعت الکل'' بھی ہے اور ''شخصِ اکبر'' کا مکمل تصور ہے۔ اس طرح اُن کے نزدیک کائنات ان تینوں کے مربوط دائرے کی صورت میں وجود پذیر ہوئی ہے اور اسی سے کائنات ایک کلی وحدت کی صورت رکھتی ہے۔ جب کہ ہیگل کی طرف سے تو صرف ''روح الکل'' کی بات سامنے آئی ہے۔ اور وہ ''طبیعتِ کلیہ'' کے تصور سے عاری ہو کر طبیعی اور مادی دنیا میں جدلیت کے تصورات رکھتا ہے۔ اس سے کائنات کی وحدتِ کلی کا تصور سامنے نہیں آتا۔

www.rahimia.org

3۔اسلامی بینکاری کی حقیقت

سوال: آج کے معاشی نظام میں بینکنگ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہمارے ہاں اسلامی معاشیات کے حوالے سے کچھ لوگ کام کر رہے ہیں۔اس کے حوالے سے یہاں پر کچھ ماڈل بھی موجود ہیں۔اس کو شاہ صاحبؒ کے فلسفے کی روشنی میں ہم کیسے دیکھ سکتے ہیں؟

جواب: پہلی بات تو یہ سمجھنی چاہیے کہ بینکنگ پوری معیشت نہیں ہے۔معاشی نظام کا ایک حصہ اور پورشن ہے۔ بینک کا بنیادی تصور تو یہ ہے کہ اس میں لوگوں کی چھوٹی چھوٹی بچتیں جمع ہوتی ہیں۔اُن بچتوں کی بنیاد پر بینک تشکیلِ سرمایہ کا کام کرتے ہیں۔ بینک وہ جمع شدہ سرمایہ کسی سرمایہ دار کو استعمال کرنے کے لیے یا حکومت کو قرضوں کو شکل میں دیتا ہے۔گویا کہ وہ تشکیلِ سرمایہ کی ایجنسی ہے، جو سرمائے کی فراہمی کے لیے سرمایہ داری نظام نے بنائی ہے۔اس کا تعلق نہ براہِ راست پیدائشِ دولت سے ہے، نہ تقسیمِ دولت سے ہے، نہ تبادلۂ دولت سے ہے، اور نہ صرفِ دولت ہے۔ یہ اس کے ایک شعبے یعنی زر کو کنٹرول کرنے کے معاملے میں کام کرتی ہے۔ زر کی گردش اور مالیاتی پالیسی کے حوالے سے، بنیادی کام بھی سٹیٹ بینک کرتا ہے۔

اب اگر کسی ملک میں پیدائشِ دولت کیپٹلزم کے اصول پر ہو، تقسیمِ دولت، تبادلۂ دولت اور صَرفِ دولت سرمایہ دارانہ اصول پر ہوں تو محض ایک ایجنسی، جو سرمائے کو منظّم (regulate) کرنے کی اتھارٹی ہے، اس کو اسلامی بنا لیا جائے یا غیر اسلامی رہے، کیا یہ بحث منطقی ہے؟ ہم سب کو معلوم ہے کہ یہ بینکوں کو اسلامی بنانے کے لیے جو تگ و دو شروع کی گئی تھی، یہ ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں ہوئی۔

جب بینک اسلامی بنانے یا اسلامی معاشی نظام کو سامنے رکھ کر یہاں بات چلی تو دو کمیٹیاں بنائی گئیں: ایک ٹیکنیکل کمیٹی تھی، ماہرینِ معاشیات پر مشتمل۔جس کے سربراہ اُس زمانے کے بیوروکریٹ غلام اسحاق خان تھے۔دوسری کمیٹی مولانا تقی عثمانی کی سربراہی میں علما کی بنائی گئی تھی کہ اسلام کا معاشی نظام یا بینکنگ سسٹم بنا کر دیں اور اُن سے کہا تھا کہ

www.rahimia.org

آپ اس کو عمل میں لانے کا جو ٹیکنیکل ڈھانچہ ہے وہ بیان کریں۔

دونوں رپورٹیں موجود ہیں۔ غلام اسحاق خان کی کمیٹی نے جو ٹیکنیکل کمیٹی تھی، اس رپورٹ کے مقدمے میں لکھا ہے کہ اگر آپ واقعی اسلامی معاشی نظام بنانا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو ملک کا پورا معاشی ڈھانچہ بدلنا پڑے گا۔ دولت کی پیدائش، تقسیم، تبادلہ اور تمام معاشی سسٹم اور جو پروسیجرز (procedures) ہیں، وہ سب بدلنے ہوں گے۔ تب تو ایک مکمل اسلامی معاشی نظام چل سکتا ہے۔ اس سرمایہ دارانہ سسٹم کے اندر رہتے ہوئے صرف بینک کو اسلامائز کیا جائے تو یہ ٹیکنیکلی طور پر ممکن نہیں ہے۔ عملاً ایسا ہونا ممکن نہیں۔

مولانا تقی عثمانی صاحب کی رپورٹ بھی پڑھ لیں۔ انھوں نے بھی بہ الفاظِ دیگر یہ اعتراف کیا تھا کہ اس سسٹم میں رہتے ہوئے یہ کام نہیں ہوسکتا، البتہ ہم اس کو اسلامائزیشن کی طرف لانے کے لیے کچھ حیلے اور کچھ طریقے اختیار کرسکتے ہیں۔ وہ حیلے علما جانتے ہیں، جیسے ''بیع العینہ'' کا حیلہ ہے۔ اسی طریقے سے ''اجارہ'' وغیرہ جیسے طریقے اختیار کرکے سرمائے کا ریٹرن کرائے کی صورت میں لینے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح شرعی طور پر ناجائز ''صفقة فی صفقة'' (معاملہ درمعاملہ) کی صورتِ حال پیدا ہوئی۔ کچھ حیلوں کے ذریعے سے انھوں نے اس کو اسلامی بنانے کی کوشش کی اور اس کے لیے بھی بہت سی کڑی شرائط بنانی پڑیں۔ چند شرطیں خود علما کی اس کمیٹی نے تجویز کیں کہ یہ شرائط ہوں گی تو یہ بینک کسی درجے میں اسلامی بنے گا۔

لیکن جب عمل درآمد کا مرحلہ آیا تو علما کو ایک طرف کردیا گیا اور یہ رپورٹ بینکنگ سیکٹر کے ماہرین کے حوالے کردی گئی۔ انھوں نے ان شرائط کو پیشِ نظر رکھے بغیر اُن حیلوں کی اساس پر ایک نظام بنایا تھا، جس پر خود مولانا تقی عثمانی صاحب کی اس زمانے میں ''البلاغ'' میں تنقید موجود ہے کہ ہم نے شرائط کے ساتھ بات کی تھی، مگر یہ انھوں (حکومتِ وقت) نے نہیں کیا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد کچھ شرائط مانی گئیں۔ پھر بھی ترمیمات کا سلسلہ اب تک جاری ہے اور ابھی بھی اُن حیلوں میں وہ تمام شرائط کامل طور پر

www.rahimia.org

نہیں سامنے آئیں۔ نجی مجلس میں مولانا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم جس طریقے سے چاہتے تھے، ویسا نہیں ہے، لیکن بس اس کو یوں سمجھا جائے کہ ایک اسلامی معاشی نظام کی طرف بڑھنے کی ایک ابتدائی ناقص اور ادھوری سی ایک کاوش ہے۔ تو یہ کوئی مکمل اسلامی بینکنگ نہیں ہے۔

دیکھیے! ہر سسٹم کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ مثلاً کرولا کار کے اندر سوزوکی کا پرزہ نہیں لگا سکتے۔ اسی طرح سرمایہ داری ایک مکمل نظام ہے۔ بینک اس کا ایک کَل پرزہ ہے۔ سوشلزم ایک نظام ہے۔ اس کے شعبے، اس کے پرزے اپنے ہیں۔ اسلام کا اپنا ایک مکمل معاشی نظام ہے، اس کے اپنے کَل پرزے ہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک سسٹم کا ایک پرزہ نکال کر دوسرے میں لگا کر کہیں کہ یہ رواں ہوگیا۔ کیسے ہوگیا؟ اب میزان بینک وہی قرضہ دیتا ہے جو عام بینک دیتا ہے۔ میزان کا قرضہ مہنگا، دوسروں کا سستا کیوں ہے؟ پھر اگر وقت پر اُس نے قرضہ ادا نہ کیا تو عام بینک تو سود وصول کرتا ہے دُگنا تگنا جو بھی طے ہو۔ میزان والوں نے حیلہ بنایا کہ "جبر فی التبرّع"یعنی زبردستی ان سے کہا جائے کہ خیرات (charity) میں حصہ لو۔ وہ چیریٹی بھی ہمارے بینک میں جمع کرانی ہے، باہر نہیں دے سکتے۔ گویا کان اِدھر سے نہیں پکڑا، اُدھر سے پکڑ لیا۔ انھوں نے اُتنی شرح پر سود لیا ہے، آپ نے اس کو چیریٹی قرار دے کر لے لیا۔ کیا شریعت کے اندر ہدیہ اور صدقہ، جبری طور پر لیا جاسکتا ہے؟ یہ تضادات ہیں۔ اس لیے اس کا ابھی مزید جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ جب تک سسٹم کے باقی امور سامنے نہ ہوں، تو کسی ایک چیز کو ہم اسلامی نہیں کہہ سکتے۔

4۔ CPEC کی معاشی حقیقت

سوال: پاک چائنہ اکنامک کوری ڈور CPEC سے معیشت کے اندر ایک نیا موڑ آیا ہے۔ اس تناظر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حوالے سے آپ کیا رہنمائی دیں گے؟ اقوامِ عالم کے ساتھ تجارت کے تناظر میں اگر دیکھ لیا جائے؟

جواب: اللہ کرے کہ اس کا فائدہ آپ کے ملک کو ہوجائے۔ خوشیاں تو ہم بہت منا

www.rahimia.org

رہے ہیں کہ چھیالیس ارب ڈالر چائنہ سے ہمارے پاس آ رہے ہیں۔ لیکن دیکھیے! دنیا میں آپ کسی سے بھی قرضہ لیں، یا کسی کے ساتھ بھی مل کر کوئی معاہدہ کریں، وہ نفع بخش (fruitful) تبھی ہوتا ہے کہ جب ہمارے ہاں اپنا ایک مضبوط اور مستحکم سسٹم ہو۔ ہمارے ادارے فعال ہوں اور ہم اُس سے نتیجہ پیدا کرنے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہوں۔ پھر تو ترقی اور کامیابی ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر اُس کا نتیجہ دوسرا ملک – جو آپ کو اپنے مفادات کے لیے پیسہ دے رہا ہے – فائدہ اٹھائے گا۔

اب سی پیک سے سب سے زیادہ فائدہ چائنہ کا ہے کہ اُسے پچاسی فی صد سفر کی رعایت مل جائے گی۔ اب تک اُسے اپنا مال ایشیا اور افریقا میں پہنچانے کے لیے بحرِ الکاہل کا طویل ترین سمندری راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا، اب اُسے اپنا مال ایشیا میں پہنچانے کے لیے صرف پندرہ فی صد راستہ استعمال کرنا پڑے گا۔

ابھی آپ نے دیکھا کہ پچھلے سال (2016ء) میں چین کا ایک قافلہ (convoy) گزرا ہے، تو وہ اٹھارہ دنوں میں خنجراب سے گوادر کے گرم پانی میں پہنچا۔ یہی جہاز چائنہ سے بحرِ الکاہل کے راستے سے آتا تھا تو تقریباً ایک ڈیڑھ مہینہ لگتا تھا۔ ان دنوں کا پیٹرول، جہاز کا خرچہ اور دیگر جو لیبر ہے وغیرہ، ان سب کی بچت اس کو ہوئی۔ آپ کو کیا ملا ہے؟ اس کے ساتھ ایک ڈویژن فوج تھی (ہم نے خود اس کا مشاہدہ کیا، میں اس وقت بنوں میں تھا، ہمارے سامنے سے وہ قافلہ گزرا) تو آپ دیکھیے کہ وہاں صرف فوج کو اس کا معاوضہ ملے گا کہ فوج کا پورا ڈویژن اس کی حفاظت کے لیے تعینات تھا۔ اب ہمارے ملک کو فائدہ تو تب ہوگا کہ جب ہمارے ہاں قومی تقاضوں کے مطابق ان وسائل سے استفادے کا سٹرکچر اور بہترین نظام موجود ہو۔

آپ بتلائیے کہ چھیالیس ارب ڈالر کا معاہدہ چینی صدر آپ کے ساتھ کر کے جاتا ہے اور وہ خنجراب سے گوادر تک سڑک بنا رہا ہے۔ یہاں سے جاتے ہی اگلے مہینے وہ انڈیا پہنچ گیا۔ مودی (بھارتی وزیرِ اعظم) کے آبائی شہر احمد آباد گجرات میں اُس نے چھبیس ارب

www.rahimia.org

ڈالر میں بلٹ ٹرین چلانے کا معاہدہ کیا، جو کلکتہ سے چلے گی اور امرتسر آئے گی۔ اُس ٹرین کے نتیجے میں آپ بتلائیے کہ کلکتہ سے چلنے والی ٹرین امرتسر آ کر کیا کرے گی؟ امرتسر پر آ کر تو سرحد بند ہوگئی۔ تو کیا یہ کسی نہ کسی گریٹ گیم کا حصہ تو نہیں ہے؟ کہ کل کو یہی دروازہ کھلے اور آ کر آپ کے سی پیک کے ساتھ مل جائے۔ اور یہاں سے طورخم (افغانستان) چلا جائے تو آپ تو زیادہ سے زیادہ اس راہ داری کا کرایہ وصول کریں گے۔ یہی اب تک کا جو اندازہ اور تجربہ ہو رہا ہے۔ کیوں کہ قومی سوچ کے ساتھ ہمارا اپنا معاشی ڈھانچہ اور نظام موجود نہیں ہے۔

پھر ایک اَور بات بھی دیکھیے! سٹیٹ بینک کے اہم ترین لوگوں سے جو ہماری میٹنگز ہوئی ہیں، اس کی روشنی میں یہ معلومات ملیں کہ آپ کے جو آڈٹ اور فنانس سے متعلق لوگ ہیں، ان کے بہ قول چائنہ کا یہ پیسہ آپ کے فنانس سسٹم میں داخل ہی نہیں ہو رہا۔ کس راستے سے آنا ہے؟ اور کس راستے سے خرچ ہونا ہے؟ یہ صرف یہاں کا حکمران طبقہ جانے یا چین کی کمپنیاں جانیں۔ چینی بینک براہِ راست شریک (involve) ہے۔ جب کہ آپ کے بینکوں میں، آپ کے سٹیٹ بینک میں وہ پیسہ کھاتوں میں نہیں چڑھ رہا کہ آپ کے پاس آیا ہو اور پھر یہاں سے آپ نے اخراجات کے لیے آگے مہیا کیا ہو۔ اگر ملک کے ملکیتی قومی فنانس سسٹم میں پیسہ داخل (inject) ہی نہیں ہو رہا اور قرضے کے طور پر آپ کے اوپر مسلط ہو رہا ہے، اس کے فوائد کون اٹھائے گا؟ اس طرح باہر ہی باہر کمپنیوں سے سودے ہو رہے ہیں۔

اس صورتِ حال میں یہاں کی ہر جماعت کے سیاسی مافیاز کا مطالبہ کیا ہے؟ چھوٹے صوبوں کا بھی یہی مطالبہ ہے کہ ہمیں CPEC کا روٹ بتاؤ کون سا ہے؟ تا کہ اُس روٹ پر غریبوں سے سستی زمینیں خرید لیں اور پھر مہنگے داموں سی پیک کو بیچیں۔ خنجراب سے لے کر گوادر تک یہ پورا روٹ دیکھ لیجیے۔ جیسے ہی روٹ کا اعلان ہوا ہے، یہاں موجود جتنے بھی سیاسی نمائندے کسی بھی پارٹی کے تھے، نون لیگ کے ہوں، پیپلز پارٹی کے ہوں، عمران

www.rahimia.org

خان کے ہوں، مولانا صاحب کے ہوں، انھوں نے اس روٹ پر آنے والی زمینیں غریبوں سے اونے پونے داموں میں خریدی ہیں۔ انھیں آگے فروخت کرکے کمانے کے منصوبے ہیں۔ وہی مافیاز جو سرمایہ دارانہ نقطہ نظر سے پہلے سے ملکی وسائل پر قابض ہیں، یہ فائدہ اُن کا ہوگا۔ عوام کا فائدہ تو تب ہوگا کہ جب عوامی مفاد یا رائے کلی کے تناظر میں سسٹم بنے۔ اخلاقِ فاضلہ کے تقاضوں پر سسٹم بنے۔ ٹیکنالوجی کا استعمال ملک کے قومی مفاد کے تناظر میں ہو تو ولی اللّٰہی نقطۂ نظر سے سی پیک درست ہوگا۔ اگر ایسا نہیں تو ولی اللّٰہی نقطۂ نظر سے سرمایہ داری نظام کا آلہ کار ہوگا۔

5۔ انسانیت میں اصل 'وحدت' ہے، نہ کہ 'جدلیت'

سوال: اسلام جب آیا تو وہ تھیسز (Thesis) کس سسٹم کا تھا؟ اور اس کے بعد پھر اُس کا اینٹی تھیسز (Anti thesis) کیا آیا؟ اگر اینٹی تھیسز آتا ہے تو دنیا اسے قبول کرسکتی ہے؟ اور اگر نہیں کرسکتی تو اسلام کے بعد جو تھیسز بنے، وہ کیا ہیں؟ اور ہم اسلام کو دوبارہ تھیسز کیسے بنا سکتے ہیں؟

جواب: یہ جو بات کی گئی تھی، وہ مارکسزم یا ہیگل کے فلسفے کے نقطۂ نظر سے بیان کی گئی تھی۔ اسلام کا نقطۂ نظر تو یہ نہیں ہے کہ انسانیت میں جدل کو تسلیم کیا جائے یا اس جدلیت کی اساس پر اس میں سے کوئی مشترکہ امر یا Synthesis نکالا جائے۔ ایک پورے نظام کے حوالے سے یہ تو مقدمہ ہی سرے سے غلط ہے۔ اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ کل انسانیت، نوع کے اعتبار سے ایک وحدت لیے ہوئے ہے۔ انسانی تقاضوں میں کالے، گورے، مشرقی، مغربی، مسلمان، غیرمسلم کا اپنے معاشی تقاضوں کے حوالے سے آپس میں کوئی جدل نہیں ہے۔ ہر انسان کو بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، گرمی سردی سے بچاؤ کی ضرورت ہے، اس کی معاشی ضروریات ہیں۔ بلاتفریق رنگ، نسل و مذہب، وحدتِ انسانیت کی اساس پر کل انسانیت کی معاشی ضروریات کے مہیا کرنے کے لیے جو معاشی نظام وسائل فراہم کرے گا، وہ اسلامی نظامِ معیشت کہلائے گا۔

www.rahimia.org

انسانوں میں پہلے جدل ماننا اور پھر جدل کی بنیاد پر ''سن تھیسز'' (sun thesis) کا اشتراکی تصور لانا اور پھر اس کو اگلے مرحلے میں تھیسز قرار دینا، یہ ہیگل اِزم (Hegelism) مارکسزم (Marxism) کی فلاسفی تو ہوسکتی ہے، اسلام کا نقطۂ نظر تو نہیں ہے۔ کیا آج سے چودہ سو سال پہلے یا کئی ہزار سال پہلے انسان کو بھوک نہیں لگتی تھی؟ یا کم لگتی تھی؟ یا گرمی سردی سے بچاؤ کی اس دور میں اَور کوئی ضرورت تھی اور آج اَور ہے؟ ظاہر ہے کہ انسان کے نوعی تقاضوں میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ جب ان نوعی تقاضوں میں کوئی فرق نہیں پڑا تو اس حوالے سے وہ ایک نوعی وحدت کی صورت لیے ہوئے ہے۔ لہٰذا قیامت تک کے لیے چودہ سو سال پہلے اس کی ضروریات کی تسکین کا جو مجموعی ڈھانچہ اسلام نے دیا ہے، اس کی اہمیت آج بھی اُسی طریقے سے برقرار ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ ذرائع پیداوار میں تبدیلی آئی ہے تو وہ آنی بھی چاہیے اور وقت کے ساتھ ساتھ آتی رہتی ہے۔ اب اُن ذرائع پیداوار یا اُس ٹیکنالوجی کو کل انسانیت کے مفاد کے لیے بنانا، یہ اسلام کی تعلیمات کا حصہ ہے۔ جو بھی ٹیکنالوجی آئے، اس کے تناظر میں احتیاجات کا تعین کریں اور اُسی کے مطابق ہی ان وسائل کو پیدا کر کے اُن وسائل کے ذریعے سے احتیاجات کی تسکین کا نظام بنائیں۔

6۔حضرت سندھیؒ پر اشتراکی پروپیگنڈے کے الزام کی حقیقت

سوال: آپ نے بڑے خوب صورت انداز میں اسلام کا معاشی نظام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ کیپٹلزم اور سوشلزم کے مقابلے میں اسلام بالکل different اور اعلیٰ اور ارفع نظام ہے، لیکن ہمارے سامنے ایک اَور مسئلہ یہ آتا ہے کہ فکرِ ولی اللّٰہی کے ایک بڑے شارح تھے مولانا عبیداللہ سندھیؒ (1944ء) اُن کے بارے میں عمومی طور پر یہ تأثر پایا جاتا ہے کہ وہ روس کے سوشلزم سے متأثر ہوگئے تھے اور انھوں نے ان کے نظریات کے پرچار کے لیے کام کیا۔ یہ شبہ کس حد تک درست ہے؟ اس کی وَجہ کیا ہے؟

www.rahimia.org

جواب: اس کی وَجہ یہ ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ حریت پسند اور freedom fighter تھے۔ برطانوی سامراج کے خلاف انھوں نے آزادی کی جنگ لڑی۔ چوبیس پچیس سال باہر رہ کر اور پندرہ بیس سال ہندوستان میں رہ کر یہ جدوجہد اور کوشش کی۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں اُن پر تحریکِ ریشمی رومال کے تناظر میں انگریزوں نے ایک مقدمہ اس عنوان سے دائر کیا تھا: ''ملکہ معظّمہ بنام عبیداللہ سندھی''۔ اُس مقدمے میں مولاناؒ کو برطانوی شہنشاہیت نے اپنا مجرم قرار دیا تھا۔ مولانا سندھیؒ جب مجرم قرار پائے تو مولاناؒ کا ملک میں داخلہ بند ہوگیا کہ وہ برطانوی سامراج کے غدار ہیں اور انھوں نے بغاوت کی ہے، لہٰذا وہ اس ملک میں نہیں آسکتے۔

انڈیا ایکٹ 1935ء (Government of India Act 1935) کے تحت جب یہاں سیاسی آزادی حاصل ہوئی اور جماعتوں کو الیکشن لڑنے اور صوبائی حکومتیں بنانے کی اجازت دی گئی تو پھر یہاں کے سیاسی لیڈروں نے بالخصوص حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور کانگریس کے لیڈروں نے باقاعدہ طور پر برطانیہ کو درخواست کی کہ ہمارے جتنے بھی باہر گئے ہوئے جلاوطن لوگ سیاسی لیڈر ہیں، ان کو واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ اس لیے کہ سیاسی آزادیاں ہوں گی، الیکشن تبھی لڑا جائے گا۔ چوں کہ مولانا سندھیؒ اپنے آپ کو صوبہ سندھ سے وابستہ کر چکے تھے تو سندھ کانگریس کے صدر پنڈت چوئتھ رام نے حکومتِ برطانیہ کو باقاعدہ آفیشل لیٹر لکھا کہ ہمارے سندھ کے ایک رہنما مکہ معظّمہ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کررہے ہیں، ان کو واپس لایا جائے۔

برطانوی سرکار نے اُس خط کے جواب میں سندھ کانگریس کے پریزیڈنٹ کو لکھا کہ مولانا سندھیؒ کیمونسٹ ہو چکے ہیں۔ وہ روس گئے تھے اور انھوں نے سوشلزم قبول کرلیا۔ سوشلزم اور ہمارے سرمایہ داری نظام، دونوں کے درمیان جنگ ہے، اور ہم اپنے کسی بھی دشمن کو اپنے ملک میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتے اور دو چار مزید اعتراضات اُن پر کیے۔ اس پر اس حوالے سے پنڈت صاحب نے حضرت سندھیؒ کو اس سلسلے میں ایک خط

www.rahimia.org

لکھا، جس میں اس حوالے سے سوالات کیے گئے تھے۔ جو آج بھی کراچی نیشنل میوزیم کے آرکائیو میں محفوظ ہے تو مولانا سندھیؒ نے 18 صفحات پر مشتمل اس کا جواب دیا۔

اُس میں خاص طور پر یہ الزام کہ حکومتِ برطانیہ نے کہا ہے کہ ''آپ سوشلسٹ ہیں'' اور آپ نہیں آسکتے۔ تو مولانا نے اس کا جواب لکھا کہ: میں روس گیا۔ وہاں رہا اور سوشلزم کا مطالعہ میں نے کیا۔ یہ بھی کہا کہ میں شروع میں یورپین زبان نہیں جانتا تھا۔ میں نے اپنے رُفقا کے ذریعے سے سوشلزم کا مطالعہ کیا مثلاً ظفر حسن ایبک وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ میرا علمی اور قانونی حق ہے کہ دنیا کے کسی بھی علم وفکر یا کسی بھی نظام کا میں مطالعہ کروں۔ اس پر دنیا میں کوئی پابندی (ban) نہیں لگا سکتا۔ جہاں تک سوشلزم کو قبول کرنے کی بات ہے تو یہ دعویٰ غلط ہے۔ میں نے کبھی بھی کمیونزم یا سوشلزم کو اپنا نصب العین قرار نہیں دیا۔ مولانا سندھیؒ اپنے جوابی مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:

> ''میرا دعویٰ ہے کمیونسٹ ریولیشن (communist revolution) کو میں نے کبھی اپنا سیاسی عقیدہ (political creed) نہیں بنایا اور نہ آئندہ میرے جیسے لوگوں سے یہ ممکن ہے۔ گورنمنٹ اپنی معلومات پر احتیاط سے نظر ثانی کرے گی تو وہ خود اس کی شہادت دے گی۔ ... جو لوگ میری علمی سائیکالوجی سے واقف ہیں، وہ کبھی مان نہیں سکتے کہ میں کمیونسٹ کریڈ قبول کرسکتا ہوں''۔

میرا عقیدہ اور نصب العین (creed) اسلام ہے اور اس اسلام کی مَیں وہ تعبیر مانتا ہوں، جو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کی ہے۔ اس سلسلے میں میرے دو استاد ہیں: ایک شاہ ولی اللہ اور دوسرے میرے اپنے براہِ راست استاد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ۔ میں ان دونوں کا تعبیر کردہ اسلام مانتا ہوں۔ ضروری نہیں کہ باقی لوگوں کی تفہیم شدہ جو تعلیماتِ اسلام ہیں، میں ان کو تسلیم کروں۔

میں حکومتِ برطانیہ کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنی کسی سی آئی ڈی کی رپورٹ سے یا اپنی کسی دستاویز سے یہ ثابت کرے کہ میں نے کبھی اور کسی بھی مرحلے پر سوشلزم قبول کیا ہو۔

www.rahimia.org

میرے جیسا دبنگ آدمی چھپ کر کوئی بات نہیں قبول کیا کرتا۔ مجھے جب پتہ چلا کہ میرا ہندو دھرم یا سکھ دھرم میرے مسائل حل کرنے کا قائل نہیں ہے تو میں نے بہ بانگِ دُہل ماں چھوڑی، بہن چھوڑی، غرض! ہر چیز چھوڑی، میں نے اسلام قبول کرلیا۔ اگر روس جا کر مجھے ایک لمحے کے لیے بھی معلوم ہوتا کہ اسلام میرے مسائل کا حل نہیں ہے تو میں بہ بانگِ دُہل اعلان کردیتا کہ میں آج کے بعد اسلام چھوڑتا ہوں اور میں کمیونسٹ ہوجاتا۔ لہٰذا میرے بارے میں غلط معلومات ہیں(256)۔

مولانا سندھیؒ نے یہ خط لکھا اور اُس خط کو بنیاد بنا کر پنڈت صاحب کا برطانیہ سے پھر اگلا ڈائیلاگ ہوا۔ مولانا سندھیؒ 7/ مارچ 1939ء میں یہاں آئے۔ لہٰذا مولانا سندھیؒ پر سب سے پہلے برطانوی حکومت نے کمیونسٹ ہونے کا یہ الزام لگایا تھا۔ مولانا سندھیؒ یہاں آکر آرام سے تو نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے یہاں کی سیاست میں حصہ لینا تھا۔ یہاں چاہے کسی پارٹی میں ہوتے، کانگریس میں تو پہلے سے تھے، مولانا انڈین نیشنل کانگریس کابُل کی شاخ کے صدر بھی رہے تو انھوں نے آزادی اور حریت کی بنیاد پر کام کرنا تھا۔ اس میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے ایک تو شرائط کے ساتھ مولانا سندھیؒ کو یہاں آنے کی اجازت ملی۔ دوسرے مولانا چوں کہ متحرک آدمی تھے، اور اُن کی تحریک سے برطانیہ کی حکومت ہلتی تھی، تو اس لیے برطانیہ نے ان کے خلاف مذہبی لوگوں کے ذریعے سے یہ پروپیگنڈا کرایا کہ مولاناؒ کمیونسٹ ہوگئے اور کمیونزم کی باتیں کرنا شروع کردی ہیں۔ کیا کوئی آدمی مولاناؒ کی اپنی کسی تحریر سے یہ بات دکھا سکتا ہے کہ مولاناؒ نے کمیونزم یا سوشلزم کی بات کہی ہو؟ کوئی نہیں! یہ سب پروپیگنڈا ہے جو جھوٹ پر مبنی ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ایک سیاسی الزام تراشی ہے جو کسی دوسرے کو فیل کرنے کے لیے اور کام نہ کرنے دینے کے لیے کی جاتی ہے۔ پھر مولاناؒ نے آکر یہاں جو جدوجہد شروع کی اور ولی اللّٰہی فکر کی اساس پر سیاسی، معاشی، سماجی، علمی کام شروع کردیا تو اس سے برطانوی سسٹم نے لرزنا تھا۔ کیا یہ بہت عجیب الزام نہیں ہے کہ ولی اللّٰہی فکر پر کام

www.rahimia.org

کرنے کے باوجود مولاناؒ کمیونسٹ تھے؟!

ہندوستان میں مولانا سندھیؒ کے آنے کے بعد ان کے خلاف دو طبقے تھے:

ایک طبقہ تو نام نہاد اسلام پسند یا رجعت پسند علما کا تھا۔ انھوں نے مولانا سندھیؒ پر یہ الزام تراشی کی کہ یہ کمیونسٹ ہو گئے۔ اس کا جواب دیا جا چکا ہے۔

دوسرا طبقہ خود کمیونسٹوں کا تھا۔ اگر ہم کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں، اس نے باقاعدہ سرکلر جاری کیا کہ: ''ہمارا جو بھی کامریڈ ہے، وہ سوائے عبیداللہ سندھیؒ کے کسی بھی مولوی سے مل سکتا ہے''۔ انھوں نے لکھا کہ: ''ہر مولوی سے آپ مل سکتے ہیں کیوں کہ اُس کی رجعت پسندی کا توڑ کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر ملاقات نہیں کر سکتے تو عبیداللہ سندھیؒ سے''۔

گنگارام مینشن مال روڈ لاہور میں حکیم محمد قاسم صاحب اپنے مطب میں بیٹھتے تھے۔ وہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی کے فارغ التحصیل تھے اور غالباً حکیم اجمل خان کے شاگرد تھے۔ خود انھوں نے ہمیں اپنا واقعہ سنایا کہ میں کامریڈ بن گیا اور کمیونسٹ پارٹی میں چلا گیا تھا۔ ہم اس کے سٹڈی سرکل میں شریک ہوتے تھے۔ اب چوں کہ ہم کمیونسٹ تھے، ظاہر ہے کہ ہمارے ماں باپ مسلمان خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ہمارے خلاف خاندان کے اندر بڑا ردِعمل تھا۔ اور ماں باپ بھی ہم سے چھوٹ گئے کہ ہم اپنے انقلابی جوش میں کمیونسٹ بن چکے تھے۔ ہمارے سٹڈی سرکل میں ایک دن کمیونسٹ پارٹی کا وہ سرکلر پڑھا گیا کہ یہ مرکز سے آیا ہے۔ یہ تمام کامریڈوں کے نام ہے کہ: ''وہ ہر مولوی سے مل سکتے ہیں مگر عبیداللہ سندھیؒ سے نہیں مل سکتے''۔

حکیم محمد قاسم صاحب ہنستے ہوئے ضرب المثل بیان کیا کرتے تھے کہ: ''انسان کو جس چیز سے روکا جائے، انسان اُدھر ضرور بھاگتا ہے''۔ ہم نے دل میں کہا کہ یار ایسا کیسا مولوی ہے! جس سے کمیونسٹ بھی ڈرتے ہیں تو کیوں نہ اُس سے ملا جائے؟ ہم مولانا سندھیؒ کے پاس گئے۔ اب جب مولاناؒ سے بات چیت ہوئی اور ولی اللّٰہی فلاسفی پر انھوں

www.rahimia.org

نے گفتگو کی تو ہماری تو آنکھیں کھل گئیں۔ہم نے کہا کہ بھئی! اس طرح تو ہمارا ایمان بھی بچتا ہے۔ ہمارا مقصد تو غربت کا خاتمہ اور ظلم وستم کو ختم کرنا تھا، اگر ہم کمیونسٹوں میں رہ کر یہ کام کریں تو اس میں تو ہمارا ایمان جاتا ہے۔ یہاں ایمان بھی بچتا ہے اور غریبوں کے لیے کام بھی ہوتا ہے۔آم کے آم، گٹھلیوں کے دام۔ اس طرح ہم تو مولانا سندھیؒ کے عاشق ہوگئے۔ہم نے کمیونسٹ پارٹی چھوڑی اور مولانا سندھیؒ کے شاگرد بن گئے۔

یہ عجیب کمیونسٹ ہے کہ جس کے بارے میں کمیونسٹ پارٹی کہتی ہے کہ یہ مولوی اتنا شدت پسند ہے کہ ہمارے جدید سوشلزم اور کمیونزم کو توڑ رہا ہے اور ماشاء اللہ! علما کہتے ہیں کہ: ''یہ کمیونسٹ ہیں؟!''

7۔اسلامی معیشت کی اصل بنیاد؛ انسانی محنت

سوال: آپ نے اسلامی معیشت کی بنیاد محنت کو قرار دیا ہے، جب کہ آج مشینی دور ہے۔اس مشینی دور میں محنت تو تقریباً ختم ہوجاتی ہے۔اس مشینی دور میں کیا رہنمائی ہوگی؟

جواب: انسانی محنت کے بغیر تو کوئی بھی کام نہیں ہوتا۔مشین بھی ایجاد ہوجائے تو مشین کو چلانے کے لیے دیکھ بھال اور نگرانی کا نظام تو بنانا پڑے گا۔ اصل سوال یہ ہے کہ جو ٹیکنالوجی بھی دریافت ہوئی ہے، اس کا مفاد کس کو ہونا چاہیے؟ کیا اجتماع کو یا ایک مخصوص طبقے کو؟ انسان اس دنیا میں جب تک ہے تو ہر ایک ٹیکنالوجی کے استعمال کے لیے انسانوں کی ضرورت رہے گی۔ لہٰذا جو ٹیکنالوجی بھی دریافت ہو، تو اس کے نتیجے میں فائدہ تمام انسانوں کو ہونا چاہیے۔ یہ ایک مخصوص طبقے کے لیے نہیں۔

- - - - - - - - - - - - - - - - -

www.rahimia.org

صدارتی کلمات

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا

سابق چیئرمین شعبہ علومِ اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

حال ڈین فیکلٹی آف شریعہ اینڈ اسلامک سٹڈیز، منہاج یونیورسٹی، لاہور

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم. نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم.

أمّا بعد! قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ فی کلامہ المجید و الفرقان الحمید:

"وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا" [257] صدق اللّٰہ العظیم.

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "جس نے بھی میرے ذکر سے منہ موڑا، یقیناً ہم اُس کے لیے معیشت کو تنگ کردیں گے"۔ آج کے موضوع کا عنوان معیشت کے حوالے سے ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی فکر کے حوالے سے اسے آپ نے سنا۔ اس اتنے بڑے دل پذیر خطبے اور اتنی خوب صورت باتوں کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی گنجائش ہے۔ تاہم ایک بات ضرور اس میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: "جو ہمارے ذکر سے منہ موڑے گا، تو اس کی معیشت تنگ ہوگی"۔ یہاں ذکر سے مراد اُصول ہیں۔ جب ہم اُن اصولوں پر عمل کریں گے، جب ہم معیشت کے اصولوں پر اُس کی اصل کتاب کے مطابق کام کریں گے تو یقیناً ہماری معیشت مضبوط ہوجائے گی۔ آج ہمارے جو اصول ہیں، ہم ان کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔

امریکا میں ایک پروفیسر سے ملاقات ہوئی۔ اُن سے اسلام کے معاشی نظام پر کافی گفتگو رہتی تھی۔ میرا دوست تھا۔ ہم چائے اکٹھے پیا کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ اسلام کا یہ جو نظامِ معیشت ہے، وہ تمام نظاموں سے بڑھ کر ہے اور اس کے پاس تمام مسائل کا حل موجود ہے، جس سے کسی بھی سوسائٹی کو اچھے طریقے سے چلایا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے

www.rahimia.org

کہ وہ میری بات سے بڑا چونکا۔ اس نے کہا: کیا آپ کے پاس ایک نظام موجود ہے؟ میں نے کہا: بالکل موجود ہے۔ اس نے کہا کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے کہ آپ کے پاس اسلام کا نظامِ معیشت ہے۔ ہاں! بس چند اصول ہیں آپ کے پاس، آپ ان اصولوں کو لے کر پھر رہے ہیں، اَور آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ بس یہ بہرحال ایک چیلنج ایبل (challengeable) لمحۂ فکریہ تھا میرے لیے کہ جس طرح ہماری تاریخ، ہمارا دین، ہمارے نبی پاک ﷺ کی تعلیمات اور قرآن مجید کی جو تعلیم ہے، ان کو اس نے مسترد (reject) کر دیا۔

اصل لمحۂ فکریہ ہے کہ اتنا بڑا نظام جو ایک ہزار سال تک جس کا تذکرہ محترم مفتی صاحب نے بھی کیا ہے، وہ قابلِ عمل رہا اور وہ نظام برصغیر کے حوالے سے بھی ایک مضبوط اور پائیدار رہا۔ اب کیا مسئلہ ہو گیا ہے کہ آج ہم اس معیشت کے نظام کو کیوں نہیں دنیا کے نظام پر غالب کر سکے؟ جہاں جہاں کمزوریاں ہیں، مفتی صاحب نے اُن کی نشان دہی کردی ہے کہ ان کمزوریوں کے ازالے کے طریقہ ہائے کار پر اگر ہم چلیں گے تو ہمارا نظام بھی مضبوط ہو جائے گا۔ بیرونی معیشت کے مقابلے میں جو ہمارا اپنا نظامِ معیشت ہے، اس کو ہم استوار کریں گے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت کے مقابلے پر ہم اُن اصولوں کو سمجھیں اور اُن پائیدار اصولوں پر عمل کریں، جو شاہ ولی اللہؒ نے آج سے دو سو سال پہلے ہمیں بتائے تھے۔ آج کی جو جو ضرورت ہے، اس ضرورت پر ہمیں عمل پیرا ہونا ہوگا۔ تب جا کر ہم کوئی کامیابی کی منزل طے کر سکتے ہیں۔

بہرحال بہت اچھی باتیں ہوئی ہیں۔ اب مزید اس پر کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آج کی اس تقریب — جو موسیٰ پاک شہید چیئر کے زیرِ اہتمام ہوئی ہے — میں انھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اس کے جتنے بھی منتظمین ہیں، ان کا بھی میں شکریہ ادا کرتا ہوں، جس لیکچر کا اہتمام کیا گیا ہے، وہ ہمارے طلبا کے لیے، طالبات کے لیے، ہمارے پی ایچ ڈی اور ایم فل کے طلبا کے لیے اور اساتذہ کے لیے بھی میں سمجھتا ہوں کہ

www.rahimia.org

ایک رہنمائی کا ریسورس (resource) ہے۔ اور فکری، سماجی اور معاشی رویوں میں ہمیں چینج (change) کی ضرورت ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ ہم جب سے تعلیم کے نظام میں آئے ہیں، لیکچرز ہی سنتے آئے ہیں، لیکن الحمدللہ! جو آج کا لیکچر ہے، اور اس سے پہلے کے جو لیکچرز ہیں، میں جناب مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اُن کے علم کی قدر کرتا ہوں کہ انھوں نے ایک ایسا تجزیہ پیش کیا ہے جو شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی فکر سے ہم آہنگ ہو کر ہمیں اسلامی اصولوں پر چلانے کے ان شاء اللہ قابل بنائے گا۔ آخر میں مَیں تمام طلباء وطالبات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے بڑے تحمل سے اور بڑی برداشت کے ساتھ اپنے آپ کو وقف کرتے ہوئے ایک لمحہ بھی یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ انھیں کوئی بوریت کا شائبہ ہو رہا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ ہمیں اسلامی اصولوں پر اور اسلام کے خصوصاً نظامِ معیشت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کیوں کہ یہی ایک نظام ہے۔ بڑا افسوس ہوتا ہے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نظام سرمایہ دارانہ نظام کی شکل میں ہم پر زبردستی مسلط ہے۔ ہم طوعاً و کرہاً اس پر عمل کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مشکل سے نجات دلائے۔ آمین!

- -

صدارتی کلمات کے بعد صدر شعبہ علومِ اسلامیہ جناب ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب نے طلبا اور طالبات کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ: ''یہ بڑا اہم لیکچر تھا اور اسلامی معیشت کے حوالے سے اس میں بہت سے نئے پہلو اور اسلام کے مکمل نظام سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اس لیے شعبۂ اسلامیات کے طلبا کا اس لیکچر کے حوالے سے امتحان لیا جائے گا۔ طلبا اس کی تیاری کریں''۔

☆

www.rahimia.org

www.rahimia.org

مقالہ

7

قرضوں کی معیشت اور اس کی تباہ کاریاں

اسلامی تناظر میں اس کا حل

خطاب

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

سکھر آئی بی اے یونیورسٹی، سکھر، سندھ

۱۶/ رجب ۱۴۴۴ھ / 8/ فروری 2023ء

www.rahimia.org

کلماتِ تشکر اور مکالمے کی اہمیت
تعلیمی اداروں کا مقصد؛ علمی شعور کی آبیاری
قرآن حکیم؛ انسانیت کی رہنمائی کی آخری کتاب
موضوعِ بحث؛ انسانی معاشی معاملات
موضوع کا تعلق؛ تبادلۂ دولت سے
آسان خرید وفروخت کے لیے زر کی تخلیق
تبادلۂ اشیا کی تین قسمیں
’تجارت‘ اور ’قرض‘ میں فرق
قرض پر سود لینے کی حرمت پر قرآنی دلائل
اصل زر سونا اور چاندی ہے
تجارتی نظریۂ زر کی تباہ کاریاں
آپؐ کا مقصد دنیا کی ایک واحد کرنسی قائم کرنا تھا
قرض کو بزنس کی بنیاد بنانا بحران کا سبب ہے
زرِ حقیقی کے بجائے زرِ اعتباری (کاغذی کرنسی) کے نقصانات
دنیا بھر کی ریاستوں کو قرضوں کی معیشت میں جکڑا گیا
قرضوں کی معیشت کے سائے میں اسلامی بینکاری کے تصورات
سرمایہ داری نظام کے تضادات
دین کی اَساس پر معاشی معاملات سمجھنے کی اہمیت
سوالات و جوابات
صدارتی کلمات

www.rahimia.org

قرضوں کی معیشت اور اس کی تباہ کاریاں

اسلامی تناظر میں اس کا حل

(مذکورہ بالا عنوان پر حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ نے سکھر آئی بی اے یونیورسٹی، سندھ میں شعبہ کیئر ڈویلپمنٹ سنٹر کے تحت ایک سیمینار میں لیکچر دیا۔ یہ سیمینار مؤرخہ: ۱۶/ رجب ۱۴۴۴ھ / 8/ فروری 2023ء کو یونیورسٹی کے اکیڈمک بلاک II کے کانفرنس ہال میں وائس چانسلر کی ہدایت پر منعقد ہوا۔ اس کی صدارت ڈائریکٹر شعبہ کیئر ڈویلپمنٹ سنٹر جناب ڈاکٹر قاضی عبدالواحد رضا نے کی تھی۔ اس سیمینار میں بزنس ایڈمنسٹریشن اور فیکلٹی ممبران نے شرکت کی تھی۔ سمینار کی نظامت یونیورسٹی کے ایلومنائی جناب سیّد فاروق شاہ گیلانی نے کی تھی۔ آخر میں سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ یہ لیکچر اور سوالات و جوابات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ سیمینار کے بعد شرکا کی تأثرات بہت اچھے تھے۔ فیکلٹی ممبران نے بھی اس لیکچر کو بہت سراہا۔ ناشر)

ابتدائی کلمات از ناظم اجلاس

ہمارے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ آج ہمارے ساتھ مفتی عبدالخالق آزاد صاحب موجود ہیں۔ آپ رحیمیہ انسٹیٹیوٹ آف قرآنک سائنسز کے

www.rahimia.org

ڈائریکٹر جنرل ہیں۔ دینی اور معاصر علمی حلقوں میں آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

Mufti Azad sb is a diversified scholar with rich and in-depth knowledge in religious studies, history, political sciences, sociology, and general political sciences.

مفتی آزاد صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور رحیمیہ انسٹیٹیوٹ کے پلیٹ فارم سے آپ کے لیکچرز کے ذریعے ہزاروں لوگ تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ آج کا یہ سیمینار بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اب میں گزارش کروں گا جناب مفتی عبد الخالق آزاد صاحب سے کہ وہ ڈائس پر تشریف لائیں اور موضوع ''قرضوں کی معیشت اور اس کی تباہ کاریاں؛ اسلامی تناظر میں اس کا حل'' پر ہماری رہنمائی فرمائیں۔

خطاب کا متن

خطبۂ مسنونہ

نحمدُہٗ و نصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم. أمّا بعد!

فأعوذ باللّٰہ مِن الشّیطان الرّجیم. بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم.

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (258)

و قال النبی ﷺ: ''کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً، فَهُوَ رِبًا''. (259)

أو کما قال علیه الصّلوٰۃ و السّلام

صدق اللّٰہ العظیم و صدق رسولہٗ النّبیّ الکریم.

www.rahimia.org

کلماتِ تشکر اور مکالمے کی اہمیت

سب سے پہلے تو میں یونیورسٹی کی انتظامیہ، اساتذہ اور طلبا کا مشکور ہوں کہ ہمیں یہاں گفتگو کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ یقیناً آج اس کی بڑی ضرورت ہے کہ ہم اپنی سوسائٹی کے سلگتے ہوئے مسائل پر دینی حوالے سے غور وفکر کریں۔ اس حقیقت کو جاننے کی کوشش کریں کہ آج اسلام کے نام پر بنائے ہوئے اس ملک 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' میں علمی حوالے سے دینی تعلیمات کے فروغ کا جائزہ لیں اور تحقیقی انداز میں مکالمے کے طور پر حقائق پر غور وفکر کریں اور ایک صحیح اور درست نظریے پر پہنچ پائیں۔

تعلیمی اداروں کا مقصد؛ علم وشعور کی آبیاری

خاص طور پر ہمارے تعلیمی اداروں — دینی ہوں، یا عصری تعلیمی ہوں — ان کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ علم بانٹتے ہیں اور علم وشعور کا تعلق مسائل کی پرکھ اور اُن کے حل کرنے سے ہوتا ہے۔ علم کے نتیجے میں یہ شعور بیدار ہونا چاہیے کہ ہم اپنے قومی اور ملی مسائل کو علمی اور منطقی انداز میں سمجھیں اور ان کے حل کرنے کے لیے ایک صحیح اور درست لائحۂ عمل اختیار کریں۔ محض عقیدت، محض رسمیت اور محض رجعت پسندی کی اَساس پر معاملات کو دیکھنا، یہ علمی طور پر کوئی درست زاویۂ فکر نہیں ہے۔ علمی طور پر چیزوں کو دیکھنا اور صحیح نتیجے تک پہنچنا ایک طالبِ علم کا بنیادی فریضہ ہے۔ اور ایک استاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حوالے سے اپنے طلبا کی رہنمائی کرے۔

موضوع کی اہمیت

یقیناً ہم آج جس اہم موضوع کے حوالے سے یہاں جمع ہوئے ہیں یہ ہمارے ملک اور معاشرے کا ایک سنگین مسئلہ ہے اور اس وقت یہ مسئلہ آئی ایم ایف کی مداخلت کے نتیجے میں ایسی انتہا پر پہنچا ہوا ہے کہ ہمارے ملک کی سالمیت کو بھی خطرات لاحق ہیں۔ ایسے

www.rahimia.org

موقع پر بڑا ضروری ہے کہ ہم قرآن حکیم اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور خاص طور پر دینِ اسلام کی معاشی تعلیمات کے تناظر میں ان مسائل کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے علمی اور شعوری اندازِ فکر اختیار کریں۔

قرآن حکیم؛ انسانیت کی رہنمائی کی آخری کتاب

عزیز طلبا! ہمیں اس حقیقت کو بھی سمجھنا ہے کہ قرآن حکیم انسانیت کی رہنمائی کی آخری کتاب ہے، جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کی رہنمائی کے لیے آئی ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات ہمیں ہر دور کے حوالے سے بنیادی رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ تفصیلات ہر دور کے تقاضوں کے تناظر میں سمجھی جا سکتی ہیں، لیکن اُصولی تعلیم اور اُصولی نقطۂ نظر قرآن حکیم نے بہت پہلے 1400 سال سے بھی پہلے واضح کر دیا ہے۔ اس لیے کہ انسانوں کے باہمی تعلقات، اُن کے آپس میں ریلیشن شپ، ان کے لین دین اور معاملات کی بنیادی نوعیت نہیں بدلی۔ ہر دور میں بنیادی نوعیت وہی ہوتی ہے۔

جدیدیت کے نتیجے میں ہر دور میں زیادہ سے زیادہ ان تعلقات میں وسعت اور پھیلاؤ اور معاشی حوالے سے پیداواری رشتے اور آلات کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ پیداواری آلات کے بدلنے سے معاملات کی اصل حقیقت نہیں بدلتی۔ مرد مرد رہتا ہے، عورت عورت رہتی ہے۔ معاہدۂ نکاح ہو، یا کسی محلے یا کسی سوسائٹی کا اجتماعی نظام یا سوشل کنٹریکٹ (Social Contract) جسے ''معاہدۂ عمرانی'' کہا جاتا ہے، بنیادی طور پر اس سماجی معاہدے کے بنیادی عناصر اور ان کے تعلقات کی بنیادی نوعیت ایک ہی رہتی ہے۔ صرف ان تمام امور کو انجام دینے کے آلات یا انداز اور اسلوب بدلتے ہیں۔

جب انسانی سوسائٹی اپنے بنیادی حقائق پر مسلسل استوار ہوتی ہے تو اس کے بنیادی اساسی اُصول بھی ایک بنیادی حقیقت ہوتے ہیں۔ قرآن پاک نے آج سے چودہ سو سال پہلے انھی بنیادی حقائق اور اَساسی اُصولوں کو واضح کیا ہے۔ چناں چہ رہتی دنیا تک وہ انسانیت کے لیے رہنمائی کرتے رہیں گے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آخری نبی ہیں، آپؐ

www.rahimia.org

کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس سندھ دھرتی کے عظیم سپوت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ختمِ نبوت کا مطلب یہ ہے کہ انسانی سوسائٹی جس انٹرنیشنل بنیاد پر جا کر انسانی مسائل حل کرنے کی استعداد رکھتی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پر رہنمائی فرما دی۔ آئندہ چل کر اس لحاظ سے کوئی نیا پن نہیں پیدا ہوگا کہ جہاں پر نبی کی ضرورت پیش آئے۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ **خاتم النبیّین** ہیں۔

موضوعِ بحث؛ انسانی معاشی معاملات

معزز اساتذہ اور طلبا! اب ہم اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ اس موضوع کا بنیادی تعلق انسانی معاشی معاملات سے ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اکنامکس میں انسانیت کی بنیادی احتیاجات کا تعین کیا جاتا ہے کہ انسانوں کی ضرورتیں کیا ہیں؟ اور انھیں حل کرنے کے لیے وسائلِ معاش کی دست یابی، ان کی پیداوار (Production)، ان کی تقسیم (Distribution)، ان کا تبادلہ (Exchange Trading) اور ان کے صَرف (Consumption) کے اُمور زیرِ بحث لائے جاتے ہیں۔ اکنامکس کہتے ہی اس کو ہیں کہ انسانی ضرورتیں اور احتیاجات کیا ہیں اور ان کی تکمیل کے لیے ہمارے پاس دست یاب معاشی وسائل کتنے ہیں اور ان وسائل کی اس سوسائٹی کے تمام افراد پر منصفانہ تقسیم، پیداوار اور اس کے استعمالات کے طور طریقے کیا ہیں؟ یہ بڑا وسیع موضوع ہے، لیکن مذکورہ بالا چار بنیادی شعبہ جات اور عناصر پر اکنامکس بیس (Base) کرتی ہے۔

موضوع کا تعلق؛ تبادلۂ دولت سے

ہم سب جو اس شعبے سے وابستہ لوگ ہیں اس حقیقت کو جانتے ہیں۔ ہمارے زیرِ بحث موضوع کا تعلق تبادلۂ دولت (Exchange of wealth or Trading of wealth) کے ساتھ ہے، یا یوں سمجھ لیں کہ اس کا تعلق تجارت کے ساتھ ہے۔ جب کسی سوسائٹی کے افراد اپنے پیداواری عمل کے ذریعے سے دولت کی تخلیق کرتے ہیں تو یقیناً اُن

www.rahimia.org

کے درمیان عاملینِ پیدائشِ دولت کے مطابق اس پیداوار کی تقسیم ہوتی ہے۔ ذاتی صَرف کے بعد فاضل پیداوار میں تبادلے کا عمل ضرور ہوا کرتا ہے۔ یہ انسانی ضرورت ہے۔ افراد کے درمیان لین دین اور معاملات طے پاتے ہیں۔ تبادلۂ دولت سے متعلق افراد کے درمیان جو معاملات طے پاتے ہیں۔ اس کی بنیادی اور اہم ترین شکل تجارت ہے۔ جو دنیا بھر کے تمام مذاہب اور تمام سکولز آف تھاٹ میں قابلِ قبول ہے، جسے ''بیع'' (Buying & Selling) کہا جاتا ہے، یعنی ایک دوسرے کے ساتھ فاضل پیداوار کے تبادلے کا عمل۔ تجارت کے بغیر تبادلے کا عمل درست قرار نہیں پاتا۔ کہ آپ نے جو چیز پیدا کی ہے، آپ اسے دوسرے کے ہاتھ اپنی محنت کے نتائج فروخت کرتے ہیں اور دوسرے کی محنت کے نتائج بدلے میں حاصل کرتے ہیں۔

آسان خرید وفروخت کے لیے زر کی تخلیق

معاشیات کی تاریخ پڑھنے والے ہم سب جانتے ہیں کہ شروع زمانے میں ''بارٹر سسٹم'' (Barter System) کے تحت تجارت ہوتی تھی۔ اشیا واَجناس کا اشیا کے بدلے میں لین دین کیا جاتا تھا، لیکن اس میں بہت بڑی مشکل پیش آتی تھی کہ ایک آدمی نے ایسی چیز تیار کی ہے کہ اسے ٹکڑوں میں بانٹ کر دوسرے کو نہیں دیا جاسکتا۔ مثلاً اس نے کسی جانور کو پال پوس کر تیار کیا ہے، اُس میں ایک افادیت (Utility) پیدا کی ہے، اُن میں نشو و نما اور بڑھوتری کا کام کیا ہے، اب اسے اس کے بدلے میں جوتے خریدنے ہیں، کپڑے بھی لینے ہیں، مکان بنانا ہے۔ وہ ایسا نہیں کرسکتا کہ اپنے جانور کی ایک ٹانگ کاٹ کر کپڑے والے کو دے دے، دوسری ٹانگ کاٹ کر جوتے والے کو دے۔

زر کی تخلیق صرف آلۂ مبادلہ کے طور پر ہوئی ہے

اس پر انسانوں نے غور وفکر کیا اور مسلسل تجربات کی نتیجے میں سونا اور چاندی کو ''زر'' (Money) بنایا۔ زر کی تخلیق اس لیے ہوئی کہ تبادلۂ اَجناس اور تبادلۂ اَشیا و خدمات ایک

www.rahimia.org

دوسرے کے ساتھ کرنا آسان ہو جائے کہ آپ نے اپنی وہ پراڈکٹ جو تیار کی ہے اسے منڈی میں فروخت کر کے زر وصول کریں، اور پھر اس زر سے اپنی دوسری ضروریات پوری کریں۔ تمام انبیاؑ، حکما اور عقل منداس بات پر متفق ہیں کہ سونا اور چاندی ''زر'' ہیں اور اشیا و اَجناس کے لین دین کے لیے ایک ذریعہ اور آلۂ مبادلہ ہیں۔ اس زر کو تبادلۂ اشیا کے لیے استعمال کرنے پر تمام اقوامِ عالم متفق ہیں۔ اس پر عقلِ انسانی کا اجماع ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ زر صرف تبادلۂ اجناس واشیا کا ذریعہ ہے، وہ بذاتِ خود اصل مقصد نہیں ہے۔ اس لیے کہ سونا نہ کھایا جاسکتا ہے اور نہ پیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس سے براہِ راست کوئی مکان بنایا جاسکتا ہے۔

تبادلۂ اشیا کی تین قسمیں

انسانوں کے درمیان تبادلۂ اشیا کے معاملات کے حوالے سے تین طرح کے معاہدات اور عقود کیے جاتے ہیں: ایک عقدِ تجارت، دوسرا عقدِ اجارہ اور تیسرا عقدِ قرض۔

1۔تجارت کی اصل حقیقت ؛ تبادلۂ ملکیتِ اَشیا و اجناس

اب تجارت میں اصل تو اشیا و اَجناس کا تبادلہ مقصود ہے۔ اس لیے کہ اشیا و اَجناس میں انسانی محنت سے افادیت (Utility) پیدا ہوتی ہے جسے انسان استعمال کر کے اپنی حاجت پوری کرتا ہے۔ کھانا ہے، پینا ہے، پہننا ہے دیگر ایسے امور ہیں۔ تخلیق کار آدمی مادے میں ایک ایسی صلاحیت پیدا کرتا ہے، جو کسی نہ کسی انسانی ضرورت میں کام آتی ہے۔ یہی افادیت (Utility) ہے۔

ہم اکنامکس میں پڑھتے ہیں کہ کسی بھی شئے میں افادیت (Utility) پیدا کرنے کی تین ہی صورتیں ہیں۔ آپ نے اُس شئے کی شکل بدلی (Utility of Form) ہے، یا اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گئے ہیں جیسا کہ تجارت میں ہوتا ہے، اس کا مقام بدل (Utility of Place) گیا ہے یا اس کی نشو ونما میں آپ نے اس کے تحفظ (Utility of

www.rahimia.org

(Security) کے لیے کردار ادا کیا ہے۔ یا جتنی بھی افادیت کی ممکنہ شکلیں ہیں، اس کے مطابق آپ منافع لیتے ہیں۔ اس کی بنیاد پر قیمتوں کا تعین ہوتا ہے، اور تبادلۂ اشیا کا عمل پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ یہ تجارت ہے۔

2۔ عقدِ اجارہ؛ باقی رہنے والی اشیا و اَجناس کا تبادلہ

عقدِ اجارہ میں کسی چیز کو استعمال کرنے کے بعد باقی رہنا ضروری ہے۔ اس لیے عقدِ اجارہ (Rent) صرف ان چیزوں میں ہوسکتا ہے جو اثاثے کے طور پر اپنا اصل وجود برقرار رکھتی ہیں، مثلاً مکان ہے، گھوڑا ہے، گاڑی ہے، کوئی بھی چیز کرایے پر دی جاسکتی ہے۔ استعمال کرنے کے نتیجے میں اس چیز میں جو کمی آئی ہے وہ کرائے کی صورت میں اس کا عوض وصول کرتا ہے۔

3۔ عقدِ قرض کی حقیقت اور نوعیت

اگر افراد کے درمیان اشیا وغیرہ کے لین دین میں تجارت کا عقد نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کی وقتی ضرورت پورا کرنے کے لیے بہ طورِ قرض کوئی شئے یا زر کسی کو دی جائے تو اسے اصطلاح میں ''قرض'' (Debt or Loan) کہا جاتا ہے۔ 'قرض' تجارت سے علاحدہ تشخص اور وجود رکھتا ہے۔ قرض کا تعلق انسان کے سماجی تعلقات کے حوالے سے ہے۔ ایک آدمی ضرورت مند تھا، اسے کوئی ضرورت اور حاجت پیش آئی۔ اس کے پاس فوری طور پر وسائل نہیں ہیں، مثلاً چھے مہینے بعد اس کی تنخواہ آنی ہے، اب وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اپنے کسی بھائی کے پاس جاتا ہے کہ مجھے یہ چیز آپ دے دیں اور میں ایک مدتِ مقررہ کے بعد آپ کو واپس ادا کر دوں گا۔

'تجارت' اور 'قرض' میں فرق

تجارت اور قرض میں بنیادی طور پر منطقی فرق یہ ہے کہ تجارت میں دونوں آدمی اپنی اپنی محنت کی پیداوار کا تبادلہ کرتے ہیں۔ وہ اپنی اپنی پیدا کی ہوئی چیز دوسرے کو دیتے ہیں

www.rahimia.org

اور ''زر'' درمیان میں آلۂ مبادلہ کے طور پر واسطہ بنتا ہے۔ گویا زر اشیا کے ایکسچینج کرنے کا ایک ذریعہ اور واسطہ ہے۔ وہ بذاتِ خود مقصد نہیں ہوتا، اس کے ذریعے سے ہم اپنی کوئی ضرورت پوری کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لیے جب بھی سونے چاندی یا زر کا استعمال ہوتا تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ کوئی اثاثہ یا کوئی جنس خریدی جائے جس سے کوئی ضرورت پوری ہو جائے۔ تو گویا کہ تجارت میں دونوں آدمی رضامند ہوتے ہیں کہ اپنی رضامندی سے میں اپنی محنت آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔ اور دوسرا آدمی بھی اپنی مرضی سے آپ کے حوالے کر رہا ہے تو دونوں کے درمیان جو قیمت طے ہوتی ہے اسے فقہ کی اصطلاح میں ''ثمن'' کہتے ہیں۔ تجارت میں باہمی رضامندی ہوتی اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک تعاون کی ایسی شکل ہوتی ہے کہ جس میں دونوں اپنی خوشی سے اپنی فاضل پیداوار ایک دوسرے کو مہیا کر رہے ہیں۔ اس میں کسی کا استحصال یا لوٹ مار کا عمل نہیں ہوتا۔

اس کے مقابلے میں جسے ''قرض'' کہا جاتا ہے۔ قرض خواہ کسی جنس کا ہو یا زر کا ہو اس کا بنیادی مقصد ضرورت مند شخص کی کسی ضرورت کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ قرض کی صورت میں دی گئی چیز مستقل طور پر اس کی ملکیت میں دینا مقصود نہیں ہوتا۔ زر اور اجناس جب قرض میں دی جاتی ہیں تو وہ چیزیں استعمال کرنے سے فنا ہو جاتی ہیں۔ آپ نے روٹی کسی کو قرض میں دی وہ اس نے استعمال کی اور کھا لی۔ اس کا وجود باقی نہیں رہا۔ آپ نے ''زر'' کسی کو قرض دیا، وہ کھایا نہیں جاتا، لیکن اس شخص نے اس سے کوئی چیز خرید لی۔ اس طرح زر بھی چلا گیا اور جو چیز خریدی وہ چیز استعمال ہو گئی۔ ان تین معاملات میں، یعنی قرض، اجارہ یا کرایہ پر دینے اور تجارت میں یہ بنیادی فرق ہے۔

جب یہ تینوں معاملات اور معاہدات ہمارے سامنے واضح ہو گئے تو قرآن پاک نے ان تینوں کے بارے میں بنیادی احکامات جاری کیے ہیں۔ اور شریعتِ محمدیؐ نے ان تینوں معاملات پر غور و فکر کر کے قانون سازی کی ہے:

1۔تجارت کے بارے میں بنیادی قرآنی اُصول

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

www.rahimia.org

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۔ (260)

(اے ایمان والو ! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق، مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے۔)

اے ایمان والوتم ایک دوسرے کا مال حرام طریقے سے مت کھاو۔سوائے اس کے کہ تم تجارت کرو۔کسی دوسرے کی محنت پر ڈاکہ مت ڈالو۔اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تجارت کرو اور تجارت میں بھی شرط لگا دی کہ فروخت کنندہ اور خریدار دونوں کے درمیان باہمی رضامندی ہو۔زبردستی کسی کا مال اٹھا کر کہا جائے، یہ پیسے لو اس کا عوض دے دیا جائے۔ یہ بیع نہیں ہے، یہ تجارت نہیں۔دونوں کی حقیقی رضامندی ہونی چاہیے کہ وہ اپنی اپنی محنت ایک دوسرے کو باہمی رضامندی سے دیں۔اس طرح تجارت کے حوالے سے قرآن پاک نے ایک بنیادی حکم واضح کر دیا۔

2۔اجارہ کے بارے میں قرآنی اُصول

اجارے کی دو اقسام ہیں: ایک کسی محنت کش اجیر (مزدور) کا اپنی جسمانی محنت و مشقت کو کسی مستاجر کے ہاتھ میں مخصوص معاوضے کے تحت اجارے پر دینا۔اس سلسلے میں قرآن حکیم نے حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہا السلام کے قصے میں فرمایا ہے:

إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ۔ (261)

(بے شک بہترین مزدور وہ ہے، جو طاقت ور اور امانت دار ہو۔)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے لیے دس سال مزدوری کی تھی۔اس سے اجارے کی اس قسم کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

اجارے کی دوسری قسم یہ ہے کہ کسی شئے میں کسی نے افادیت پیدا کی اور پھر اُس شئے کے وجود کو برقرار رکھتے ہوئے اُس سے نفع اُٹھانے والے فرد سے اُس کا کرایہ وصول کیا جائے۔مثلاً کسی مالک نے کوئی زمین آباد کی، کوئی مکان بنایا اور پھر اُسے کسی دوسرے

www.rahimia.org

کو اجارے پر دے دیا، اس قسم کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ نے ہدایات جاری کی ہیں اور اس سے متعلق قوانین متعین کیے ہیں۔ ایسے اجارے میں استحصالی شرائط پر رسول اللہ ﷺ نے پابندی لگائی ہے اور اس سلسلے میں ہماری فقہ کی کتابوں میں اجارے سے متعلق احکامات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

3۔ عقدِ قرض

باقی رہا معاملہ قرض کا جسے ''عقدِ قرض'' کہتے ہیں۔ تو عقد قرض کے بارے میں قرآن پاک حکیم نے واضح اور دوٹوک انداز میں یہ حکم دے دیا ہے کہ اس پر سود کی وصولی ناجائز ہے۔ قرض صرف اور صرف عقد تبرع ہے۔ اسلامی فقہی معاشیات میں اسے ''عقدِ تبرع'' کہا جاتا ہے۔ عقدِ تبرع کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی کو اپنی چیز مفت استعمال کرنے کے لیے دے دیں اور اس پر کوئی اضافہ اور نفع وصول نہ کریں۔ چناں چہ رسول اللہؐ نے قرض سے متعلق ایک قانون اور ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ:

''کل قرضٍ جَرّ منفعةً فهو وجهٌ مِن وُجوه الرِّبا''[262]۔

(ہر قرض جس سے نفع اُٹھایا جائے، وہ سود کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔)

جہاں تک قرض لینے کی بات ہے تو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرض لیا ہے اور قرض کی ادائیگی کی ہے۔ ازواجِ مطہراتؓ کے ہاں ایسا معاملہ رہا ہے کہ قرض لیا ہے لیکن اس قرض کے لیے ''قرضِ حسنہ'' کا اطلاق ہوا ہے۔

یہ آیت جو میں نے خطبہ میں تلاوت کی تھی کہ جس میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے کہ کون آدمی ایسا ہے جو اللہ کو قرض دے، قرض حسنہ۔ اس کو قرض حسنہ اس لے کہا گیا کہ اللہ کی مخلوق کو قرضِ حسنہ دیا جائے۔ اللہ کو قرض دینے کا مطلب ہے کہ اللہ کی مخلوق کو قرض دینا۔ ظاہری بات ہے اللہ پاک کو بھوک پیاس نہیں ہے، اس کی ضرورت و احتیاج نہیں ہے۔ اللہ کی جو مخلوق ہے، محتاج ہے۔ اس پر خرچ کرنا چاہیے۔

مخلوقِ خدا پر خرچ کرنے کی کئی صورتیں ہیں:

www.rahimia.org

پہلی صورت یہ ہے کہ آپ محتاج آدمی پر صدقہ کریں، یا ہبہ کریں۔ آپ میں ہمت و طاقت ہے، اور اتنی صلاحیت ہے، پسلی اتنی ہے، تو ایک آدمی ضرورت مند آیا ہے، آپ اس کو صدقہ کر دیں خیرات کر دیں، مال فری دے دیں، جی میری محنت ہے میں آپ کو گفٹ کر رہا ہوں، ہبہ لے لو، صدقہ لے لو یا تو یہ کر لیں یہ ہے قرض کی اعلیٰ ترین شکل۔

دوسری شکل یہ ہے کہ آدمی کہے کہ میری اتنی پسلی نہیں کہ میں کوئی رقم مکمل طور پر تمھیں دوں، میں نے جو بچت کردہ رقم رکھی ہوئی ہے، مجھے اُس کی آئندہ ضرورت پیش آئے گی۔ یہ قرض حسنہ ہے۔ آپ اس پر کوئی نفع یا کوئی پرافٹ نہیں لیں گے۔ اس کو کہتے ہیں عقد تبرع کہ آپ نے دوسرے کو بغیر کسی منفعت کے، بغیر کسی فائدے کے، بغیر کسی شرط کے کسی چیز کو استعمال کرنے کے لیے دے دی۔ جب عقد قرض ایسا معاملہ ہے، جو تبرع ہے، تو اس پر کوئی زائد رقم کسی بھی نام سے نہیں لی جا سکتی۔ اُس سے نفع نہیں اٹھایا جا سکتا ہے۔ اسی حقیقت کو واضح کرتی ہے یہ حدیث: "کلّ قرضٍ جرَّ نفعًا فھُوَ رِبًا" (ہر وہ قرض جس سے کوئی نفع وصول کیا جائے وہ سود ہے)۔

قرض پر سود لینے کی حرمت پر قرآنی دلائل

پھر سود کی حرمت پر سینکڑوں دلائل ہیں۔ چار تو قرآن پاک کی آیات ہیں:

1۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۔[263]

(اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا)

2۔ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۔[264]

(اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو۔)

کہ بیع کو اللہ نے حلال قرار دیا اور سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے؛ حال آں کہ مکہ کے مشرکوں نے سوال کیا تھا: اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۔[265] (سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا) ان کا عقلی سوال تھا جس کو قرآن پاک نے نقل کیا ہے۔ کہ بیع اور سود میں کیا فرق ہے؟ بیع میں بھی ہم ایک چیز دے کر نفع کماتے ہیں یہاں بھی ہم ایک

www.rahimia.org

چیز زر دے کر نفع دیتے ہیں۔ دونوں میں بنیادی فرق کیا ہے۔ اگر سود حرام ہے تو پھر بیع بھی حرام ہونی چاہیے۔ان کا عقلی سوال تھا۔اللہ نے ان کا پورا سوال نقل کیا ہے۔

اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۔ (سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا) (266)

اور اس کا جواب دیا اللہ تعالی نے

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ۔ (267)

(اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو۔)

کہ بیع کو اللہ نے حلال قرار دیا اور سود کو اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رِبا پیدا ہوتا ہے قرض پر۔ اور بیع میں باہمی رضامندی سے دونوں افراد اپنی اشیا کا آپس میں تبادلہ کرتے ہیں۔قرض میں ایک مجبور آدمی جب قرض لیتا ہے تو وہ زائد پیسے اپنے ذمے اس لیے مان لیتا ہے کہ وہ مجبور ہے۔ اس کی حقیقی رضامندی نہیں ہوتی۔ جب حقیقی رضامندی نہیں ہوتی تو اس میں اور بیع میں بڑا بنیادی فرق ہو گیا۔

اس لیے مسلمانوں کے اس پورے غلبے کے دور میں اور آج سے 300 سال پہلے تک، سرمایہ داری نظام کے دنیا میں آنے سے پہلے تک، دنیا میں عالمی سطح پر قرضوں کا کاروبار نہیں ہوتا تھا۔قرض تبرع ہی ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ قرض کے لین دین میں عام طور پر تبادلے کا ذریعہ ''زر'' بنتا تھا اور سونا چاندی ناقابل تغیر ہے۔

اصل زر سونا اور چاندی ہے

اصل سونا اور چاندی ہے، ان دھاتوں پر صدیاں گزر جائیں سال گزر جائیں، لیکن کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اسی لیے تو اسے ''زر'' کے طور پر مقرر کیا گیا۔ ورنہ تو ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے شروع شروع میں جو تجربات کیے تھے کہ سیپیوں کو زر کے طور پر استعمال کیا گیا تھا، چمڑے کے ٹکڑوں کو سکے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ کاغذوں کو بھی استعمال کیا گیا ہے۔لوہے کے سکے بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ان میں سے ہر چیز یا

www.rahimia.org

جل جاتی تھی یا گل جاتی تھی، زنگ لگ جاتا تھا۔لیکن سونا اور چاندی ''زر'' کے طور پر آلہ مبادلہ اس لیے بنا کہ صدیاں گزرنے کے باوجود نہ اس میں زنگ لگتا ہے نہ اس میں کوئی کمی ہوتی ہے۔ ارضی دھاتوں میں سونا چاندی اس لیے بھی زر ہے کہ یہ بہت کم گھستا ہے۔ اِنھی خصوصیات کی وجہ سے انسانیت نے مجموعی طور پر اُنھیں زر کے طور پر منتخب کیا۔ اس لیے زر کو آلۂ مبادلہ کے طور پر بیع اجارہ وغیرہ میں استعمال کیا جائے گا۔

زر کو سود وصول کرنے کے لیے قرض کے طور پر نہیں دیا جاسکتا

زر کو ایسے قرض کی صورت میں نہیں دیا جائے گا، جس پر زائد وصول کیا جائے۔ اور مکہ کے مشرکین قرض پر جو زائد چیز وصول کیا کرتے تھے۔ اس کو قرآن نے ممنوع قرار دے دیا۔ قیصر و کسریٰ کے ہاں بھی یہ سودخوری کا نظام موجود تھا۔ انھوں نے گویا کہ قرض کو کاروبار کی اساس بنالیا تھا۔ یہی وہ سوال تھا اور مشرکینِ مکہ کے ذہن میں بات تھی، جس کا جواب دینِ اسلام نے دیا اور اس طرح ان تینوں دائروں میں دین اسلام کی واضح تعلیمات سامنے آئیں۔ یہ بیع، اجارہ اور بلا سود قرضِ حسنہ کا نظام تقریباً ہزار سال تک جاری رہا۔ انسانیت انھی مراحل کی بنیاد پر ترقی کرتی رہی ہے۔

تجارتی نظریۂ زر کی تباہ کاریاں

ہم سب اور جو لوگ کیپٹل ازم کی حقیقت سے واقف ہیں، جانتے ہیں کہ ایڈم سمتھ پہلا وہ مفکر ہے کہ جس نے دنیا بھر سے زر اکٹھا کرنے کا نظریہ متعارف کرایا۔ حال آں کہ وہ اَخلاقیات پر لیکچر دیتا تھا۔ اگرچہ مرکنٹائل اِزم کا دور سولہویں صدی عیسوی سے شروع ہوا، لیکن اس دور کے لیے مرکنٹائل اِزم کی اصطلاح فرانسیسی ماہرِ معاشیات مارکوئس ڈی میرابیو نے 1763ء میں وضع کی تھی، مگر اسے ایڈم سمتھ کی کتاب ''دولتِ اقوام'' سے شہرت حاصل ہوئی۔ گویا اس نے اس اصطلاح کو متعارف کرایا۔ اس نے آکر سب سے پہلے اپنی کتاب ''دولتِ اقوام'' میں ''تجارتی نظریۂ زر'' کو واضح کیا اور خاص طور پر اس تناظر میں

www.rahimia.org

کہ برطانیہ کو دنیا بھر سے زر اکٹھا کرنا چاہیے۔جس کے پاس زر ہے وہ طاقت ور ہے۔زر کی کلیکشن کا نظریہ اس نے دیا۔اَخلاقیات کی کچھ باتیں اس نے دولت اقوام کے شروع میں چار پانچ امور کی صورت میں بیان کر دیں۔عدل، امن،سیکیورٹی وغیرہ انسانی سماج کے کچھ ضروری اُمور بیان کیے ہیں۔لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس نے جو بنیادی نظریہ اور خطرناک سوچ دی ہے، وہ مکہ مکرمہ کے مشرکوں کے اس قول کی طرح تھی کہ:

اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا - (سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا)۔

اس نے ''زر'' کو معاشی سرگرمیوں کی بنیاد قرار دیا، بلکہ اسے ''اصل'' قرار دے دیا۔ ہم جانتے ہیں وہی دور مرکنٹائل ازم یعنی تجارتی نظریہ زر کا تھا۔کہ اس زمانے میں یورپ اور برطانیہ میں یہی نظریہ پھیلا ہوا تھا۔اسی کی بنیاد پر سوسائٹی فیوڈلزم سے تبدیل ہو کر اُون وغیرہ کی تجارت کی طرف جا رہی تھی۔جس میں ''زمین'' کو بنیاد بنائے بغیر ''زر'' کو بنیاد بنا کر لین دین اور تجارت کی اَساسیات قائم کی گئیں۔یعنی زر کو ایسا عاملِ پیدائشِ دولت بنا دیا گیا کہ زر جہاں بھی ہو، چاہے اثاثے کی شکل میں ہو یا سونے کی شکل میں، جہاں بھی ہو وہ ''کیپٹل'' ہے اور ''کیپٹل'' اصل ہے۔وہی مزدور کی مزدوری طے کرنے کے لیے کام کرے گا۔اس لیے کہا لیبر کے پاس پر بارگیننگ پاور (Bargaining Power) نہیں، سرمائے کے پاس ہوتی ہے، اور سرمائے کی تعریف میں ''زر'' کو شامل کر دیا گیا۔

جتنے بھی اُصول انسانیت سے ماورا ہو کر، زر کو بنیاد بنا کر بنائے گئے، وہ سرمایہ داری نظام نے متعارف کرائے۔پھر آپ دیکھئے کہ اس کے باوجود اُس کی کتاب ہم پڑھیں تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس زر سے بھی آگے بڑھ کر ہندوستان کو لوٹا تھا اس پر اس کی تنقید موجود ہے۔اس نے کہا یہ بڑی سفاکیت ہے کہ بغیر کسی تجارت کے ہندوستان سے زر اکٹھا کر کے برطانیہ لے کر آنا، یہ غیر قانونی بات ہے۔کمپنی کے اس تصور پر اس نے کڑی تنقید کی ہے کہ یہ تو چوری ہے یہ تو ڈاکہ ہے کہ دوسرے ملک میں بغیر کسی تجارت یا بغیر کسی قرض یا ریٹرن کے آپ مال لوٹ کر لے آئیں۔''لوٹ'' (Loot) کا لفظ انگلش ڈکشنری میں اسی زمانے میں شامل کیا گیا ہے۔

www.rahimia.org

سرمایہ دارانہ دور میں زر کو کیپٹل کا حصہ بنایا گیا

جیسے ہی 1760ء-1840ء کے دوران صنعتی دور کا آغاز ہوتا ہے، وہی نظریۂ زر اس دور میں دنیا بھر میں قرضوں کی معیشت کے پورے ایک سسٹم میں ڈھل گیا۔ قرضوں کی معیشت سے پچھلے تین سو سال میں انسانیت کا جو حال ہوا ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے۔

ہم سب تاریخ جانتے ہیں کہ خود امریکا کا فیڈرل ریزرو بینک پرائیویٹ سرمایہ داروں کی ملکیت میں رہا ہے۔ ایک امریکی صدر اس کو اپنے قومی دائرے کے اندر لانے کے لیے کوشش کرتا رہا تو اُسے قتل کرا دیا گیا۔ اس وقت بھی فیڈرل بینک آف امریکا پرائیویٹ ہے، سرکاری نہیں۔ حکومت اس کی مقروض ہے۔ تو گویا کہ پرائیویٹ سرمایہ داروں کا جنھوں نے زر پر کنٹرول حاصل کر کے زر کے قرضے دینا شروع کیے کہ زیادہ سے زیادہ قرض دے کر اس پر سود لیا جائے۔ قرض کا جب بھی نفع لیا جائے گا، وہ سود ہے اور جب وہ سود کی شکل میں ہو گا گویا کہ قرض دینے والا اَور کوئی صنعتی، تجارتی اور کوئی پیداواری عمل نہیں کر رہا، بلکہ اپنا روپیہ پیسہ کرائے پر چڑھا رہا ہے۔

پیدائشِ دولت کے جو تین ذرائع ہیں، یا تجارت ہو گی، صنعت ہو گی یا زراعت ہو گی۔ ان تینوں سے ماورا دولت کمانے کا طریقہ زر کو کرائے پر دینے کا ہے۔ پہلے تو یہ مغالطہ پیدا کیا گیا کہ جیسے اشیاء یا اجناس اثاثہ ہیں اور ان کی خرید و فروخت سے نفع کمایا جا سکتا ہے تو ''زر'' بھی ایک اثاثہ ہے، اُسے کیپٹل کا حصہ قرار دے دیا گیا۔ اور اس ''زر'' کے نتیجے میں اس کا ریٹرن لینا ویسے ہی درست ہوا جیسے بیع اور لین دین سے ہوا کرتا ہے۔ تو یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہماری اکنامکس کی کتابوں میں موجود ہے اور کیپٹل ازم کی طرف سے اس کی بنیاد پر ذہن سازی کی جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زر کے اس ظالمانہ کردار کی نفی کی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا اور چاندی پر مشتمل زر کی اس ظالمانہ حقیقت کو بھانپ لیا اور

www.rahimia.org

آپ ﷺ کی وہ حدیث جو تمام کتبِ حدیث میں موجود ہے:

عن عُبادة ابن الصّامت رضي اللّٰه عنه، قال: قال رسولُ اللّٰه ﷺ : "الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، و البُرّ بالبُرّ، و الشّعيرُ بالشّعيرِ، و التّمر بالتّمر، و المِلحُ بالمِلح مِثْلاً بمثلٍ، سواءً بسواءٍ، يدًا بيدٍ، فإذا اختلفتُ هٰذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم، إذا كان يدًا بيدٍ"(268).

(حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے میں اور چاندی چاندی کے بدلے میں، گندم گندم کے بدلے میں، جَو جَو کے بدلے میں، کھجور کھجور کے بدلے میں، نمک نمک کے بدلے ایک دوسرے کے ہم مثل، برابر سرابر بیچو۔ اور ایک ہاتھ سے دو، دوسرے ہاتھ سے لو۔ پس جب یہ (چھ) اقسام بدل جائیں تو جیسے چاہو تم بیچو، جب کہ ایک ہاتھ سے لو، دوسرے ہاتھ سے دو)۔

چھ چیزیں نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائیں کہ انھیں تم ایک دوسرے سے خرید و فروخت نہیں کر سکتے۔ سونے کا سونے سے، چاندی کا چاندی، کھجور کا کھجور سے، نمک کا نمک سے۔ جَو کا جَو سے۔ گندم کا گندم سے۔ ان کے درمیان تبادلہ کرنے کی دو ہی شرطیں ہیں۔ آپ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا: اگر ان کا تبادلہ آپ کر رہے ہیں تو دونوں چیزیں "سواء بسواء" (برابر سرابر)، یعنی دونوں چیزیں مساوی وزن کی ہونی چاہئیں۔ ایک کلو گندم دی ہے ایک کلو گندم ہی آپ لے سکتے ہیں۔ ایک کلو سے زائد آپ نہیں لے سکتے۔ اسی طرح سے سونا ایک تولہ دیا ہے ایک تولہ ہی لے سکتے ہیں، اس سے زائد نہیں لے سکتے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دوسری شرط یہ ہے کہ "یداً بیدٍ" (دست بدست)، یعنی ایک ہاتھ سے لو، دوسرے ہاتھ سے دو۔ دراصل اس کا مقصد یہ ہے کہ "زر" سے "زر" بنانے کو پیشہ نہ بنایا جائے۔ اگر آپ نے ایک تولہ سونا دے کر دوسرے سے ایک تولہ سونا لینا ہے اور فوری طور پر لینا ہے تو اس بیع کا فائدہ کیا ہے؟ کوئی ضرورت انسان کی

www.rahimia.org

پوری نہیں ہوتی۔ یہ ایک فضول عمل ہوا ناں۔ اتنا سونا پہلے موجود تھا، اتنا سونا ہی لیا، اتنی گندم پہلے موجود ہے، اور اتنی گندم آپ لے رہے ہیں تو کیا فائدہ۔ تو دو شرطیں بنا دیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں ادھار نہیں ہوگا، اگر ادھار ہوا تو یہ ''بیع'' کے دائرے سے نکل کر ''عقد قرض'' میں چلا گیا۔ کیوں کہ معاملات کے اندر حقیقت اصل ہوتی ہے، لفظی اصطلاح بدلتی رہتی ہے۔ یہ تو ''قرض'' کی تعریف میں داخل ہو گیا، ''بیع'' نہیں رہا۔

آپ ﷺ کا مقصد دنیا کی ایک واحد کرنسی قائم کرنا تھا

دینِ اسلام کا مقصد بنیادی طور پر یہ ہے کہ پوری دنیا کی ایک واحد کرنسی جس پر پوری انسانیت متفق ہے برقرار رہنی چاہیے۔ اس خطے کے عظیم مفکر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اپنی کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ بین الاقوامی طور پر سماج بنانے کے لیے آئے تھے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے قرآن پاک میں کہا جا رہا ہے:

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔ (269)

(تو کہہ: اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔)

اے نبی! آپ اعلان کر دیجیے، میں تم تمام کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تو جب اقوام عالم کا لین دین ہوگا تو اس لین دین میں کرنسی ایسی ہونی چاہیے جس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہ ہو۔ سونا امریکا میں ہو، افریقا میں ہو، یورپ میں ہو، ایشیا میں ہو، چین میں ہو، روس میں ہو، آسٹریلیا میں ہو وہ ایک کرنسی ہے۔ جس پر تمام انسانیت کا اتفاق ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرما دیا کہ سونے کا سونے کے ساتھ کاروبار نہیں ہوسکتا، سوائے ان دو شرطوں کے۔

دینِ اسلام نے ''زر'' کا ایک عالمی نظام متعارف کرایا۔ اس کے لیے لازمی قرار دے دیا کہ یہ عقدِ بیع میں آلۂ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوگا، اسے سودی قرض کے طور پر نہیں دیا جاسکتا۔ اس طرح سود کی حرمت کا اصول سامنے آیا۔ نبی اکرم ﷺ کی تعلیم نے تینوں عقود اور معاملات کے بارے میں یہ بڑا واضح فرق بیان کر دیا۔

www.rahimia.org

قرض کو بزنس کی بنیاد بنانا بحران کا سبب ہے

اشیا و اجناس کی بیع (Bussiness) ایک بہت اچھی بات ہے، اس کے قوانین ہیں، اس کے ضابطے ہیں، لیکن جب سرمایہ داری نے آ کر زر کی صورت میں دیے ہوئے قرض کو بھی بزنس کی بنیاد بنا دیا تو اُس کی وجہ سے بحران پیدا ہوگیا۔ اس وقت ہم عالمی رپورٹس کا مطالعہ کریں تو دنیا میں جتنی چیزوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے اس میں تجارتی حجم کا 70 سے 80 فی صد ''زر'' کے لین دین کا ہے۔ کرنسی کا لین دین ہے۔

زرِ حقیقی کے بجائے زرِ اعتباری (کاغذی کرنسی) کے نقصانات

1885ء سے خاص طور پر اس ہندوستان میں کہ سونے کو تو محفوظ کر لیا گیا۔ اور پھر اس کی جگہ ایک رسید دے کر اُس پر لکھا گیا کہ: ''حامل ہذا کو مطالبے پر ادا کیا جائے گا۔ از گورنر سٹیٹ بینک''۔ اس طرح ایک کاغذی رسید دے دی آپ کو، یعنی کاغذ دے دیا۔ اس طرح جب بین الاقوامی سطح پر 193 ملک بن گئے، تو اُن کی 193 کرنسیاں بن گئیں۔ ایک پر امریکی صدر کی تصویر ہے، ایک پر پاکستان کے قومی رہنما کی ہے، ایک پر ہندوستان کے قومی رہنما کی ہے اور ایک پر کسی اَور کی ہے۔ تو کاغذ کے تبادلے سے ہی منافع کمایا جا رہا ہے۔ آج ہم کتنے بڑے المیے سے دو چار ہیں کہ ڈالر ہمارے ہاں سے 50 روپے زیادہ میں بک کر افغانستان جا رہا ہے۔ یہاں سے ایک آدمی لاکھوں ڈالر خریدتا ہے اور روزانہ کروڑوں ڈالر یہاں سے نکل کر دوسرے ملک میں جا رہے ہیں۔

ایک ملک افغانستان جس پر بین الاقوامی پابندیاں ہیں، کسی ملک نے سرکاری طور پر اُس کی موجودہ حکومت کو تسلیم نہیں کیا، اس کے پاس ڈالر نہیں ہیں۔ اس کا روپیہ ایک ڈالر کے مقابلے میں 85 روپے کا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمارا پونے تین سو تک پہنچ گیا، جب کہ ہم دنیا بھر کے تسلیم شدہ ملک ہیں، دنیا بھر سے ہمارے پاس ڈالر بھی آ رہے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ڈالر میں ہم سے اونچے ہیں اور ہم اُن سے نیچے ہیں۔ تو بھائی، کرنسی کا

www.rahimia.org

لین دین ہے ناں، کہ دنیا کی عالمی تجارت 80 فی صد کرنسی پر ہو رہی ہے۔آپ دیکھئے کہ یہ کرنسی کا لین دین غیر پیداواری عمل ہے۔ غیر تخلیقی عمل ہے۔معاشیات کی اصطلاح میں یہ غیر قانونی بات ہے۔ تبادلۂ اشیا کا مطلب انسانی احتیاجات پوری کرنا تھا۔ اور انسانی احتیاجات پوری ہوتی ہیں اشیا اور اجناس سے،تو اشیا کے تبادلے کے بجائے زر کا تبادلہ اور وہ بھی کاغذ کا تبادلہ، جو صرف رسید ہے۔ پچھلے 300 سال سے جو ہم پر دنیا بھر میں کیپٹل ازم کے نام سے سسٹم مسلط ہے،اس میں سب سے بڑی خرابی قرضوں کا کاروبار ہے۔

ارتکازِ دولت کا سبب؛ قرضوں کا کاروبار

اس قرضوں کے کاروبار کے نتیجے میں دنیا کا صرف تین چار سو آدمی دنیا کی نوے پچانوے فی صد دولت پر قابض ہے۔ پچھلے کووڈ کے دو سالوں میں چند مختلف کمپنیاں انگلیوں پر گنی جاسکتی ہیں، جنھوں نے اربوں کا نفع کمایا۔ایک فرد زر کی تجارت کی بنیاد پر اربوں کما رہا ہے، جب کہ اشیا، اجناس اور خدمات تمام انسانوں کی مشترکہ ہیں۔ اُن کا تجارتی حجم کہیں کم ہے۔

پچھلے دنوں فیس بک کی طرف سے ایک عالمی سیمینار ہوا تو مجھے وہاں خطاب کرنے کا موقع ملا[270]۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے سیکٹر کے لیے اَخلاقیات کا تعین کریں۔ دنیا بھر سے دباؤ ہے۔ بڑی بنیادی بات یہ ہے کہ فیس بک ہو، واٹس ایپ ہو یا دوسری باقی چیزیں ہیں، یہ اس وقت دنیا کے کروڑوں اور اربوں انسانوں کے ورکنگ ریلیشن شپ سے کام کر رہی ہیں اور اپنی پیداوار بڑھا رہی ہیں۔ان کا حصہ کیا ہے؟ عام لوگوں کی تو جیب سے پیسہ نکل رہا ہے۔ جو آدمی فیس بک، واٹس ایپ بذریعہ انٹرنیٹ استعمال کرتا ہے، وہ پیسہ ادا کر رہا ہے۔ان لوگوں کی اجتماعی محنت کا ایک آدمی مالک بن رہا ہے، جو فیس بک کا مالک ہے۔اس طرح دنیا بھر کے وسائل سمٹ کر اس ایک آدمی کے قبضے میں جا رہے ہیں۔ جب کہ اس کو استعمال اربوں لوگ کر رہے ہیں اور اُن کی اجتماعی ورکنگ ریلیشن شپ کا فائدہ انھیں نہیں پہنچ رہا۔ اَخلاقیات کا اصول تو یہ ہے جس کام میں جتنے انسانوں کی محنت شامل

www.rahimia.org

ہوئی ہے، اس سے جو منافع حاصل ہو، وہ ان کی اجتماعیت کا نتیجہ ہے، وہ منافع ان لوگوں کی اجتماعیت کے تناسب سے سب لوگوں کے پاس آنا چاہیے۔

دنیا بھر کی ریاستوں کو قرضوں کی معیشت میں جکڑا گیا

اب قرضوں کی اس معیشت کے نام پر جو کچھ دنیا بھر میں ہوا ہے، اس کے نتائج آج ہم بھگت رہے ہیں۔ 1922ء کے بعد قومی ریاستیں بنائی گئیں، انھیں لیگل ریاستیں کہا گیا۔ ان ریاستوں کی بندر بانٹ برطانیہ اور فرانس نے کی، جب کہ جنگِ عظیم دوم (1939ء تا 1944ء) میں دو اَور ملک میدان میں آ گئے، روس اور امریکا جو جنگ عظیم دوم کے فاتح تھے، پانچویں ملک چین کی اس وقت کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس وقت چین کا شہنشاہ تو انگوٹھا چھاپ تھا۔ اس کو شامل کر کے 5 ویٹو پاورز اپنے مفادات کا عالمی معاشی نظام وجود میں لائے۔ قرضوں کی معیشت کے لیے ورلڈ بینک بنایا۔ آئی ایم ایف بنایا۔

قرضوں کی معیشت نے پاکستان کا گھیراؤ کیا

پھر اندازہ لگایئے کہ پاکستان ابھی بنا بھی نہیں ہے، 1946 میں ایک مجوزہ ریاست پر گفتگو ہو رہی ہے کہ جناب ایک الگ ریاست بنے گی تو اس کا معاشی اور اقتصادی نظام کیا ہو گا۔ ماشاءاللہ آپ نے ورلڈ بینک سے قرضوں کی معیشت کا پہلے معاہدہ کیا ہے اور ملک بعد میں بنا ہے۔ اور جناب لیاقت علی خان جو متحدہ ہندوستان کے آخری وزیرِ خزانہ تھے، ان کا جو سیکریٹری تھا ملک غلام محمد، جو پاکستان کا پہلا وزیرِ خزانہ بنا، وہ باقاعدہ ٹریننگ کے لیے آئی ایم ایف گیا۔ 6 مہینے اس نے وہاں ٹریننگ حاصل کی کہ اس عالمی قرضوں کی معیشت کے نظام کو پاکستان میں کیسے رائج کرنا ہے۔

اس طرح پاکستان کی پہلی کابینہ میں ملک غلام محمد کو وزیرِ خزانہ بنایا گیا۔ فروری 1948ء میں جو اس نے پہلا بجٹ پیش کیا، وہ قرضوں کی معیشت کا تھا۔ کل بجٹ 89 کروڑ کا تھا، 10 کروڑ خسارے کا بجٹ پیش کیا گیا۔ جس میں 37 کروڑ دفاع کے نام پر

www.rahimia.org

رکھا گیا اور 37 کروڑ ہی ریلوے اور مواصلات کے نام پر رکھا گیا۔ اور بہت ہی کم انسانی ترقیات کے حوالے سے اس بجٹ میں حصہ تھا۔ 1948ء کے اَخبارات اُٹھا کر دیکھ لیں۔ پوری تفصیل اس کے اندر موجود ہے۔ قرضوں کی معیشت میں آپ کو 1946 میں ہی جکڑ لیا گیا اور آج تک یہ بحث چل رہی ہے کہ سپریم کورٹ یا فیڈرل شریعت کورٹ فیصلہ کرے گی۔ کہا جاتا ہے کہ سود ختم کرو، کچھ کہتے ہیں نہ کرو، پھر حرمتِ سود پر سیمینار کرتے رہیں۔ اُس میں ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں۔ بنیادی طور پر جب آپ قرضوں کی معیشت کو اَساس مان رہے ہیں۔ آپ کا سٹیٹ بینک، آپ کی حکومت، آپ کا سسٹم اسی کے تحت ہے تو پھر حرمتِ سود کی بحث کیا فائدہ دے گی۔

قرضوں کی معیشت کے سائے میں اسلامی بینکاری کے تصورات

اسی کے سائے میں ہمارے کچھ خوش فہم لوگ کہتے ہیں کہ ہم ''اسلامی بینکاری نظام'' بنا رہے ہیں۔ بھلا قرضوں کی معیشت کو جب آپ نے اَساسی حیثیت دے دی تو اس کے ذیل میں اسلامی بینک یعنی اسلامی قرض اور اُس قرض کا ریٹرن؟!۔

اسلامی معاشی شکل یا تو بیع ہے یا اجارے کی شکل ہے، اور بیع، اجارہ اور قرض تینوں بالکل الگ الگ ہیں۔ آج کوئی شخص جب اسلامی بینک کا بھی فارم فِل کرتا ہے تو وہ اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ جو فیصلہ بینک کرے گا وہی ہوگا، اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتا۔ یہ کان ادھر سے نہیں دوسری طرف سے پکڑنے والی بات ہے، اس کو اسلام کا چوغہ پہنا دیا۔ ایک کاؤنٹر پر سبز پلیٹ لگا دی اور دوسرے پر دوسری پلیٹ لگا دی اور کہہ دیا کہ یہ سُودی بینک ہے اور یہ اسلامی بینک ہے۔ اس طرح مضاربت کے نام پر شریعت کی بنیادی شرائط کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔

جنرل ضیاء الحق مرحوم نے جب یہ بلاسودی بینکاری نظام بنانے کی کوشش کی تھی تو انھوں نے دو کمیٹیاں بنائی تھیں: ایک علما کی جو مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی سربراہی میں تھی، اور ایک اس وقت کے گورنر سٹیٹ بینک غلام اسحٰق خان مرحوم کی سربراہی میں ٹیکنیکل

www.rahimia.org

اور معاشی لوگوں کی، ان دونوں کمیٹیوں کی رپورٹیں ریکارڈ پر موجود ہیں۔ غلام اسحاق خان صاحب کی کمیٹی نے یہ رپورٹ دی تھی کہ اگر آپ واقعی سود ختم کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو یہ پورا کا پورا اسلامی معاشی سٹرکچر Maintain کرنا پڑے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ قرضوں کی معیشت ہو، سود پر آپ ورلڈ بینک سے پیسے لیں اور پھر کہیں کہ اسلام کاری کر دو۔ ایسا نہیں ہوسکتا، ٹیکنیکلی ایسا ممکن نہیں۔ لیکن چوں کہ مذہبی لوگ تمنائیں اور آرزوئیں پالتے ہیں۔ حقائق اور علمی دنیا کی بات نہیں ہوتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے رپورٹ دی کہ نہیں! یہ بلاسود بینکاری کا نظام بن سکتا اور اس کے بنانے کے لیے جو تاویلات کی ہیں، وہ انتہائی بودی ہیں، جس پر خود مفتی تقی عثمانی صاحب کی اپنی تنقید ''البلاغ'' کراچی میں چھپی ہوئی ہے۔

قرضوں کی معیشت کا چکر؛ سرمایہ داری نظام

بڑی بنیادی سی بات یہ ہے کہ آج ہم قرضوں کے جس چکر میں مبتلا ہیں، اس کی بنیاد ہی غلط ہے، اس کا تعلق اس سرمایہ داری نظام سے ہے، جس نے ''زر'' (Money) اور اشیا واَجناس (Goods) کو ایک حیثیت میں کیپٹل تصور کر کے اس کے ریٹرن کو جائز قرار دے دیا۔ اس لیے ان کے ہاں سود کی حرمت کا مسئلہ قطعی زیر بحث نہیں ہے۔ اکنامکس کی کتابوں میں سود پر کوئی بحث نہیں۔ جب ایک چیز کیپٹل قرار پائی تو اس کا ریٹرن خواہ وہ سود کی صورت میں ہو، سرمایہ دارانہ معاشیات میں جائز ہے۔ کیپٹل خواہ ''زر'' کی صورت میں ہو، مشینری کی صورت میں ہو، زمین کی صورت میں ہو، اس کا ریٹرن آنا ضروری ہے، خواہ آپ بیع کے ذریعے سے لے آئیں یا اجارے کے نام پر لے آئیں، نام نہاد مضاربت کے ذریعے سے لے آئیں، یا کسی اور طریقے سے قرض کی بنیاد پر لے آئیں۔ اس لیے بزنس کی آپ کے ہاں تعریف ہی یہی کی جاتی ہے کہ جس کے ذریعے نفع کمایا جائے، چاہے کسی بھی راستے سے کمایا جائے، وہ کسی بھی راستے سے آئے۔

سرمایہ داری نظام کے تضادات

اگر اتنی کھلی اجازت دے دی جائے کہ جیسے مرضی کمانا ہے تو پھر چور کو بھی اجازت

www.rahimia.org

ہونی چاہیے کہ وہ بھی تو نقب لگاتا ہے، عقل استعمال کرتا ہے۔ منی لانڈرنگ کو بھی اجازت ہونی چاہیے، وہ بھی پرافٹ کمانے کا ذریعہ ہے، تو آپ اس کالے دھن کو کیوں ناجائز قرار دیتے ہیں؟ اور اگر کوئی اَخلاقیات ہیں اور کوئی ضابطے ہیں تو ان ضابطوں کا اطلاق قرض اور سود کے معاملوں پر بھی ہونا چاہیے۔

دین کی اَساس پر معاشی معاملات سمجھنے کی اہمیت

بہرحال مختصر وقت میں اتنی ہی گفتگو کی جاسکتی تھی کہ ہم معاملات کو سمجھیں اور قرآن نے جو بنیادی اصول اور ضابطہ دیا ہے اس کی حقیقت پر غور وفکر کریں۔ یہ نہیں کہ ساری دنیا قرض کے نظام میں جکڑی ہوئی ہے تو ہم کیا کریں؟ ٹھیک ہے آپ اس وقت مجبور ہیں، آپ کا بازو مروڑ کر آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک نے آپ کو مجبور کیا ہوا ہے، لیکن فکر تو آزاد ہونا چاہیے، سوچ کو بالکل آزاد رکھ کر قرآن پر غور وفکر کریں، دین کی تعلیمات اور ان کے اصولوں کو عقلی اور منطقی بنیادوں پر سمجھیں۔ اور جو ہمارے علمی اور تحقیقی ادارے یا فورم ہیں، ان میں ہم اپنے بنیادی حقائق پر بات چیت اور گفتگو کر کے دین کے ان اصولوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کے ان اصولوں کو درست تناظر میں سمجھنے اور اس کے مطابق اپنا کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

- - - - - - - - - - - - - - - - -

سوالات و جوابات

(نوٹ: لیکچر کے بعد سوالات و جوابات کی نشست ہوئی۔ اس نشست میں جو سوالات کیے گئے اور اُن کے جو جوابات دیے گئے، وہ درجِ ذیل ہیں:)

www.rahimia.org

سوال 1۔قرضوں کی معیشت کے انفرادی پہلو پر رہنمائی کریں!

قرضوں کی معیشت کے حوالے سے ایک تو اجتماعی پہلو ہے، جس پر آپ نے گفتگو کی۔ اس میں ہم سب مجبور ہیں، حکومتوں کا انتظام ہے، حکومتی ادارے اور حکومتی سطح پر جو فیصلے ہوتے ہیں، ہم سب (as it is) اسے فالو کرتے ہیں۔ ایک اس قرضوں کی معیشت کا انفرادی پہلو ہے کہ انفرادی لیول پر بھی ہم دیکھیں تو ہم قرضوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ایک تو ہے کہ ہمارا ملک قرضوں میں جکڑا ہوا ہے۔ ہمارا نظام پورا قرضوں میں جکڑا ہوا ہے اور دنیا کا نظام معیشت قرضوں پر چل رہا ہے۔ ایک اس کا انفرادی پہلو یہ ہے کہ ہم میں سے بہت سارے لوگ شوقیہ قرضے لیتے ہیں اور پھر اس میں کچھ معاف کروا لیے جاتے ہیں، کچھ ڈیفالٹ ہوجاتے ہیں اور کچھ نہ ہو تو دردِ سر ضرور پال لیتے ہیں۔ اکثریت ہماری سوسائٹی کے اندر لگژریز (Luxuries) کے لیے قرض لے کر اپنی زندگی کو آسودہ بنانے کا جو چکر ہے، اس میں پھر پریشان رہنا اور زندگی کا سکون تباہ کرنا۔ تو یہ انفرادی پہلو جو ہے اس پر بھی کوئی رہنمائی فرمائیں کہ کس حد تک اس میں گنجائش ہے کہ ہم یہ قرضے لے کر اپنے آپ کو چلاتے رہیں اور اپنی فیملیز کو چلاتے رہیں اور لگژریز حاصل کرتے رہیں؟ کیا یہاں بھی ہمارے لیے یہ نہیں ہے کہ جو وسائل ہیں، ان پر انحصار کریں؟

جواب سوال 1۔

بنیادی طور پر آپ نے بہت اہم سوال اُٹھایا ہے۔ جب ہمارے معاشرے میں عالمی سرمایہ داری نظام کے اثرات ہیں تو سرمایہ داری کا ہی یہ ایک حربہ ہے کہ اس نے فائنانسنگ (Financing) کے نام پر ہمارے بینکوں کو جب سے کارپوریٹ کلچر خاص طور پر تھیچر ڈاکٹرائن (Thatcherism or Thatcher Doctrine) کے تحت مسلط کیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں معاشیات کی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس وقت سے جو صورتِ حال پیدا ہوئی ہے، اس نے اب انتہائی خطرناک نوعیت اختیار کر لی ہے کہ پہلے

www.rahimia.org

ہر آدمی میں مصنوعی طور پر چیزوں کی طلب پیدا کرائی گئی۔ پھر انھیں حاصل کرنے کے لیے قرضوں کی سہولت اور سود پر لین دین کا معاملہ بہت زیادہ بڑھ چکا ہے۔ جب اُصولی طور پر یہ بات اجتماعی حوالے سے غلط ہے تو انفرادی طور پر بھی یہ بات قطعی طور پر صحیح نہیں ہے کہ ہم اسلام کے نقطۂ نظر سے ان چیزوں کو اپنے پیشِ نظر رکھیں، بلکہ ہم پر یہ لازمی اور ضروری ہے کہ اس کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ کیوں کہ ہماری پوری قوم مجموعی طور پر اسی قرضوں کے چکر میں ہی پھنسی ہوئی ہے۔

ابھی مجھے پچھلے دنوں معلوم ہوا کہ پورے ملک میں قرضوں کی فراہمی کے لیے مختلف کمپنیاں بنی ہوئی ہیں، جیسے ''پنجاب رورل سپورٹ پروگرام'' وغیرہ۔ یہ کمپنیاں کاشت کاروں کو قرضہ دیتی ہیں۔ کچھ این جی اوز ہیں، حتیٰ کہ ''اخوت'' کے بارے میں بھی پتا چلا، ایسے ہی ایک پورا ادارہ پاکستان کی سطح پر بنایا ہوا ہے جو ورلڈ بینک کی طرف سے ان تمام این جی اوز کو جو قرضے دیتی ہیں کنٹرول کرتا ہے۔ اس کے ذریعے سے ان کے قرضے دینے کی باقاعدہ مانیٹرنگ ہوتی ہے۔ پنجاب رورل سپورٹ پروگرام پورے پنجاب میں جو ایک کاشت کار کو قرضہ دیتا ہے 32 فی صد تک تقریباً سود وصول کرتا ہے۔ اس کے بعض ذمہ داران سے میری بات ہوئی ہے۔ اُن کے بہ قول: بعض این جی اوز ایسی ہیں جو بہت سے حربوں سے کام لے کر پچاس فی صد، ستر فی صد، حتیٰ کہ اسّی فی صد تک کاشت کار سے سود وصول کر لیتی ہیں۔ کاشت کار کو بظاہر دکھایا جاتا ہے کہ آپ کا یہ فائدہ ہو جائے گا، فصل اتنی بڑھ جائے گی، یہ ہو جائے گا، وہ ہو جائے گا، لیکن اس سے بہت زیادہ سود کے طور پر وصول کر لیا جاتا ہے۔

حتیٰ کہ ''اخوت'' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ فری قرضے دے رہی ہے اس کے بارے میں انھوں نے بتایا کہ وہ آٹھ فی صد سود تو گورنمنٹ سے وصول کرتے ہیں۔ گورنمنٹ انھیں سپورٹ کر رہی ہے اور پھر باقی جو آٹھ فی صد ہے وہ خرچوں اور سروسز وغیرہ کے نام پر وصول کر لیتے ہیں۔ تو یہ بینکوں کا سود اب اس وقت سترہ فیصد پر آیا ہے لیکن جو پرائیویٹ طور پر افراد اور کمپنیاں سود وصول کر رہی ہیں، وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

www.rahimia.org

خاص طور پر خیبر پختونخواہ اور بلوچستان میں پشتون بیلٹ میں قرضوں پر سود وصول کرنے اور لوگوں کو معاشی طور پر کنگال بنانے کا سفا کانہ طریقۂ کار رائج ہے۔ ہماری لاہور اور کراچی میں بڑی مارکیٹوں میں قرضوں کا نظام ہے تو اس میں تو سود پتہ نہیں کتنے فی صد وصول کیا جاتا ہے۔ دراصل یہ اسی سرمایہ داری نظام کے بھیانک نتائج ہیں۔ ہم نے اس سرمایہ دارانہ کنسپٹ (Concept) کو بنیادی طور پر قبول کرلیا تو اس کے مطابق جو بھی ہوگا اس کے اندر لوگ پھنستے چلے جائیں گے۔

اچھا پھر ایک آدمی اگر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیچ کر اپنے پیسوں سے کاروبار کرنا چاہتا ہے تو فوراً ہمارے ٹیکسیشن کے ادارے پہنچ جاتے ہیں اور اگر وہ بینک سے قرضہ اور لون (Loan) لے کر کاروبار کرے یا کوئی چیز خریدے تو کوئی نہیں پوچھتا۔ گاڑی آپ نے بینک سے فائنانس کروائی ہے تو کوئی نہیں پوچھتا۔ اور اگر آپ نے یک مشت اپنی کسی آمدنی سے خرید لی ہے تو فوراً نوٹس آ جائے گا بتاؤ جی کہاں سے خریدی ہے؟ اس طرح باقاعدہ ایک حکمتِ عملی کے تحت ہمیں اس قرضوں کی معیشت میں دھکیلا جا رہا ہے۔

اس وقت دنیا بھر میں جو عالمی بحران ہے وہ یہ ہے کہ سرمایہ دار کا پیسہ سود پر نہیں چڑھ رہا تو سفاکیت تو یہاں تک ہے کہ کسی ملک کو پہلے ''تورا بورا'' بناؤ، مثلاً افغانستان کو تباہ کرو، عراق کو تباہ کرو، لیبیا کو تباہ کرو، اور پھر اس کی تعمیر کے نام پر قرضے لے کر پہنچ جاؤ کہ جی آپ کی تعمیرِنو کرنا چاہتے ہیں، ملک کو ترقی دینا چاہتے ہیں، لو قرضے لے لو اور اپنا ملک بناؤ۔ یہ تو عالمی سطح کا ایک سفاکی کا کاروبار ہے، جو ہم پر مسلط ہے۔

سوال 2۔قرضِ حسنہ میں رقومات کی ڈی ویلیوایشن کا کیا حل ہے؟

آپ نے قرض حسنہ کے حوالے سے بات کی ہے۔ آج کے دور میں ہم کسی کو قرض دیتے ہیں تو اگر چھ مہینے پہلے ہم نے ایک بندے کو ایک لاکھ روپے دیے، اب چھ مہینے کے بعد آپ کو پتہ ہے کہ اس ایک لاکھ کی ڈی ویلیوایشن (Devaluation) ہوگئی تو قرضِ حسنہ کی صورت میں جب وہ ایک لاکھ روپے ہی وصول کرے گا، قرض دینے والے کو سوائے

www.rahimia.org

نقصان کے اَور کچھ نہیں ملے گا۔

جواب سوال 2۔

بہت خوب! آپ نے سوال اچھا کیا ہے۔ پہلے تو علمی طور پر ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ یہ ڈیویلیوایشن (Devaluation) کیا ہے؟ ڈی ویلیوایشن کیوں ہوئی ہے؟ آپ بتائیں کہ اگر اس کی جگہ پر سونا بہ طورِ ''زر'' کے ہوتا، وہ ڈی ویلیو ہوتا؟ جتنا سونا آپ نے دیا ہے، اتنا ہی سونا آپ نے واپس لینا تھا تو اس کی تو کوئی ڈی ویلیوایشن نہیں ہونی تھی۔ سرمایہ داری نظام میں کاغذی کرنسی جاری کرنے سے پہلے انسانی تاریخ میں کبھی کرنسی یا ''زر'' ڈی ویلیو نہیں ہوا۔ یہ ڈی ویلیوایشن اس وجہ سے ہوئی ہے کہ آپ نے اس سونے کے بدلے میں ایک کاغذ کا نوٹ جاری کر دیا۔

کاغذ کے نوٹ کی بھی عجیب صورتِ حال ہے کہ کاغذ کے نوٹ تو سبھی ممالک کے ہیں، لیکن ماشاء اللہ امریکا بہادر کا جو ڈالر ہے جو زبردستی آپ پر مسلط کیا گیا، مثلاً کہا گیا تھا امریکا نے 1954ء میں جب ڈالر کو اپنی کرنسی کو بنیاد بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس سے پہلے برطانیہ ظاہر ہے ٹوٹ چکا تھا، امریکا برطانیہ عظمیٰ کا جانشین تھا، جنگِ عظیم دوم میں بہ ظاہر جنگ جیت کر برطانیہ معاشی طور پر ہار گیا تھا۔ اس کے پاس اپنے ملازمین کی تنخواہیں دینے کے پیسے نہیں تھے تو اس کو سب سے پہلے آئی ایم ایف کا پہلا قرضہ لینا پڑا تو اس قرضے کی شرائط میں سے یہ بات تھی کہ آپ کو ڈالر ماننا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ 1944ء میں امریکا میں جو بریٹن ووڈز کانفرنس (Bretton Woods Conference) ہوئی تھی، جس میں امریکی وزیر خزانہ اور برطانوی وزیر خزانہ دونوں کی ٹکر ہوئی تھی، برطانوی وزیر خزانہ ایسا پلان لے کر گیا تھا، جس سے عالمی سرمایہ داری نظام پر برطانیہ کا ہولڈ برقرار رہے اور امریکی وزیر خزانہ وہ پلان بنا کر لے کر گیا تھا کہ جس سے امریکا اور ڈالر کو بالادستی حاصل ہو۔ تو ظاہر ہے کہ برطانیہ قرضہ لینے والا تھا اور امریکہ دینے والا تھا تو اس کے نتیجے میں کیا ہوا کہ امریکا کا پلان کامیاب ہو گیا تو ڈالر کو

www.rahimia.org

بنیاد بنایا گیا۔

اب دنیا بھر نے امریکا سے مطالبہ کیا کہ بھئی! تم ڈالر کو بنیاد تو بنا رہے ہو، تم یہ تو بتاؤ کہ تمھارے پاس اثاثے کیا ہیں؟ جس کی بنیاد پر تم نے یہ کرنسی جاری کی ہے؟ نوٹ کیسے چھاپتے ہو؟ ڈالر کیسے چھاپتے ہو؟ تو 1954ء میں اس نے بُرا بھلا ایک ڈاکیومنٹ اقوامِ متحدہ کو جمع کرایا کہ ہمارے پاس اتنا سونا ہے، اتنے بانڈز ہیں، اتنی فلاں ہیں، اتنے فلاں ہیں، اس کی بنیاد پر ہم نے یہ ڈالر ایشو کیے ہیں۔ اقوامِ متحدہ بہ شمول روس اور چین آج تک پیٹ رہے ہیں، برطانیہ اور جرمنی تو بے چارے مجبور ہو گئے تھے، بھئی! وہ ذرا ظاہر (Show) اور ڈیکلیئر تو کرو کہ کیا واقعی تمھارے پاس اتنا سونا ہے؟ اتنے اثاثے ہیں؟ آج تک انسانیت کے سامنے امریکا نے اپنے اثاثے شو نہیں کیے اور ڈالر پر ڈالر چھاپ رہا ہے۔

اب بات یہ ہے کہ جب کاغذی نوٹ آپ کے ہاتھ میں پکڑا دیا اور پھر ڈالر کو اثاثہ جات سے ڈی لنک کر دیا گیا، نیز 1974ء میں جو ایگریمنٹ شاہ فیصل کے ساتھ ہوا تھا، اس کے نتیجے میں ڈالر کو پیٹرول کے ساتھ اٹیچ کر دیا گیا، جس کو ''پیٹرو ڈالر'' کہا جاتا ہے کہ دنیا بھر میں اگر ہم پیٹرول بیچیں گے تو صرف ڈالر میں۔ اب آپ چین سے بھی کوئی چیز خریدتے ہیں تو آپ کا پیسہ پہلے ڈالر میں کنورٹ (Convert) ہوتا ہے، امریکا جاتا ہے، پھر وہاں سے ''یوآن'' (Yuan) میں جاتا ہے۔ اگر آپ چین سے ڈائریکٹ خریدنا چاہیں تو نہیں خرید سکتے۔ خریدنے کی کوشش کی تو نتیجہ دیکھ لیا پچھلے آٹھ دس مہینوں میں۔ روس سے آپ روسی کرنسی میں کام کرنے کی کوشش کریں تو نتیجہ آپ کے سامنے آ گیا۔ قذافی نے یہی کام کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، وہ سب کے سامنے ہے۔ صدام حسین نے یہی کام کرنے کی کوشش کی تھی، اس کا سارا عراق تباہ و برباد کر دیا گیا۔ یہ سفاکیت ہے، جو طاقت کے بل بوتے پر ڈالر کو مسلط کرنے کی ہے اور ڈالر کو بنیاد بنا لیا گیا۔

اب ڈی ویلیوایشن اس وجہ سے ہوتی ہے کہ جب ڈالر کو اصل مان لیا گیا ہے، مثلاً

www.rahimia.org

پاکستان کے روپے کو جب ڈالر کے ساتھ ماپا جاتا ہے تو اس کے مقابلے میں پاکستانی کرنسی ڈی ویلیو ہوجاتی ہے، جس کی ایک مثال آپ نے اپنے سوال میں ابھی دی ہے۔ اگر عالمی کرنسی تمام ممالک کی ایک ہی ہو، اور وہ سونا ہو، اور ایسا ہوتا رہا ہے۔ مثلاً عراق ایران جنگ میں دنیا کے سارے کاروبار سونے پر شفٹ ہوگئے تھے۔ آپ اس زمانے کے اخبارات اٹھا کر دیکھیں! کہ کیوں کہ دنیا عدمِ استحکام سے دوچار تھی، ڈالر کی ویلیو کچھ بھی نہیں ہو رہی تھی تو دنیا میں پیٹرول وغیرہ کے جتنے بھی سودے ہو رہے تھے، وہ سونے پر ہو رہے تھے۔ تو اس طرح مجبور ہو کر دنیا حالتِ جنگ میں یا تباہی میں سونے کی طرف جا رہی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل زر تو سونا ہے۔ اگر سونا عالمی سکہ رائج الوقت ہو تو ڈی ویلیوایشن نہ ہو، اس لیے کہ سونے میں کوئی کمی زیادتی نہیں ہوتی۔ جب آپ نے اس کے بدلے میں کاغذی نوٹ پکڑا دیے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک کاغذی نوٹ کا دوسرے کاغذی نوٹ کے ساتھ تبادلے کے تناظر میں اُتار چڑھاؤ ہوتا رہے گا۔

آج افغانی کرنسی پاکستانی کرنسی کے مقابلے میں کس حالت میں ہے؟ اس سے پہلے افغانستان کی کرنسی کیا تھی؟ ایک بوری بھر کر افغانی کرنسی لایا کرتے تھے، اس کا ایک ڈالر ملتا تھا۔ آج پچاسی افغانی کا ایک ڈالر ہے۔ اس لیے کہ وہ امریکا کی ضروریات پوری کر رہا ہے۔ اس وقت خواہ مذہبی لوگوں کی حکومت ہی ہے، لیکن اشرف غنی کی حکومت کی طرح آج بھی اُس کی کرنسی مضبوط ہے۔ آپ کے ہاں انھوں نے عدم استحکام پیدا کرنا ہوتا ہے تو جب جی چاہے ڈالر کو چھینک آتی ہے تو ایک دم آپ کا روپیہ چھلانگ مار کر اوپر نیچے ہوجاتا ہے۔

یہ سرمایہ داری نظام آپ کے بنیادی دینی نظریے کی خلاف ورزی ہے۔ ہمیں علمی طور پر تو یہ حقیقت جان لینی چاہیے۔ انفرادی طور پر کوئی ادارہ یا استاد یا صارف عملاً یہ حرکت نہیں کرسکتا، اس لیے کہ وہ اس سسٹم کا پابند ہے لیکن علمی طور پر تو ہمیں پتہ ہونا چاہیے کہ یہ ڈی ویلیوایشن دراصل اس غلط سسٹم کی پیداوار ہے۔ اس کے منطقی نتائج ہیں۔ ورنہ سونے کا سونے سے تبادلہ ہو تو اس میں کوئی ڈی ویلیوایشن نہیں ہوتی۔

www.rahimia.org

سوال 3۔ڈی ویلیوایشن سے ہونے والے نقصان کی وصولی درست ہے؟

میرا سوال یہ ہے کہ اگر ڈی ویلیوایشن کے نتیجے میں میرا تیس ہزار کا نقصان ہو گیا تو میں قرض دار سے تیس ہزار وصول کر سکتا ہوں یا نہیں؟

جواب سوال 3۔

جی وصول کر سکتے ہیں۔ یہ سود نہیں ہے۔آپ قرضہ دیتے وقت یہ طے کریں کہ میں یہ رقم بہ طورِ قرض دے رہا ہوں۔ اس وقت سونے کا یہ ریٹ ہے تو میں اس سونے کے حساب سے آپ کو دے رہا ہوں اور جب آپ مجھے دیں گے تو اس زمانے میں جو سونے کا ریٹ ہوگا، اس کے مطابق وصول کروں گا، چاہے وہ کم ہو جائے یا زیادہ ہو جائے۔ لین دین کے وقت ''سونا'' سٹینڈر مقرر ہونا چاہیے، ڈالر نہیں ہونا چاہیے۔

سوال 4۔سونے کی قیمت کی اَساس پر قرض کی واپسی؟

1997ء میں سونے کی قیمت 5 ہزار تھی اور آج دو لاکھ سے اوپر ہے اگر سونے کی بنیاد پر قرض لے لیں اور وہ جو پانچ ہزار والا تھا وہ ہمیں دو لاکھ دے گا؟

جواب سوال 4۔

یہ فرق بھی کس وجہ سے پیدا ہوا؟ اب آپ دیکھئے! جب پاکستان بنا تھا تو سونا 108 روپے تولہ تھا اور عام مزدور کی تنخواہ پانچ یا دس روپے تھی، اور زیادہ مہارت رکھنے والے کی بیس روپے تھی۔ بہت ہی پڑھا لکھا ہوتو ستر اسّی روپے تھی۔ابھی ایک نئی کتاب ''پاکستان'' کے نام سے آئی ہے۔اس میں یکم اگست 1947 سے لے کر 31 دسمبر 1947ء تک کے اَخباری تراشے اور اس کے اُردو ترجمے چھپے ہیں۔ 108 روپے تولہ سونا تھا اور اس زمانے میں ماشاء اللہ پاکستان نیا نیا بنا تھا، اور وہ برطانیہ کا ساٹھ کروڑ پاؤنڈ کا مقروض تھا، ہندوستان اپنی آبادی کے تناسب سے مقروض تھا، اس کتاب کا ایک تراشہ یہ ہے کہ ایسی

www.rahimia.org

مقروض حالت میں بھی ہماری حکومت اس وقت چار چار لاکھ روپے کے قالین ایران سے منگوا رہی تھی، ماشاء اللہ ہمارے وزیر اعظم ہاؤس کے لیے چار لاکھ میں سوئمنگ پول تیار ہو رہا تھا چار لاکھ کا مطلب کیا ہے؟ سو روپے تولہ سونا ہے۔ حساب خود لگالیں۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ جو سونے کا ریٹ کم یا زیادہ ہوتا ہے، اس کی بڑی بنیادی وجہ کاغذی کرنسی کی بنیاد پر ڈی ویلیوایشن ہونا ہے۔ اگر آپ گزشتہ تین سو سال میں سونے کے ذریعے سے ہی کاروبارِ زندگی چلا رہے ہوتے تو اس میں کیا ڈی ویلیوایشن ہونی تھی؟ یہ جو خرابی ہے دراصل اسی بنیادی کنسیپٹ کی بنیاد پر ہے تو علمی طور پر معاشیات سے متعلق شعبے کے لوگ ہیں اور خاص طور پر بزنس سے متعلق شعبے ہیں، وہ اس پر گفتگو تو کریں۔

سوال 5۔قرضِ حسنہ کی وصولی کیسے ہوگی؟

میرا سوال یہ ہے کہ نارمل سود کا جو سسٹم ہے تو اس میں جب بھی آپ کوئی لون وغیرہ لیتے ہیں تو اس کا ایک ٹائم پیریڈ ہوتا ہے، اس کے بعد آپ نے اسے سود کے ساتھ پے کرنا ہے۔ اگر اس میں آپ دیر کرتے ہیں تو اس میں آپ کو انٹرسٹ زیادہ چارج ہوتا ہے وہاں پر ایک ڈر ہوتا ہے کہ اگر میں ری شیڈول کرواتا ہوں تو انٹرسٹ زیادہ چارج ہوگا، اور اگر اسلامک نظام میں جو آپ نے ''عقدِ تبرع'' یا قرضِ حسنہ کی بات کی، اس میں انٹرسٹ نہیں ہے تو وہ بندہ ری شیڈول کرواتا رہے گا، اس کے پیچھے رہن (Mortgage) تو لازمی ہوگا جو اس کو ڈیفالٹ رسک کو کم کرنے کے لیے ایک مارٹ گیج بالکل ہونا ہے، پر وہ مارٹ گیج بھی پڑا ہے چھ مہینے کے بعد، اس کے پاس پیسے بھی ہیں، لیکن وہ بندہ نہیں دے گا۔ وہ بولے گا میں ری شیڈول کروالیتا ہوں، کیوں کہ مجھے اوپر تو کچھ دینا نہیں ہے۔

جواب سوال 5۔

جی اس کے لیے ایک الگ سے قانون ہے۔ قرض، تعاونِ باہمی کی ایک شکل ہے کہ ایک آدمی کی وقتی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے آپ دے رہے ہیں اور اگر آپ کو پتہ ہے

www.rahimia.org

کہ قرض لینے والا ٹال مٹول سے کام لے گا تو اس کے لیے قرآن نے ایک اور قانون متعارف کروایا ہے، جسے ''رہن'' کہتے ہیں کہ آپ اتنی ہی ضرورت کی اس کی کوئی چیز اپنے قبضے میں رکھ لیں، جسے ''گروی'' بھی کہا جاتا ہے، انگریزی میں جسے مارٹ گیج (Mortgage) کہا جاتا ہے، اور یہ مارٹ گیج یا رہن میں آپ اس کی کوئی چیز اپنے پاس رکھ سکتے ہیں، تو جب کوئی چیز آپ اپنے پاس رکھیں گے تو آپ کو وقت پر اپنا قرض ملے گا، اب یہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ چوں کہ وہ ری شیڈول کروا کر قرض کی ادائیگی سے بھاگتا رہے گا، لہٰذا ہمیں سود وصول کرنا چاہیے۔

آپ دیکھئے کہ کسی بھی معاشی نظام میں تمام اُمور سائنٹفک انداز میں ترتیب دیے جاتے ہیں کہ جو آپ قانون بنا رہے ہیں، سسٹم بنا رہے ہیں، اس کی تمام چیزیں کچھ بنیادوں پر قائم ہیں۔ جب ہم نے عقدِ قرض کو ایک تبرع (عطیہ) قرار دے دیا تو اب یہ جہاں بھی جائے گا، اس کے مطابق ہی اس پر فیصلہ ہوگا۔

ماشاء اللہ آپ کے ہاں بھی قرض کے بدلے میں رہن رکھنے کا کام ہو رہا ہے، آپ کی پی آئی اے، آپ کی موٹرویز آپ کی ریلویز وہ سب مارگیج ہو کر قرض مل رہے ہیں۔ انھیں پتہ ہے پاکستانی حکمران قرض واپس نہیں دیتے تو ایسا ہو رہا ہے۔ یہ ایک دوسری مصیبت میں آپ مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔

سوال 6۔ دیگر مسلم ممالک میں قرضوں کی معیشت کا نظام کیوں؟

ہمارے حکمرانوں کے جو اَب تک ایکشنز رہے ہیں، اس وجہ سے ہم اس حالت کو پہنچے ہیں جو آج ہم دیکھ رہے ہیں، لیکن دوسرے مسلم ممالک ہیں، ان کے بھی حالات کیا خراب نہیں ہیں؟ سعودی عرب، یو اے ای، ملائیشیا، ترکی کافی اچھی صورتِ حال میں ہیں، لیکن وہاں پر بھی یہی سسٹم چلتا ہے تو ہمارے پاس کوئی نمونہ ہے یا پھر کوئی ماڈل ہے جس سے ہم۔۔ آپ نے جو بات کی۔۔ گولڈ کی طرف آئیں، تاکہ کرنسی کی ویلیو برقرار رہے۔ مطلب ہے کہ نوٹوں کی کوئی ویلیو نہیں رہتی، اور اس کی ڈی ویلیوایشن بھی ہو جاتی ہے، یعنی

www.rahimia.org

کہ ہمارے پاس کوئی ماڈل ہے ہی نہیں تو پھر اس وقت ہم کس کو فالو کریں گے؟

جواب سوال 6۔

ہمیں تاریخ پڑھنی چاہیے اور حقائق کا جائزہ لینا چاہیے کہ یہ جتنے ستاون ملک جنھیں آپ ''اسلامی'' کہہ رہے ہیں، ان میں سے کون سا ملک سیاسی اور معاشی طور پر ایک آزاد ملک ہے؟ پہلے تو اس بات کو ڈیفائن کریں۔ ملک وہ ہوتا ہے جو اپنے قومی اور سیاسی معاشی فیصلے خود کرتا ہے اور جو خود فیصلے کرتے ہیں وہ اپنے قومی مزاج اور ملّی تقاضوں کے مطابق اپنا نظام بناتے ہیں۔ یہ ستاون اسلامی ملک سب کے سب جنگِ عظیم اوّل سے پہلے مسلمانوں کی ایک بین الاقوامی حکومت خلافتِ عثمانیہ کا حصہ تھے۔ ان میں ایک معاشی نظام رائج تھا۔ یہ نظام پوری دنیا میں رائج تھا، لیکن جیسے ہی آپ کی وہ سیاسی طاقت ختم ہوئی اور جنگِ عظیم اوّل کے بعد خلافت کو ختم کر دیا گیا تو آپ دیکھیے کہ پوری دنیا میں ''اسلامی ممالک'' بنائے گئے ہیں، خود بنے نہیں ہیں۔ کیسے بنائے گئے؟ ہمارے سامنے 1916ء کا سائیکس پیکو معاہدہ (Sykes–Picot Agreement) ہے، جو برطانیہ اور فرانس نے خفیہ طور پر بیٹھ کر بنایا اور اس میں ان دونوں نے ملکوں کی بندر بانٹ کی کہ یہ یہ ملک جو ہے یہ برطانیہ کے پاس آئے گا اور یہ یہ ملک فرانس کے قبضے میں ہوگا کیوں کہ جنگ عظیم اول کے یہ دو ملک ہی فاتح تھے اس جنگ میں، سات بادشاہتیں اور خلافتیں ختم ہوئی تھیں۔

اب ان دونوں نے آپس میں ملکوں کی بندر بانٹ کی تھی، مثلاً سعودیہ عرب بنایا۔ آج تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ شاہ عبدالعزیز کو وہاں پر حکمران بنانے والا وہ معاہدہ ہے جو مئی 1916ء میں آپ کے یہاں شملہ میں ہندوستان کے وائسرائے ہند کے دستخطوں سے ہوا تھا۔ اس کی شرائط تھیں کہ سعودی عرب اپنی معدنیات برطانیہ کی مرضی کے بغیر کہیں نہیں بیچ سکتا۔ اپنی کوئی زمین نہیں بیچ سکتا۔ خارجہ پالیسی میں وہ آزاد نہیں ہوسکتا۔ معیشت میں آزاد نہیں ہوگا۔ بس حکومت آپ کی ہوگی، سیاسی اور معاشی سسٹم ہمارا ہوگا۔ اسی پیٹرن پر

www.rahimia.org

1932ء میں یمن کے علاقے چھین کر جیزان وغیرہ اس کے ساتھ شامل کیے گئے۔

اسی طرح خلیجی خطے میں سات ریاستیں بنائی گئیں اور جزیرۃ العرب کی سات ریاستیں بنائی گئیں ایک ہی زبان ایک ہی مذہب ایک ہی نسل کو تقسیم کر کے چودہ ملک بنا دیے گئے۔ مذہب بھی ایک تھا، نسل بھی ایک تھی، زبان بھی ایک تھی۔ اس وقت خلیجی ممالک کے چودہ ملک ہیں۔

یہاں ہندوستان میں ہم ہزاروں سال سے اکٹھے رہ رہے تھے۔ ہماری آبادی ہندو مسلم خاص طور پر سندھ دھرتی کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ رہتی تھی، لیکن یہاں تقسیم کر کے ہمیں کہا گیا کہ ہم مسلم ہیں اور وہ ہندو ہیں، لیکن عرب ممالک میں تو مذہب اسلام بھی ایک تھا، وہاں چودہ ملک کیوں بن گئے؟ یہاں ہمیں کہا گیا کہ ہماری زبانی مختلف ہیں، ہماری نسل مختلف ہے، ہمارا مذہب مختلف ہے، ہماری شناخت مختلف ہے، اس کی بنیاد پر سارک ممالک پر مشتمل پورا برصغیر سات ممالک میں بانٹ دیا۔ ان کو یہ کہنا کہ یہ آزاد ہیں، یہ خوش فہمی ہے۔ یہ تو اسی عالمی نظام کے ماتحت ہیں۔ پہلے برطانیہ اور فرانس تھے اور جنگِ عظیم دوم میں روس اور امریکا فاتح ہو گئے۔ انھوں نے کہا جی ہمارا حصہ بھی نکالو، تو انھوں نے اپنا حصہ اپنی اپنی طاقت کے مطابق لیا اور پھر پانچواں حصہ ویٹو پاور لے کر حاصل کرلیا۔

اصل تو دنیا میں چار یا پانچ ملک آزاد ہیں جو ویٹو پاور رکھتے ہیں۔ جس ملک کے پاس ویٹو پاور نہیں ہے، وہ آزاد نہیں ہے۔ وہ غلام ملک ہیں۔ آپ یہاں آپس میں ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہتے ہیں، ایک پارٹی والے دوسری پارٹی کو، دوسری پارٹی والے تیسری پارٹی کو، کوئی فوج کو بُرا بھلا کہتا ہے، کوئی عدلیہ کو بُرا بھلا کہتا ہے، کوئی جسٹس منیر کے لتے لیتا ہے، آپس میں تم لڑتے رہتے ہو، لیکن قومی مسئلہ تو یہ ہے کہ ہمارا ملک سسٹم کے اعتبار سے آج بھی ان کے تابع ہے۔ ہمارے سیاسی اور معاشی فیصلے تو اُن کے تابع ہیں۔

باقی یہ کہ ہم نے چودہ اگست 1947ء کو زمین کا ایک ٹکڑا الگ طور پر حاصل کرلیا، اس سے ہماری بہ ظاہر ایک آزاد ملک کی شناخت بن گئی، الحمد للہ! ایک ملک وجود میں

www.rahimia.org

آ گیا، لیکن سیاسی اور معاشی سسٹم وہی نوآبادیاتی دور کا ہے۔ اس سسٹم کی مددگار پارٹیاں ہیں۔ کبھی ایک پارٹی آتی ہے، تو کبھی دوسری پارٹی۔ ہمیں پارٹیوں میں اُلجھا دیا، ڈیوائیڈ اینڈ رول کی سیاست ہو رہی ہے۔

آپ بتاؤ ان میں سے کس کی پاور ہے؟ ایوب خان کو حکم دے کر سارے کام نہیں کروائے امریکا نے؟ فوج کی کیا طاقت ہے؟ یحییٰ خان کو حکم دے کر کشمیر کی جنگ نہیں رُکوائی؟ تاریخ موجود ہے نا۔ ضیاء الحق کو حکم دے کر افغانستان کے جہاد کے اندر لڑائی نہیں کروائی؟ یہاں نہ کوئی فوج آزاد ہے، نہ عدلیہ آزاد ہے، نہ پارٹیاں آزاد ہیں، نہ مذہبی گروہ آزاد ہیں۔ جب سسٹم غلامی کے دائرے میں ہے تو ساری چیزیں اس کے تابع ہیں۔ یہ تو ہماری خوش فہمی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہہ کر اپنا کیتھارسز کر لیتے ہیں۔ ہمیں تو قومی نقطۂ نظر سے آج بڑی قومی سوچ کی ضرورت ہے۔

ہمارے ملک کو اس وقت ضرورت یہ ہے کہ ہمارا انٹلیکچوئل (Intellectual) طبقہ پارٹیوں کی اور اداروں کی لڑائی سے بالاتر ہو کر ریاست اور ملک کا سوچے۔ ہماری یہ دھرتی صدیوں سے ہے، سندھو دریا اور اس سے آس پاس کشمیر سے لے کر کراچی تک یہ ہماری دھرتی ہے۔ ہمارے آباؤاجداد کی دھرتی ہے۔ ہمارا اثاثہ ہے۔ ہماری نسلیں یہاں گزری ہیں۔ تو ہم اپنی دھرتی کے سسٹم پر غور وفکر کریں کہ کیا ہمارا ملکی معاشی سسٹم ہماری ضروریات پوری کر رہا ہے؟ علم کا مطلب تو یہ ہونا چاہیے۔ اور اگر ہماری ضرورت پوری نہیں کر رہا تو ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ کیا ہم عالمی نظام کے ماتحت آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوتے رہیں؟ لڑائی کرتے رہیں؟ اس کی بنیاد پر نسلی، لسانی اور مذہبی جھگڑے کھڑے کرنا تو ان کی ضرورت ہے۔ سامراج کا یہ طریقۂ واردات ہے کہ ڈیوائڈ اینڈ رول کے تحت لوگوں کو لڑاؤ اور حکمرانی کرو۔

سوال 7۔ اسلامک فائنانس کے ملائشین ماڈل کی نوعیت؟

جو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں لیٹ فیس ہم سے زیادہ چارج کی جاتی ہے، تو یہ

www.rahimia.org

اسلام کی نظر میں انٹرسٹ ہے یا نہیں ہے؟

دوسرا جو ملائیشیا یا انڈونیشیا جو ممالک اسلامک فائنانس کے ماڈل پر چل رہے ہیں، اس کے حوالے سے آپ کیا کہتے ہیں کہ وہ صحیح ماڈل ہے یا نہیں؟

جواب سوال 7۔

جو اسلامی فائنانس کے حوالے سے چاہے ملائیشیا میں ہو انڈونیشیا میں ہو یا پاکستانیشیا میں ہو، یہ سارے وہی ماڈل ہیں جو اسی قرضوں کی معیشت کے زیر اثر ہیں اور جب آپ نے قرضوں کی معیشت کے بنیادی اصول کو مان لیا تو یونیورسٹی آپ سے لیٹ فیس بھی ضرور لے گی۔

سوال 8۔ رقومات کے ڈی ویلیوایشن کے زمانے میں کیا کریں؟

سوال کے دو پہلو ہیں: پہلا پہلو تو یہ ہے کہ آج کل کا دور یہ ڈی ویلیوایشن کے حوالے سے بات چل رہی تھی، ہمارے بہت سارے ایسے دوست جو اپنی سیلری یا کسی آمدن میں سے ارن (earn) کررہے ہیں، ایک سلسلہ یوں ہی چل پڑا ہے کہ وہ بڑھتی ہوئی ڈالر کی پرائس کے پیش نظر، یا گولڈ کی پرائس کے پیش نظر ان پاک روپیز کو وہ انویسٹ کر دیتے ہیں کہ جی آج لاکھ دو لاکھ روپے کے ڈالر لے کر رکھ دیے تو جب وہ بڑھے گا تو سیل کر دیں گے ان کی ایکسپیکٹیشن یہی ہوتی ہے کہ یہ بڑھے گا، لیکن رِسک ہمیشہ موجود رہتا ہے تو ایک پہلو تو یہ ہے کہ خود آپ اپنے ہاتھ سے انویسٹمنٹ کر لیں کہ کچھ تولے سونا لے کر رکھ لیں اس نیت سے کہ بعد میں بڑھے گا تو سیل کر لیں گے، یا ڈالرز آپ نے لے کر رکھ لیے۔

دوسرا یہ کہ کچھ ایسی ایجنسیز اور کمپنیز موجود ہیں، جن میں وہ لوگ آپ کو یہ ترغیب دیتے ہیں کہ آپ ہمیں اتنے ڈالرز دے دیں، ہزار ڈالرز یا دو ہزار ڈالرز، ہم آپ کے Behalf پر گولڈ میں یا پیٹرول میں یا اس طرح کی اجناس میں انویسٹ کریں گے اور آپ

www.rahimia.org

کو ایک طے شدہ Percentage ملتی رہے گی، اور اس طرح یہ Exist کرتی ہیں کہ وہ Legal entities بھی ہیں اور آپ کے بی ہاف (Behalf) پر وہ آپ سے انویسٹمنٹ لے کر اپنے حساب سے ان کے انویسٹرز جہاں موجود ہوتے ہیں جو بعض اوقات سٹاک ایکسچینج میں، پیٹرول میں، یا ڈالر میں یا کرپٹو کرنسی میں انویسٹ کرتے ہیں تو آپ کو اس کا پھر ریٹرن دے رہے ہوتے ہیں۔

ان دونوں پہلوؤں پر رہنمائی فرما دیں کہ اگر ہم خود کرپٹو کرنسی میں، ڈالر میں یا گولڈ میں اس نیت سے انویسٹ کرتے ہیں یا پھر ہم کسی کو مقرر کرتے ہیں کہ وہ ہمارے بی ہاف پر انویسٹ کرے اور ہمیں اس کا ریٹرن دے۔

جواب سوال 8۔

بڑی بنیادی سی بات ہے کہ سب سے Safe طریقہ تو یہ ہے کہ خود ہی کرے جو کچھ کرنا ہے۔ سٹاک مارکیٹ کا حال تو یہ ہے کہ کسی ایک جگہ پر ایک جہاز ڈوب جائے تو پوری سٹاک مارکیٹ ڈوب جاتی ہے۔ اور کرپٹو کرنسی آپ کے سامنے ہے، ساٹھ ہزار پونڈ پر تھی اب سولہ سترہ ہزار پونڈ پر آ گئی۔ تو جس کرنسی کا قانونی وجود نہیں ہے، کوئی اس کی اپنی حقیقت نہیں ہے، اور ہمارے خیال کے مطابق تو یہ انڈر ورلڈ کا ایک بالمقابل (Parallel) دولت لوٹنے کا ذریعہ ہے۔ کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ برطانیہ میں لوگ اس کرنسی میں کام کرتے رہے ہیں، بے چارے اس وقت بہت بری حالت میں ہیں کہ انھوں نے اپنی جمع پونجی ادھر جمع کرائی اور اب وہ زیرو پر آ گئے۔ اسی طرح سٹاک مارکیٹ کا کوئی اندازہ نہیں۔ کیوں کہ یہ اسی عالمی معاشی نظام کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

سب سے بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ اپنی سیونگز (Savings) کو اپنے ملک میں ہی اپنے ملک کی ترقی کے تناظر میں سرمایہ کاری کریں۔ اس وقت دیکھو! ایک بہت بڑی خرابی یہ بھی ہو رہی ہے کہ اب ہر آدمی افراتفری اور خوف زدگی کی حالت میں ڈالر خرید رہا ہے۔ ڈالر سوسائٹی میں دست یاب نہیں ہے۔ ڈالر کا ریٹ بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک بڑی خرابی یہ ہے

www.rahimia.org

کہ خوف پیدا کر کے اور ڈالر کی ڈیمانڈ پیدا کر کے ریاست کو مجبور کر دینا ہے کہ وہ ان کے قدموں میں گرے۔آئی ایم ایف کے قدموں میں گرے۔

ہمیں اس کا حصہ بننا تو مناسب نہیں ہے۔ اپنی حکمتِ عملی ذاتی اور انفرادی طور پر جتنی ممکن ہو وہ کرنی چاہیے اس نظام میں تو اس وقت جو صورت حال چل رہی ہے، عالمی طور پر اس میں تو کوئی پتہ نہیں کہ کس وقت کیا صورتِ حال وجود میں آئے؟ بہر حال اپنی آمدنی کو اپنے وسائل کو محفوظ کرنے کا جو سہولت والا طریقہ ملے، وہ اختیار کر لے۔

سوال 9۔ اچھی نیت سے انٹرسٹ لینا کیسا ہے؟

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے اور ایک بزنس ہے، اس کا یہ مقصد ہے کہ لوگوں کو Facilitate کرنا ہے اور وہ Facilitate اس طرح کررہا ہے کہ وہ لوگوں کو ٹائملی فنڈز Provide کررہا ہے، اور اس پر وہ کچھ ارننگ کررہا ہے تو ہم اس کو کس طرح Differentiate کریں گے؟ وہ اس کا انٹرسٹ ہوگا' یا کچھ اور ہوگا؟

جواب سوال 9۔

دیکھو! اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، یہ قانون تو درست ہے، لیکن اس قانون کے استعمال کرنے کے لیے اگر کوئی چور کہے کہ میں نے چوری اس لیے کی ہے کہ میں اس چوری کے مال سے کسی غریب کی مدد کروں گا تو کیا اس کی چوری کا عمل جائز ہو جائے گا؟ تو جب ہم علمی طور پر کوئی قانون پڑھیں گے تو قانون کی نظر میں جو قانونی شکل ہے، وہ معتبر ہوگی۔نیت کیا ہے؟ اب ہم دل چیر کر کسی کا نہیں دیکھ سکتے کہ دل کیسا ہے کہ نیتوں کی بنیاد پر ہم فیصلے کرنے لگیں۔

نشست کا اختتام

لیکچر اور سولات و جوابات کی نشست کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے ناظم اجلاس

www.rahimia.org

نے کہا:

''شکریہ! بہت سارے دوستوں نے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں سوالات کے لیے، لیکن وقت بہت محدود ہے۔ ان شاء اللہ آپ کے سوالات اگلی کسی نشست میں لیں گے۔ اب درخواست ہے ڈائریکٹر سی ڈی سی جناب ڈاکٹر قاضی عبدالواحد رضا سے کہ وہ روسٹریم پر تشریف لائیں اور اپنے خیالات کا اظہار کریں''۔

صدارتی کلمات

جناب ڈاکٹر قاضی عبدالواحد رضا نے اپنے صدارتی کلمات میں فرمایا:

''میں آپ سب دوستوں کا شکریہ ادا کروں گا کہ ایک بہت ہی اچھا اور مثبت سوچ کا حامل ایک بہتر لیکچر حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری صاحب نے دیا۔ اسی طرح میں اساتذہ کرام کا اور آپ سب طلبا کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنھوں نے بڑے دل جمعی سے اور فوکس کے ساتھ یہ لیکچر سنا۔

...(ریکارڈنگ کی آواز سمجھ نہیں آئی)...اس دنیا میں سب سے بڑی خیر مثبت سوچ ہے اور دنیا کا سب سے بڑا شر منفی سوچ ہے تو اس طرح کے علمی سیشنز جو ہوتے ہیں اس میں اور کچھ حاصل ہو نہ ہو، کم از کم ایک مثبت سوچ کا پہلو ضرور ملتا ہے، اس طرح ہمیں ایک مثبت سوچ ڈیویلپ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

میں بہت شکر گزار ہو مفتی صاحب کا کہ انھوں نے ایک بڑا ہی تفصیل سے بھرا لیکچر دیا''۔

☆

www.rahimia.org

مقالہ

8

اسلام میں معاشرتی ترقی کے اُصول، اسلامی معاشی نظام اور

روایتی بینکاری نظام کے نقصانات

خطاب

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور میرس، سندھ

۲۱ر رجب ۱۴۴۴ھ / 13ر فروری 2023ء

www.rahimia.org

خطبہ مسنونہ

(1) انسانی معاشرے کی ترقی کے چار قرآنی اُصول

(2) اسلام کے معاشی سسٹم کی اَساسیات

تبادلۂ اَشیا کا بارٹر سسٹم

زر کی تخلیق کے مختلف مراحل

''آلۂ مبادلہ'' یعنی ''زر'' کے غلط استعمال کی نوعیت

بیع، اجارہ اور قرض میں بنیادی فرق

سود خوری کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی تشریح

سونے چاندی کی اَساس پر عالمی نظامِ زر کی اہمیت

قرض؛ انسانی معاشرے میں تعاونِ باہمی کی ایک صورت

(3) روایتی بینکاری نظام کا پس منظر اور نقصانات

تجارتی نظریۂ زر کا استحصالی کردار

ایسٹ انڈیا کمپنی کا استحصالی کردار

بینک آف انگلینڈ کا قیام

قرضوں کے تحفظ کا عالمی نظام؛ ورلڈ بینک، آئی ایم ایف وغیرہ

کاغذی کرنسی کا اِجرا

قرضوں کی معیشت کا ظالمانہ عالمی نظام اور اسلام کا نقطۂ نظر

ہر ملک کو قرضوں کی معیشت میں جکڑ لیا گیا

روایتی بینکاری کی اَساسیات

اسلامی بینکاری کی اصل حقیقت اور نوعیت

''اسلامی بینکنگ'' کے قیام کا پسِ منظر

اسلام کے معاشی نظام کے ساتھ مذاق نہ کریں!

دنیا بھر کو حقیقی اسلامی معاشی نظام کی اشد ضرورت ہے

www.rahimia.org

اسلام میں معاشرتی ترقی کے اُصول، اسلامی معاشی نظام اور

روایتی بینکاری نظام کے نقصانات

(مذکورہ بالا عنوان پر حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور میرس، سندھ میں انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن اور فیکلٹی آف مینجمنٹ سائنسز کے اشتراک سے منعقدہ سیمینار میں لیکچر دیا۔ یہ سیمینار مؤرخہ: ۲۱/ رجب ۱۴۴۴ھ / 13/ فروری 2023ء کو یونیورسٹی کے انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن ہال میں وائس چانسلر کی ہدایت پر منعقد ہوا۔

اس سیمینار کی صدارت پروفیسر ڈاکٹر امیر حسین شر' ڈین فیکلٹی آف مینجمنٹ سائنسز نے کی تھی۔ سیمینار کی نظامت جناب عاشق علی سوہو ایم فل ریسرچ اسکالر انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن نے کی تھی۔ ڈائریکٹر انٹرپرینئرشپ ڈویلپمنٹ سینٹر ڈاکٹر رحیم بخش سومرو پروفیسر انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن نے فاضل محاضر کا تعارف پیش کیا۔

اس سیمینار میں یونیورسٹی فیکلٹی میں سے پروفیسر ڈاکٹر مینھوں خان لغاری ڈائریکٹر انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن، ڈاکٹر رحمٰن گل گلال' اسٹنٹ پروفیسر انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن، ڈاکٹر محمد اسماعیل سومرو' پروفیسر انسٹیٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن، پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی شاہ ڈائریکٹر انسٹیٹیوٹ آف انگلش لینگویج اینڈ لینگویسٹک نے شرکت کی۔ سیمینار کے بعد یونیورسٹی انتظامیہ اور شرکائے سیمینار نے اس لیکچر کو بہت سراہا۔ ناشر)

www.rahimia.org

خطبہ مسنونہ

نحمدُہٗ و نصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم. أمّا بعد !

فأعوذ باللّٰہ مِن الشّیطان الرّجیم. بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم.

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ [271].

و قال النبی ﷺ: ’’الاقْتِصَادُ فِی النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ‘‘[272].

أو کما قال علیہ الصّلوٰۃ و السّلام.

صدق اللّٰہ العظیم، و صدق رسولہٗ النّبیّ الکریم.

صاحبِ صدر، معزز اساتذہ، طلبا و طالبات اور یونیورسٹی کے انتظامی ذمہ داران!

سب سے پہلے تو میں آپ حضرات کا شکر گزار ہوں کہ مجھے یہاں ایک اہم موضوع پر گفتگو کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ تعلیمی ادارے یقیناً اسی حوالے سے وجود میں لائے جاتے ہیں کہ مکالمے، باہمی گفتگو اور بات چیت کے ذریعے سے ہم برین سٹارمنگ (Brain Storming) کریں، اپنے اجتماعی معاملات پر غور و فکر کریں اور علمی گتھیاں سلجھائیں۔ علم بانٹنا اداروں کا بنیادی کام ہوتا ہے۔ تعلیم ہی انسان کا وہ زیور ہے، جو اُسے امتیازی خصوصیت عطا کرتی ہے۔ قرآن حکیم نے انسانیت سے ایک سوال کیا ہے کہ:

هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ [273].

(کیا اہلِ علم اور علم نہ رکھنے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟)

www.rahimia.org

کامن سینس (Common Sense) کہتی ہے کہ نہیں! اس لیے علمی مباحث پر گفتگو کرنا، اپنے انسانی مسائل پر غور وفکر کر کے صحیح لائحۂ عمل اپنانا' یہ ہمارا علمی حق بھی ہے اور انسانی حق بھی۔ ہمارا دینی حق بھی ہے اور ہماری سوسائٹی کا تقاضا بھی ہے۔

ہمارے لیکچر میں تین بنیادی پہلو پیشِ نظر ہیں

محترم اساتذہ اور طلبا!

سب سے پہلی حقیقت یہ جاننا ضروری ہے کہ انسانی معاشرے کے حوالے سے کتاب مقدس قرآن حکیم کا بنیادی نقطہ نظر کیا ہے؟ کہ انسانی سوسائٹی اور اجتماعیت کن امور کی اساس پر ترقی کرتی ہے؟ اور کیسے زوال پذیر ہوتی ہے؟ اس کی علامات قرآن حکیم نے بیان کیں ہیں۔ میں سب سے پہلے اسلام کا وہ نقطۂ نگاہ جو انسانی سوسائٹی سے متعلق ہے، مختصراً عرض کروں گا:

ہمارے اس لیکچر کا پہلا حصہ یہ ہوگا۔ جیسا کہ پروفیسر ڈاکٹر مینھوں خان لغاری صاحب نے ذکر کیا ہے۔ کہ ہمارے سامنے قرآن اور اسلام کا پوائنٹ آف ویو آنا بہت ضروری ہے۔ اصل چیز انسان کی جان و مال کا محفوظ ہونا ہے، باقی اقدامات بعد کے ہیں۔

دوسری بنیادی بحث ہم یہ کریں گے کہ اسلام کا معاشی نظام (Islamic Economic System) کیا ہے؟ اس کے بنیادی پرنسپلز کیا ہیں؟ جو قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات نے بیان کیے ہیں۔ جب تک ہم اسلامک اکنامک سسٹم نہیں سمجھتے تو بینکنگ سسٹم (Banking System) کو بھی ہم صحیح طور پر نہیں سمجھ پاتے۔

ہمارے اس لیکچر کا تیسرا حصہ ہوگا کہ 'روایتی بینکنگ' اور 'اسلامی بینکنگ' کے نام سے جو کچھ اس وقت ہماری سوسائٹی میں، یا دنیا بھر میں چل رہا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا تجزیہ اور اس کے اثرات و نتائج کے حوالے سے ہم غور وفکر کریں اور اس پر اپنا نقطۂ نظر آپ حضرات کے سامنے شیئر کریں گے۔

www.rahimia.org

(1)

انسانی معاشرے کی ترقی کے چار قرآنی اُصول

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انسانی معاشرے کے حوالے سے قرآن حکیم چار بنیادی اساسی اصولوں کا تعارف کراتا ہے:

1۔ تکریمِ انسانیت: یہ کہ ہر انسان قطع نظر اس بات کے کہ وہ کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے؟ کس نسل سے ہے؟ کس قوم اور خطے سے اس کا تعلق ہے، اُس کی عزت بحال ہونی چاہیے۔ تکریمِ انسانیت کے حوالے سے قرآن حکیم نے کہا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (274).

(ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی۔)

انسانی معاشرے کا ہر وہ عمل جو عزتِ نفس کو پامال کرے، تکریمِ انسانیت کے خلاف ہو، اور جو آدمی تذلیلِ انسانیت کر رہا ہو، قرآن حکیم کے نقطۂ نظر سے وہ غلط ہے۔ انسان پہلے ہے، اس کا فرقہ، نسل اور شناخت بعد میں ہے۔ انسانیت کا موجود رہنا، اسے عزت و احترام ملنا' یہ پہلا بنیادی عمل ہے۔ عزت و احترام بغیر آزادی اور حریت کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ تمام انبیا علیہم السلام نے انسانوں کی آزادی کے لیے کردار ادا کیا۔

انسانی سوسائٹی کی آزادی پر مبنی عزتِ نفس کے لازمی تقاضے اگلے تین اُصول ہیں:

2۔ عدل: انسان چوں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ریلیشن شپ (Relationship) قائم کر کے ایک سوشل کنٹریکٹ (Social Contract) میں مل جُل کر رہتے ہیں، اس لیے ان کے درمیان ہونے والے تمام معاہدات، سماجی اعمال اور ورکنگ ریلیشن شپ (Working Relationship) کی اساس عدل ہونا چاہیے، ظلم اور ناانصافی نہیں۔

قرآن حکیم نے متعدد آیات میں عدل و انصاف کا حکم دیا ہے:

1. اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (275).

www.rahimia.org

(اللہ تمھیں عدل و احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔)

2. اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ۡ [276].

(عدل و انصاف قائم کرو! یہ تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہے۔)

''عدل'' کا مطلب یہ ہے کہ افراد کے درمیان جتنے سماجی معاہدات اور تعلقات وجود میں آئیں، وہ ان دونوں افراد اور فریقین کے مساوی حقوق کی بنیاد پر ہونے چاہئیں، نہ کہ ترازو کا ایک پلڑا جھکا ہوا ہو اور اور دوسرا اُٹھا ہوا ہو۔ دونوں پلڑے برابر ہوں۔ ہر انسان کے ساتھ جو سیاسی اور معاشی معاہدات یا سوشل کنٹریکٹ وجود میں آئے گا، اس کی اَساسیات عدل ہوں گی اور سماجی عدل کی اساس پر آئین، قانون اور نظام وجود میں آنا لازمی اور ضروری ہے۔

3۔ امن: تیسری بات یہ کہ کسی بھی سوسائٹی کے لیے ایک ایسا سیاسی نظام قائم کرنا ضروری ہے جو ہر انسان کی جان، مال، عزت، آبرو کا تحفظ کرے۔ حکومتیں قائم کرنے کا بنیادی مقصد ہی انسانی جان کی حفاظت ہے، نہ کہ اسے خطرات میں مبتلا کرنا ہے۔ ابھی خطبے میں ''سورت النحل'' کی ایک آیت تلاوت کی گئی ہے، جس میں اللہ پاک نے ایک مثالی سوسائٹی کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا ہے کہ:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرۡيَةً كَانَتۡ اٰمِنَةً

اللہ ایک مثالی سوسائٹی کا نقشہ کھینچتا ہے کہ وہ سوسائٹی امن و امان والی ہے۔ ایسا امن کہ جو تمام لوگوں کو بلا تفریق رنگ، نسل، مذہب میسر ہو۔ اسی آیت کے آخر میں اللہ پاک نے فرمایا کہ زوال پذیر معاشرہ وہ ہوتا ہے، جس میں انسانیت پر خوف طاری ہو، لوگوں میں عدمِ تحفظ کا احساس ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الۡجُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ

اُس سوسائٹی پر بھوک اور خوف کی چادر تنی ہوئی ہے۔

4۔ معاشی خوش حالی: چوتھی بات قرآن حکیم نے انسانی معاشرے کے لیے معاشی خوش حالی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

www.rahimia.org

مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

ایسا مطمئن معاشی نظام کہ ہر آدمی کو ہر طرف سے وافر رزق مہیا ہونا چاہیے۔ وہ مطمئن اور خوش حال زندگی بسر کرے۔ گویا کہ معاشی خوش حالی کے بغیر سوسائٹی ترقی نہیں کرسکتی۔ اس کی ترقی کی اَساسیات یہ چار ہیں: عزتِ انسانیت، عدل و انصاف، امن و امان اور معاشی خوش حالی کا نظام بنانا۔ کسی انسانی معاشرے، قوم یا ملک میں یہ چار چیزیں ہوں گی تو وہ ترقی یافتہ سوسائٹی کہلائے گی۔ اور جس میں یہ چار چیزیں نہیں ہوں گی، وہ زوال پذیر اور پستی کی جانب لُڑھکنے والا معاشرہ ہوگا۔

(2)

اسلام کے معاشی سسٹم کی اَساسیات

اب ہم اپنی اس گفتگو کے دوسرے حصے کی طرف منتقل ہوتے ہیں کہ معاشی سسٹم کی اساسیات کیا ہیں؟ اسلامک اکنامک سسٹم کے ذریعے سے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام انسانوں کے لیے معاشی خوش حالی کا ایک عالم گیر نظام قائم ہونا چاہیے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ اکنامکس بنیادی طور پر چار دائروں میں گفتگو کرتی ہے:

1۔ پہلی بات یہ کہ انسان کی معاشی ضروریات کے لیے پروڈکشن آف ویلتھ (Production of Wealth) کیسے ہوگی؟

2۔ دوسری بات پیدا شدہ دولت تقسیم کیسے ہوگی؟

3۔ تیسری بات یہ کہ تقسیم شدہ دولت افراد کے درمیان تبادلے اور ایک دوسرے تک منتقل ہونے کے قوانین اور ضابطے کیا ہیں؟ تبادلۂ دولت کا عمل تیسرا پہلو ہے۔

4۔ چوتھا پہلو یہ ہے کہ جو دولت اور وسائل انسانی احتیاجات کے لیے وجود میں لائے گئے ہیں، جن کی تقسیم اور تبادلے کا عمل مکمل ہوا ہے، ان کے استعمال کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ کنزمپشن آف ویلتھ (Consumption of Wealth) کیسے ہوگی؟

www.rahimia.org

اکنامکس ان چار باتوں سے بحث کرتی ہے۔ دولت کی پروڈکشن سے لے کر اس کی کنزمپشن تک جب معاشی سائیکل مکمل ہوتا ہے تو انسان کی احتیاجات اور ضروریات کی تکمیل کی جاتی ہے۔ اکنامکس بنیادی طور پر انسانی احتیاجات اور ضروریات اور ان کو پورا کرنے کے لیے وسائل کی دستیابی سے گفتگو کرتی ہے اور وسائل کی دستیابی کے یہ چاروں دائرے یقیناً ضروری ہیں۔ جب تک پروڈکشن آف ویلتھ نہیں ہوگا اگلے مرحلے پورے طور پر روبہ عمل نہیں ہوں گے۔

یوں تو اس موضوع پر گفتگو کی جائے تو بڑا طویل وقت چاہیے۔ ہمارے موضوع کا اصل دائرۂ کار بینکنگ سیکٹر ہے، جس کا بہت گہرا تعلق ''تبادلۂ دولت'' سے ہے۔ دولت کے تبادلے کے لیے انسانی ارتقا کے ذریعے سے اب تک ہمارے پاس جو علم آیا ہے، اس کی اور خاص طور پر کتابِ مقدس قرآن حکیم اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کیا رہی ہیں؟ جب ہم تبادلۂ دولت پر بحث کرتے ہیں تو اس کے حوالے سے چند بنیادی اساسی امور ہمارے سامنے آتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی یہ تمام امور بعینہٖ تھے کہ دولت' زراعت کے ذریعے سے یا تجارت کے ذریعے سے یا اس دور کی جو دست کاری تھی ۔ جو آج صنعت کے دور میں داخل ہوگئی ۔ کے ذریعے سے حاصل کی جاتی تھی۔ دست کاری اور صنعت کاری کا ابتدائی زمانہ موجود تھا۔ دولت کی پیدائش کے ان تینوں طریقوں پر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہدایت اور رہنمائی دی ہے۔ ان کی تقسیم کے قوانین اور ضابطے بھی بیان فرمائے ہیں۔ تبادلے کے حوالے سے قرآن حکیم کی کچھ بنیادی ہدایات ہیں۔ اس کے استعمالات اور کنزمپشن کے حوالے سے بھی قرآن حکیم نے ہدایات دی ہیں۔

اب اگر ہم تبادلۂ دولت کے حوالے سے گفتگو کریں تو قرآن حکیم کی ایک آیت میں ہے کہ اللہ پاک نے ہمیں حکم دیا ہے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (277).

(اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔)

www.rahimia.org

مسلم ہو یا غیر مسلم، کوئی بھی انسان ہے، اس کا مال اس کی محنت اور مشقت سے کمائی ہوئی دولت تم غلط طریقے سے مت کھاؤ۔ دوسرے کا مال لینے کی ایک ہی صورت ہے:

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (278)۔

سوائے اس کے کہ تم تبادلۂ دولت میں ایسی تجارت کرو، اپنی محنت دوسرے کے حوالے کرو، جو دونوں کی باہمی رضا مندی پر مبنی ہو۔ ایک تو تجارت ہونا لازمی اور ضروری ہے اور دوسرا باہمی رضامندی بھی لازمی اور ضروری ہے۔ تبادلۂ دولت کے لیے دو شرطیں قرآن حکیم نے عائد کی ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے بھی طریقے ہیں، وہ چوری ہو، ڈاکہ ہو، لوٹ مار ہو، کسی جبر سے دوسرے انسان کو مجبور کر دینا ہو کہ وہ اپنی دولت اور اپنی محنت آپ کے حوالے کرے، وہ عقلی طور پر بھی غلط ہے۔ دنیا کا کوئی معاشی سسٹم اس کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں بھی یہی بات ہے کہ تجارت اور بیع دوسرے آدمی کی محنت و مشقت سے کمائے ہوئے مال کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے، جس کے لیے باہمی رضا مندی کے ساتھ بیع اور خرید و فروخت کا ہونا ضروری ہے۔

تبادلۂ اشیا کا بارٹر سسٹم

اب یہاں ہمیں یہ سمجھنا ہے اور انسانی تاریخ کے ارتقا سے ہم معاشیات میں، اکنامکس میں اس پر بحث کرتے ہیں کہ انسانیت کے ابتدائی زمانے میں تبادلۂ اشیا کا عمل بارٹر سسٹم تھا۔ اشیا کے بدلے میں اشیا' لی اور دی جاتی تھیں۔ ایک آدمی نے ایک چیز پیدا کی ہے۔ جو اُس کی محنت مشقت سے پیدا کی ہوئی دولت ہے، وہ دوسرے کو دیتا تھا اور دوسرے کی پیدا کی ہوئی چیز لے لیتا تھا۔ گندم دے کر چنا لے لیا، جوتا لے کر کپڑا دے دیا۔ لیکن بعض جگہوں پر مشکلات پیش آتی تھیں کہ ایک آدمی کی محنت کے حصے کے ٹکڑے نہیں کیے جا سکتے، مثلاً کسی نے جانور پالا ہے تو جانور کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اس طرح کی پیش آنے والی مشکلات پر انسانوں نے غور و فکر کیا۔ اس کے نتیجے میں اشیا کی خرید و فروخت اور تبادلے کی سہولت کے لیے ''زر'' کی تخلیق ہوئی۔

www.rahimia.org

زر کی تخلیق کے مختلف مراحل

ہم زر کی تخلیق کے مختلف مراحل پڑھتے ہیں کہ زر ابتدائی زمانے میں مختلف چیزوں کو بنایا گیا، سیپیاں بنائی گئیں، چمڑے کے سکے جاری کیے گئے لیکن یہ تمام چیزیں ایسی تھیں جو وقت گزرنے کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر جاتی تھیں۔ زنگ لگ جاتا تھا، جل جاتی تھیں۔ چناں چہ مسلسل تجربے کے بعد انسانیت نے دریافت کیا کہ ''سونا'' اور ''چاندی'' کو ''زر'' بنایا جائے، کیوں کہ وہ نہ گلتا ہے، نہ سڑتا ہے اور نہ ہی اسے زنگ لگتا ہے۔ اس طرح سونے کو مسلسل انسانی ارتقائی عمل کے نتیجے میں انسانیت کے اجماع سے بہ طورِ زر تسلیم کر لیا گیا۔ باقی جتنی بھی اشیا تھیں، ان میں جو بھی افادیت اور یوٹیلیٹی پائی جاتی تھی، وہ استعمال کرنے سے گھس جاتی تھیں، ختم ہوجاتی تھیں۔ ہم نے کھانا کھایا، ختم ہوگیا۔ کپڑا پہنا، بوسیدہ ہوگیا۔ مکان استعمال کیا، پچاس ساٹھ سال بعد وہ بھی زمین بوس ہوگیا۔ لیکن انسان نے سونا چاندی کی صورت میں ایک ایسی دھات دریافت کی کہ جو صدیوں بھی پڑی رہیں تو ان میں کسی قسم کا کوئی زنگ آلودگی اور گلنے سڑنے کا مسئلہ درپیش نہیں تھا۔ اس لیے تبادلۂ اشیا کے لیے سونا اور چاندی کو ''آلۂ مبادلہ'' کے طور پر ''زر'' قرار دیا۔

''آلۂ مبادلہ'' یعنی ''زر'' کے غلط استعمال کی نوعیت

اب انسانوں کے لیے جب اللہ نے یہ کہا کہ: باطل طریقے سے مال نہ کھاؤ تو جو انسانوں کے درمیان معاشی تبادلے سے متعلق امور تھے، اس کا نبی اکرم ﷺ نے اپنے دور میں جائزہ لیا۔ ان معاملات میں ایک تجارت تھی۔ تجارت میں آپ اپنی جنس، زر کے بدلے میں دیتے ہیں اور پھر اس زر سے جا کر دوسری جنس یا جو شئے آپ کو ضرورت ہے، وہ لے لیتے ہیں۔ زر کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ تبادلۂ اشیا کے اس عمل کو آسان بناتا تھا، دوسری صورت شئے کے بدلے میں شئے یعنی بارٹر سسٹم کے تحت تجارت تھی۔

مشرکینِ مکہ نے عرب میں ظلم کا وہ نظام جو بدامنی اور خوف پیدا کر کے سوسائٹی میں

www.rahimia.org

معاشی بھوک پیدا کر رہا تھا، اس میں ان اشیا اور اجناس کے ساتھ ''زر'' کو بھی کیپٹل قرار دے دیا۔ چناں چہ اس کے لین دین پر بھی منافع کے نام پر ریٹرن لینا شروع کر دیا۔ انھوں نے اسے بھی ''بیع'' قرار دیا۔ جو ریٹرن لیا گیا وہ سود قرار پایا کہ ''زر'' کرائے پر چڑھایا جا رہا ہے، یا قرض کی صورت میں ''زر'' کے تبادلے کے لیے سود کی ایک خاص مدت مقرر کر دی گئی کہ اتنی مدت ہوا اتنا وقت ہو تو آپ اتنی رقم یا شئے زائد دیں گے۔

بیع، اجارہ اور قرض میں بنیادی فرق

ہمیں معاشی حوالے سے تین بنیادی معاملات کے درمیان فرق سمجھنا ضروری ہے، تاکہ ہم قرضوں کی معیشت کی بنیادی خرابی کو سمجھ سکیں: ایک بیع کا معاملہ ہے، دوسرا اجارے کا اور تیسرا قرض ہے۔ یہ تین بنیادی معاملات تھے، جن کی قانون سازوں نے تشریح کی ہے اور ہر ایک معاملے کی پوری وضاحت کی ہے۔

1۔ معاملۂ بیع

بیع میں آپ اپنی ملکیت' جنس یا گڈز (Goods) کی صورت میں دوسرے کو منتقل کر رہے ہیں اور دوسرے کی چیز خود اپنے لیے حاصل کر رہے ہیں۔ خواہ اس کے درمیان آلۂ مبادلہ ''زر'' ہو، یا یہ معاملہ بارٹر سسٹم کے تحت ہو۔ کیوں کہ انسان احتیاجات کا پتلا ہے، اسے ضرورت ہے، اور ضرورت انسانوں کے درمیان اشیا، اجناس اور گڈز (Goods) ہی کی ہوتی ہے، جس کو استعمال کر کے وہ اپنی کوئی نہ کوئی حاجت اور ضرورت پوری کرتا ہے۔ یہ ''تجارت'' قرار پائی۔

2۔ معاملۂ اِجارہ

دوسری شکل اجارے کی ہے کہ آپ کوئی چیز کسی دوسرے کو مکمل طور پر فروخت نہیں کر رہے، بلکہ آپ دوسرے کو اس لیے دے رہے ہیں کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ چیز ایسی ہے، جو استعمال سے ختم نہیں ہوتی۔ اسے آپ استعمال میں لا رہے ہیں۔ اس لیے

www.rahimia.org

ایک مخصوص وقت کے لیے اس کے بدلے میں آپ کچھ نہ کچھ منافع یا فائدہ دیں۔ اسے ''اجارہ'' کہا گیا۔ اجارے میں آپ اپنی چیز ملکیت کے طور پر دوسرے کے حوالے نہیں کر رہے، بلکہ اس سے فائدہ اٹھانے کا ایک خاص وقت خاص معاوضے کے تحت مقرر کر رہے ہیں، مثلاً کسی مکان، رہائش گاہ یا کسی جانور وغیرہ کے بدلے میں آپ اُس منفعت کا عوض وصول کر رہے ہیں۔ یہ ''اجارہ'' قرار پایا۔

3۔ معاملۂ قرض

اب رہ گیا قرض! بیع اور اجارے سے ہٹ کر قرض کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان دوسرے کو اپنی اشیا و اجناس، یا زر کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس شرط پر دیتا ہے کہ جب اُس کے پاس فراخی ہو تو وہ اسی قدر یہی اشیا و اجناس یا زر واپس کرے گا۔ ان کے استعمال سے وہ اپنی وقتی ضرورت یا منفعت پوری کر لے گا، لیکن اُس کا کوئی بدل نہیں ہوگا۔ قرض کے متعلق قرآن حکیم نے ایک بڑا واضح اصول دے دیا کہ:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً(279)۔

(کون شخص ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو اچھا قرض، پھر دوگنا کر دے اللہ اس کو کئی گنا)

یعنی جب بھی آپ قرض دیں گے تو قرض دینے کے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ وہ قرض ''حسنہ'' ہونا چاہیے۔ چناں چہ ''قرضِ حسنہ'' وہ ہے کہ جس پر آپ کوئی سود وصول نہیں کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ کی اپنے معنی کے اعتبار سے صحیح ترین حدیث ہے، جس میں آپ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا:

''كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً، فَهُوَ رِبًا''(280)۔

(ہر قرض جس سے نفع اُٹھایا جائے، وہ سود ہے۔)

دینِ اسلام کی تعلیمات کا یہ قاعدہ کلیہ اور بنیادی پرنسپل ہے۔ یہ کسی قانون ساز، کسی

www.rahimia.org

مفتی کا بنایا ہوا قاعدہ نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بذاتِ خود یہ بات ارشاد فرمائی کہ ہر وہ قرض جس سے پرافٹ حاصل کیا جائے، نفع اٹھایا جائے، وہ سود ہے۔

سود کے بارے میں قرآن نے فرمایا کہ:

لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا[281] (سود مت کھاؤ)۔

یعنی سود خوری مت کرو۔ جب قرآن حکیم نے انسانوں کو سود کھانے سے روکا تو مکے کے مشرکوں نے اس پر ایک عقلی سوال کیا۔ قرآن حکیم نے ان کا وہ سوال بھی نقل کیا ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ:

اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ [282].

(بیع بھی تو سود کی طرح ہے۔)

اُن کا کہنا تھا کہ بیع (خرید وفروخت) میں بھی آپ کوئی چیز دے کر پرافٹ کماتے ہیں، اسی طرح قرضے میں اشیا و اجناس اور ''زر'' دے کر، اگر ہم اس کے بدلے میں منافع لیتے ہیں، تو وہ کیوں غلط ہے؟ اگر یہ سود حرام ہے تو بیع بھی حرام ہونی چاہیے اور اگر بیع حلال ہے تو پھر قرض کا ریٹرن بھی حلال ہونا چاہیے۔ یہ مکے کے مشرکوں کا ایک عقلی سوال تھا، جس کا جواب قرآن حکیم نے اگلی آیت میں دیا کہ:

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ [283].

(اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔)

اس کی وجہ قرآن حکیم نے یہ بیان فرمائی کہ بیع یعنی خرید وفروخت اور تجارت میں جنس بیچ کر جنس لینا چاہتے ہیں، درمیان میں زر صرف آلۂ مبادلہ ہے، وہ بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں۔ کیوں کہ سونا کھایا نہیں جاتا، لباس کی صورت پہنا نہیں جاتا، اس کے دیگر استعمالات اصلی نہیں ہیں۔ اس کا بنیادی استعمال زر کے طور پر ہے۔ تبادلے کے عمل کو آسان بنانے کے لیے زر تخلیق کیا گیا ہے۔ اس کی خرید وفروخت نہیں ہوسکتی۔

www.rahimia.org

سود خوری کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی تشریح

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسرا قانون بھی ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ:

"لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَ لَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ"(284).

(سونا سونے کے بدلے اس وقت تک نہ بیچو جب تک دونوں طرف سے برابر برابر نہ ہو، دونوں طرف سے کسی کمی یا زیادتی کو روا نہ رکھو، اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں اس وقت تک نہ بیچو جب تک دونوں طرف سے برابر برابر نہ ہو۔)

یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ ان کی خرید و فروخت کے لیے نبی اکرم ﷺ نے دو شرطیں بیان فرمائی ہیں:

1۔ ایک تو "مِثلاً بمثلٍ" اور "سواءً بسواءٍ" یہ کہ دونوں چیزیں مساوی ہونی چاہییں۔ ایک تولہ سونا دیا ہے تو اس کے بدلے میں ایک تولہ ہی سونا لینا ہے۔ اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ ایک تولہ چاندی لی ہے تو ایک تولہ ہی چاندی واپس لینی ہے۔

2۔ دوسری شرط یہ ہے کہ "یداً بیدٍ"؛ ایک ہاتھ سے دو اور دوسرے ہاتھ سے لو۔ معاملہ نقد و نقد ہو، اُدھار نہیں ہوگا۔

یعنی سونا اور چاندی کی بیع میں مساوات اور نقد و نقد ہونا ضروری ہے۔

آپ دیکھئے کہ اگر سونے اور چاندی کی تجارت اس شرط کے ساتھ ہو تو اس تبادلے کا تو کوئی فائدہ نہیں، ایک تولہ سونا آپ نے دیا، دوسرے سے اتنا ہی لیا تو کیا فرق ہے؟ یہ ایسی فضول ایکسر سائز ہے جس کا کوئی عملی نتیجہ نہیں ہے۔ اس لیے ممانعت کرنے کا مقصد یہ تھا کہ زر کی خرید و فروخت نہیں ہونی چاہیے کہ زر کو آلۂ مبادلہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اس حدیث میں دیگر چار اشیا کے تبادلۂ بیع کی شرط بھی یہی ہے کہ وہ بھی دست بہ دست اور مساوی طور پر لین دین کیا جائے۔ اس میں بھی فاضل شئے وصول نہیں کی جائے

www.rahimia.org

گی۔ وہ گویا کہ بارٹر سسٹم کی ایک شکل ہے۔ اُس میں اضافے کا ہونا بھی سود ہے۔ ہاں! اگر اشیا و اجناس ایک قدر اور جنس کی نہ ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"فبِیْعُوا کیف شِئتم" (جیسے چاہو خرید و فروخت کرو)۔ (285)

کیوں کہ اس میں سود کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی۔

سونے چاندی کی اَساس پر عالمی نظامِ زر کی اہمیت

قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات انسانیت کے لیے بلا تفریق رنگ، نسل، مذہب ایک عالمی نظام بنانا چاہتی ہیں، پوری انسانیت کا اس بات پر اتفاق ہے، تمام فرقوں، تمام نسلوں، تمام قوموں کا اجماع ہے کہ تبادلۂ اشیا کے لیے سونا اور چاندی زر ہے۔

آج بھی آپ دیکھئے کہ یہ سونا اور چاندی عالمی کرنسی ہو گئی ہے، عالمی زر ہو گیا۔ اقوام بھی ایک دوسرے کے ساتھ معاملات طے کریں تو وہ سونے میں ہونے چاہئیں۔ اگر اس کے علاوہ کوئی شکل ہو گی تو وہ استحصال اور ظلم کو پیدا کرنے کا ذریعہ بنے گی۔

زر کے بارے میں قرآن کا نقطۂ نظر عقلی اور منطقی طور پر یہ ہے کہ زر کا قرضوں کی صورت میں ایسا اِجرا نہ ہونا چاہیے کہ جس سے سود کی صورت میں ریٹرن لیا جائے۔ اور نہ ہی زر کی بیع کا ایسا معاملہ اور معاہدہ ہونا چاہیے کہ جس پر آپ کوئی فالتو چیز وصول کریں، یا مدت کا کوئی اضافہ یا فائدہ اٹھائیں۔

بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان محنت و مشقت کا عادی ہو۔ وہ کوئی ایسا کام کرے کہ جس سے کرۂ ارض پر موجود میٹریل میں کوئی یوٹیلیٹی پیدا ہو، کوئی افادیت پیدا ہو۔

قرآن حکیم نے کہا:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (286).

(انسان کے لیے وہ ہے جو وہ محنت کرتا ہے۔)

اگر بغیر محنت کے، قرض کے نتیجے میں سود وصول کیا جائے تو وصول کرنے والا بے کار ہے، کوئی کام نہیں کر رہا، اس کا محنت کا عمل بے کار ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

www.rahimia.org

"لا تکونوا کلًّا علی النّاس"[287] (لوگو! انسانوں پر بوجھ مت بنو)۔

ایسا نہ ہو کہ تم دوسروں کی کمائی کھاؤ اور خود محنت سے عاری ہو جاؤ۔ چناں چہ اسلامی نقطۂ نظر سے قرض کا ریٹرن سود کی صورت میں وصول کرنا ممنوع قرار دے دیا گیا۔

قرآن حکیم میں اشیا و اجناس اور زر کے بارے میں ایک بنیادی قانون یہ بھی بیان کر دیا گیا کہ:

کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ ؕ[288]۔

(تاکہ نہ آئے (مال) لینے دینے میں (گردش) دولت مندوں کے (درمیان) تم میں سے)

معاشی خوش حالی اس وقت تک ممکن نہیں ہوگی، جب تک کہ دولت کی گردش پوری سوسائٹی کے تمام طبقات کے اندر نہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ دولت ایک مخصوص طبقے کے اندر گردش کرتی رہے، اس کا ارتکاز ایک جگہ پر ایک مخصوص طبقے میں ہوتا رہے اور باقی عوام جو کہ اکثریت میں ہیں، وہ اس گردشِ دولت کے معاشی سلسلے سے دور ہوں، ان کے لیے اس میں کوئی افادیت سامنے نہ ہو۔

قرض؛ انسانی معاشرے میں تعاونِ باہمی کی ایک صورت

قرض کی اجازت بھی اس لیے دی گئی کہ انسانی معاشرے میں تعاونِ باہمی کے بغیر انسان ترقی نہیں کرسکتا۔ اب ایک آدمی ضرورت مند ہے، اسے کوئی ضرورت آن پڑی ہے اور وہ آپ سے سوال کرنے کے لیے آیا ہے، مدد اور تعاون چاہتا ہے تو سب سے پہلی شکل قرآن نے یہ بیان کی کہ آپ کے پاس اگر طاقت اور قوت ہے تو اس کو اس کی ضرورت کے مطابق کچھ نہ کچھ صدقہ و خیرات کر دیں۔ اگر آپ کے پاس یہ طاقت نہیں ہے اور آپ مدد کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ آپ اسے یہ کہیں کہ بھئی! یہ میری کمائی ہوئی دولت ہے، اس کو میں ایک مخصوص وقت تک آپ کو استعمال کے لیے دے سکتا ہوں، لیکن آپ کو اتنے وقت کے بعد مجھے واپس لوٹانی ہے، تاکہ میں اپنی ضروریات پوری کرسکوں۔

www.rahimia.org

اس کو ''قرض'' قرار دیا گیا۔ اور قرض ایک ''عقدِ تبرع''، یعنی احسان کے طور پر دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنا ہے۔ قرض پر کوئی زائد چیز وصول کرنے کی ممانعت اس لیے کی گئی کہ تعاونِ باہمی کی بنیادی روح کی خلاف ورزی ہے۔

اس طرح قرآن حکیم نے معاشی حوالے سے یہ بنیادی تصورات دے دیے کہ:

☆ دولت مخصوص طبقے میں گردش نہ کرتی رہے۔

☆ زر، آلۂ مبادلہ ہونا چاہیے۔

☆ قرضوں کا بزنس اور کاروبار نہیں ہونا چاہیے۔

☆ انسانی ضرورت کی مختلف اشیا اور اجناس میں تبادلے کی صورت میں کاروبار اور بزنس ہونا چاہیے۔

☆ زر کے لین دین پر کسی طرح کا کوئی پرافٹ نہ کمایا جائے۔ یہ سراسر دین اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

یہ اسلامک اکنامک سسٹم کے کچھ بنیادی اساسی امور ہیں۔

(3)

روایتی بینکاری نظام کا پس منظر اور نقصانات

اب ہم آتے ہیں بینکنگ سیکٹر کی طرف، جو ہمارے آج کے موضوع کا تیسرا حصہ ہے۔ ہم سب اکنامکس اور بزنس پڑھنے والے جانتے ہیں کہ بینکنگ سیکٹر یا بینک کا اِجرا آج سے دو تین سو سال پہلے سترہویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اس سے پہلے اس طرح کے بینکنگ سیکٹر کا کوئی تصور (Concept) نہیں تھا۔ 1776ء میں ایڈم سمتھ نے ''دولتِ اقوام'' (The Wealth of Nations) لکھی۔ اس کا خاندان برطانوی سوسائٹی کا ریونیو کلکٹر رہا تھا۔ دوسری طرف وہ خود اخلاقیات کا پروفیسر تھا۔ اس نے یہ بنیادی تصور دیا کہ جیسے اشیا اور گڈز کا تبادلہ ہوتا ہے، ایسے ہی زر کی اس اساس کو مانا جائے کہ وہ بھی اشیا اور

www.rahimia.org

گڈز کی طرح کیپٹل ہے، اس کا بھی ریٹرن ہونا چاہیے۔اس کی اپنی کتاب میں اس کے دلائل موجود ہیں۔ برطانوی حکومت کو اس نے مشورہ دیا کہ دنیا میں طاقت ور قومیں وہ ہیں جن کے پاس زر ہے، اس لیے برطانیہ میں زیادہ سے زیادہ زر لایا جائے۔ دنیا میں جہاں بھی زر موجود ہے، اُسے برطانیہ لانے کی کوشش کی جائے۔

اقوامِ متحدہ کی ایک ہزار سالہ دورِ معیشت سے متعلق رپورٹ کے مطابق اُس وقت برعظیم پاک و ہند سب سے زیادہ مال دار خطہ تھا۔ 2000ء میں اقوامِ متحدہ نے اینگس میڈیسن کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی تھی، اس نے کئی سال تک عالمی معیشت کے حوالے سے تحقیق کی کہ 1100ء سے لے کر 2000ء دنیا میں اکنامک صورت حال کیا تھی؟ اس رپورٹ کے مطابق سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں برعظیم پاک و ہند دنیا کی کل دولت کے پچیس فی صد کا مالک تھا۔ کیوں کہ یہ ایک زرعی ملک تھا، زراعت کی ترقی تھی۔ مصالحہ جات کی تجارت تھی اور تجارت بھی صدیوں سے تھی۔ ہندوستان کا تاجر اس خطے سے یمن اور بحیرۂ احمر کے راستے سے یورپ تک پہنچتا تھا۔ادھر چائنا' سلک روٹ کے ذریعے پہنچتا تھا۔ اُدھر تہران اور بغداد اور خشکی کے راستے سے رومۃ الکبریٰ (رومن ایمپائر) اور یورپ تک تاجروں کا سفر رہتا تھا۔عرب تاجروں نے دنیا بھر میں تجارت کا ایک عالمی نظام وضع کیا ہوا تھا۔اس کے نتیجے میں ان کے پاس تجارت، کپڑے کی صنعت اور زراعت کی اشیائے تبادلہ کے ذریعے سے زر آیا۔

تجارتی نظریۂ زر کا استحصالی کردار

یورپ میں سولھویں صدی سے اٹھارھویں صدی کے نصفِ اوّل تک کا دور مرکنٹائل اِزم یعنی تجارتی نظریۂ زر کا دور کہلاتا تھا۔ یہ اصطلاح سب سے پہلے 1763ء میں فرانسیسی ماہرِ معاشیات نے وضع کی تھی۔اس پسِ منظر میں ایڈم سمتھ نے زر کی ٹیبل ''بینکو'' سجائی اور اُسے کیپٹل قرار دیا۔ پھر صنعتی انقلاب کے آنے کے بعد زر کی صورت میں کیپٹل کو کرائے پر چڑھانے اور اس کا ریٹرن سود کی صورت میں وصول کرنے پر مبنی کیپٹل ازم کا ایک نیٹ

www.rahimia.org

ورک بنایا گیا۔ اب ایڈم سمتھ نے تصور دیا کہ برطانیہ تو اس کے مقابلے میں انتہائی کمزور ہے، اسے دنیا بھر سے زر کھینچنا چاہیے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا استحصالی کردار

سولھویں صدی عیسوی میں ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' بنی ہے۔ سو سال کے بعد اس کا ڈیٹا جب برطانوی پارلیمنٹ دار العوام میں پیش کیا گیا تو تجارت کے حوالے سے ہندوستان کا پلڑا بھاری تھا۔ برطانیہ کو نقصان تھا۔ برطانوی لارڈز نے پوری کوشش کی کہ اس کمپنی پر پابندی لگائی جائے۔ کیوں کہ تجارتی بیلنس شیٹ میں ہندوستان کو بالادستی حاصل ہے اور ہم اس کے تابع ہیں۔ وہاں کی چیزیں یہاں آ کر فروخت ہوتی ہیں۔

اب اس کا توڑ پیدا کرنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ کسی طریقے ہندوستان کے زر کو اپنی طرف کھینچا جائے۔ چناں چہ کمپنی نے ساٹھ ہزار پاؤنڈز بادشاہ کو نذرانے کے نام پر رشوت دے کر اپنا لائسنس بحال کروایا (289) اور کہا کہ جیسے بھی ممکن ہو، کوئی بھی صورت ہو ہم ہندوستان کی دولت یہاں منتقل کریں گے۔ وہ بزنس کے نام پر ہو یا جیسے بھی ہو، اس بیلنس شیٹ کو بدلیں گے۔

1600ء میں کمپنی بنی تھی۔ سترھویں صدی میں اس برعظیم میں تجارت کے لیے آنے والی کمپنی سیاست کے ذریعے سے سوسائٹی پر مسلط ہو جاتی ہے۔ وہ اتنی لوٹ مار کرتی ہے کہ انگریزی ڈکشنری کو ایک نیا لفظ ''لوٹ'' (Loot) دیا، جو کہ ہندوستان کی سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ اس نے اس لوٹ مار کے ذریعے سے دولت برطانیہ منتقل کی، زر کھینچنے کا کام کیا۔ ہر ممکن طریقے سے، چوری ڈاکے سے، فراڈ سے زر اکٹھا کر کے برطانیہ پہنچتا ہے۔

بہ قول ایک انگریز کے کہ ''ہمارا طرزِ حکومت اسپنج سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ وہ گنگا کے دھارے سے تمام نعمتیں چوس لیتا ہے اور ٹیمز کے کنارے نچوڑ دیتا ہے''(290)۔ اس سو سال میں کمپنی نے اس ہندوستان کی دولت لوٹی، جو کہ دنیا میں اس وقت آن ریکارڈ ہے، آج کے حساب سے اس لوٹی گئی ریکارڈ شدہ دولت کا اندازہ لگایا جائے تو پینتالیس

www.rahimia.org

ٹریلین ڈالر کے قریب بنتی ہے۔ غیر ریکارڈ دولت کا کچھ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

بینک آف انگلینڈ کا قیام

اس طرح زر کو اکٹھا کیا گیا، زر کا مرکز برطانیہ بنا اور اس کے نتیجے میں 27/جولائی 1694ء کو''بینک آف انگلینڈ'' وجود میں آیا، جس نے اس دولت کی اساس پر زر کو کرائے پر چڑھانے، قرضے دینے اور اس کے ذریعے سے دنیا بھر کی اشیا و اجناس کو اپنے کنٹرول میں کرنے، منڈیوں پر قبضہ کرنے، ملکوں کو غلام بنانے، اقوامِ عالم کو اپنے ماتحت کرنے اور ان کی مارکیٹوں پر قبضہ کرنے کے لیے استعمال کیا۔

ہم سب جانتے ہیں کہ لفظ''بینک'' اطالوی زبان کا ایک لفظ''بینکو'' سے بنا ہے، جس کا مطلب ہے:''پیسے کی ٹیبل''۔ کسی ساہوکار نے قرض دینے کے لیے جس ٹیبل پر زر سجایا ہوا ہوتا، اس کو''بینکو'' کہتے تھے۔ وہ ساہوکار، زر کو کرائے پر چڑھاتا اور سود خوری کرتا تھا، حال آں کہ اس سود خوری کی مذمت تورات، انجیل، وید، گیتا میں بھی موجود تھی اور چین میں کنفیوشس اور ایران میں اویستا کے ہاں بھی تھی، جو کہ آتش پرست ہیں۔

یہ وہی'بینک آف انگلینڈ' ہے جس نے نہ صرف برطانوی نو آبادی برعظیم پاک و ہند بلکہ خود یورپ کی دولت لوٹی، بلکہ جب امریکا دریافت ہوا تو امریکا کی کرنسی کو ریگولیٹ کرنے کے لیے سب سے پہلے اسی بینک آف انگلینڈ کے ساہوکار وہاں پہنچے۔ اس کے نتیجے میں امریکی حکومت اپنے حکومتی اختیارات سے محروم ہوئی۔ آپ اندازہ لگایئے کہ آج 2023ء میں بھی''امریکی فیڈرل ریزرو بینک'' حکومت کے ماتحت حکومتی ادارہ نہیں ہے۔ وہ ایک پرائیویٹ بینک ہے، جس نے حکومتِ امریکا کو بھی قرضوں میں جکڑا ہوا ہے۔ بعد میں اسی کی اساس پر 1945ء میں ورلڈ بینک بنایا گیا۔

ذرا بینکنگ سیکٹر کے مختلف مراحل دیکھئے کہ پہلے تجارت کے نام پر بہ ظاہر تجارتی بینک بنائے گئے، پھر اس کے ذریعے سے دنیا کو ایسے قرضوں میں الجھا دیا گیا کہ جس کے نتیجے میں دنیا کی منڈیوں پر قبضہ کیا جائے، انھیں یرغمال بنایا جائے، انھیں اپنے مقاصد

www.rahimia.org

کے لیے استعمال میں لایا جائے اور ملکوں کو قرضوں کی معیشت کے جال میں پھنسا کر ملکوں کو اپنے سیاسی اور قومی مسائل پر کمپرومائز کروایا جائے۔ اس طرح قرضوں کی معیشت نے دنیا بھر کو کنٹرول کیا۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ بینکنگ سیکٹر جنگِ عظیم اوّل کے بعد دنیا میں زیادہ فروغ پذیر ہوا۔ اس کا سب سے اہم وہ مرحلہ ہے کہ جب جنگِ عظیم اوّل کے نتیجے میں برطانیہ اور فرانس دنیا پر غالب آ گئے۔ انھوں نے اس جنگِ عظیم اوّل میں سات بادشاہتیں بہ شمول خلافت عثمانیہ فنا کے گھاٹ اتار دیں۔ انھوں نے سائیکس پیکو معاہدے (Sykes–Picot Agreement) کے تحت دنیا بھر کی تقسیم کی، 1916ء میں فرانس اور برطانیہ کے دو اہم ترین وزیروں نے مل کر یہ خفیہ معاہدہ کیا تھا۔ اس معاہدے کے تحت ہی انھوں نے دنیا کے ملکوں کی بندر بانٹ کی۔ ایک خلافت عثمانیہ کے ستاون اسلامی ملک پیدا کر دیے، حال آں کہ وہاں زبان بھی ایک تھی، نسل بھی ایک تھی، مذہب بھی ایک تھا۔ جہاں ایسا نہیں تھا تو وہاں ڈیوائڈ اینڈ رول کی پالیسی کے تحت مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں لڑائی پیدا کی کہ ہندو الگ قوم ہے، مسلمان ایک الگ قوم ہے وغیرہ۔

اس کو بنیاد بنا کر برعظیم پاک و ہند کے سات ملک بنا دیے۔ سات ملک جزیرۃ العرب کے بنائے، سات ملک خلیجی ممالک کے بنائے۔ اسی طرح 1922ء کے بعد مصر، شام، مراکش، سعودیہ عرب وغیرہ اور کتنے چھوٹے چھوٹے ملک تقسیم کیے گئے۔ ان تمام ممالک کو پابند کیا گیا کہ وہ قرضوں کی اس معیشت کے دائرے میں ورلڈ بینک، آئی ایم ایف اور گاٹ معاہدات جیسے عالمی استحصالی معاشی اداروں کی گرفت میں آئیں۔ ان کے ذریعے سے ملکوں کی حکومتیں کنٹرول کی جاتی ہیں، ان کی سیاسی قیادتیں بدلی جاتیں ہیں۔ ان کے ہاں رجیم چینج کیے جاتے ہیں۔

اس طرح زر پر کنٹرول اور اس کے ذریعے قرضوں کی معیشت کی اساس پر مداخلت کی پوری تاریخ اب تو سب کے سامنے آ چکی ہے۔ وہی ایسٹ انڈیا کمپنی جس نے اس برعظیم پاک و ہند پر قبضہ کیا، اسی کی وہ بیٹیاں، پوتیاں، پڑپوتیاں کمپنیاں ہیں، جو اس وقت

www.rahimia.org

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی صورت میں دنیا بھر کے وسائل پر قابض ہیں۔ اس پر کتابیں بھی آ چکی ہیں، تحقیق اور ریسرچ ہو چکی ہے کہ وہ کمپنیاں اسی ایسٹ انڈیا کمپنی سے اپنا نسبی تعلق رکھتی ہیں۔ گویا زر کو قرضوں کی شکل میں دے کر سود وصول کرنے اور اس کی اساس پر ملکوں اور قوموں کو غلام بنانے کا بنیادی کنسپٹ کیپٹل ازم کا ہی دیا ہوا ہے۔

آپ دیکھیے کہ 1939ء سے لے کر 1944ء تک جنگ عظیم دوم لڑی گئی اور جنگ عظیم دوم کے نتیجے میں دو مزید سپر پاورز وجود میں آ گئیں۔ دو پہلے تھیں: برطانیہ اور فرانس جن کو اگرچہ جرمنی کے ہٹلر نے پہلے شکست دے دی تھی اور انھیں دیوار کے ساتھ لگا دیا تھا، لیکن روس اور امریکا کی اتحادی طاقت کے بل بوتے پر نسل پرستی کے اس نظام کو ختم کر کے یہ چار پاورز دنیا پر مسلط ہو گئیں۔

قرضوں کے تحفظ کا عالمی نظام؛ ورلڈ بینک، آئی ایم ایف وغیرہ

انھوں نے جب عالمی نظام تشکیل دینے کے لیے بریٹن ووڈ کانفرنس (Bretton Woods Conference) میں شرکت کی تو برطانوی وزیرِ خزانہ جنگ کی تباہ حالی کے بعد اپنا مالیاتی پلان لے کر اس کانفرنس میں شریک ہوا تھا۔ اس کے باوجود کہ برطانیہ جنگِ عظیم دوم میں بہ ظاہر ہٹلر کے خلاف جنگ جیت چکا تھا، لیکن معیشت کے حوالے سے اس کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ اس کے پاس ملازمین کو تنخواہ دینے کے لیے پیسے نہیں تھے۔

آپ کے اس ہندوستان برعظیم کے نوابوں مہاراجوں سے ان کے اثاثے بیچ کر قرضے دیے گئے۔ ریاست بہاولپور میں بہاولپور شہر سے فورٹ عباس و یزمان تک ریلوے لائن بیچی گئی۔ اس کے پیسے وہاں دیے گئے۔ یہاں سندھ دھرتی کی ریاستوں بالخصوص ریاست خیر پور میں میروں کا جو تھوڑا بہت بچا کھچا نظام تھا، ان سے بھاری ٹیکسز وصول کر کے برطانیہ نے اپنے خرچ پورے کیے۔ اسی طرح برطانیہ کو اب قرضوں کی ضرورت تھی۔ وہ امریکا سے قرضہ مانگنے کے لیے گیا۔ اس کانفرنس میں امریکی وزیرِ خزانہ کا مالیاتی پلان کامیاب ہوا اور اس نے کہا کہ ڈالر کو آپ زر کی جگہ پر عالمی کرنسی تسلیم کریں تو میں

www.rahimia.org

آپ کو قرضہ دینے کے لیے تیار ہوں۔ اس طرح برطانیہ کی کرنسی کی جگہ پر ڈالر کو لانے کے لیے قرضہ دیا گیا۔

کاغذ کی کرنسی کا اِجرا

ایک اَور بہت بڑا فراڈ جو دنیا بھر کے تمام ملکوں کے ساتھ کیا گیا کہ سونے کو بہ ظاہر ریزرو بینک میں رکھ کر اس کی جگہ پر 'نوٹ' کی شکل میں ایک رسید جاری کر دی گئی، کاغذ پر ''حامل ہذا کو مطالبے پر ادا کرے گا'' لکھ کر پکڑا دیا گیا۔ آج آپ کے نوٹ پر بھی لکھا ہے۔

جب 1922ء کے بعد قومی ریاستیں بننے لگیں تو ان ریاستوں کو مجبور کیا گیا کہ ان کی کرنسی سونا چاندی نہیں ہوگی، وہ کاغذی رسید جاری کریں گے۔ کس بنیاد (Behalf) پر جاری کریں گے؟ اس کا ایک میکانزم بعد میں بنایا گیا کہ یہ اثاثے ہوں، یہ کچھ ہو، وہ کچھ ہو وغیرہ۔ 1954ء میں امریکا نے کہا کہ میرے پاس اتنے اثاثے ہیں۔ میں جو رسید جاری کرتا ہوں ان اثاثوں کے مطابق ہے۔ کچھ بانڈ، سونا، چاندی وغیرہ چیزوں کی ایک لسٹ اقوام متحدہ کو فراہم کی گئی، لیکن آج تک فزیکلی کسی ملک کو نہیں دکھایا گیا کہ امریکی ریزرو بینک میں کیا رکھا ہے؟ دیگر ویٹو پاور رکھنے والے ممالک چین وغیرہ نے مطالبہ کیا، لیکن آج تک نہیں بتایا گیا۔

گویا کہ ڈالر چھپ رہا ہے اور دنیا بھر کی کرنسیوں کو کنٹرول کر رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں ممالک اور قوموں کو قرضے جاری کر کے اپنے جال میں پھنسا کر ان کی سیاست، معیشت، ان کی منڈیوں اور ان کے تمام کاموں کا استحصال کیا جا رہا ہے۔ گویا کہ سترہویں صدی سے لے کر 45-1944ء تک کہ جب آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک بنا، ایک عالمی بینک وجود میں لایا گیا جو زر کا کاروبار کرتا ہے۔ اسی لیے بینک کی بنیادی تعریف میں یہ ہے کہ وہ اثاثے محفوظ کرنا، جن کے ذریعے سے پرافٹ کمایا جائے اور قرضوں کی معیشت مسلط کی جائے۔

www.rahimia.org

قرضوں کی معیشت کا ظالمانہ عالمی نظام اور اسلام کا نقطۂ نظر

قرضوں کی معیشت کا یہ عالمی نظام' اسلام کے نقطۂ نظر سے قطعی طور پر قابلِ قبول نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ عقلی طور پر بھی ہم غور کریں کہ جو سونا اور چاندی تھا، اسے بھی غائب کر کے اس کی جگہ پر ایک کاغذی نوٹ جاری کر دیا اور اس کاغذی نوٹ پر امریکی صدر کی تصویر چھپی ہوئی ہو تو ''ڈالر'' ہے، اگر روسی صدر کی چھپی ہوئی ہو تو ''روبل'' ہے، سعودی کنگ کی تصویر چھپی ہوئی ہو تو ''سعودی ریال'' ہے، کسی اماراتی آدمی کی چھپی ہوئی ہو تو ''اماراتی ریال'' ہے، پاکستان میں قائد اعظم کی تصویر چھپی ہوئی ہو تو پاکستانی کرنسی ''روپیہ'' ہے اور اگر کسی کاغذ پر گاندھی کی تصویر چھپی ہوئی ہو تو وہ انڈین کرنسی ہے۔

پھر اگلا ظلم یہ کیا گیا کہ دنیا بھر میں کل تجارت کے حجم کا جائزہ لیں تو اس کا ستر اسّی فی صد کرنسی کی تجارت ہے۔ زر کا زر سے تبادلے کا عمل اور کرنسی کا لین دین ہے کہ ڈالر کے بدلے میں یہ روپیہ ہے، یہ روبل ہے، یہ ریال ہے، یہ فلاں ہے وغیرہ۔

1974ء میں جب شاہ فیصل نے امریکا سے معاہدہ کیا کہ ہم دنیا میں پیٹرول ڈالر کے ذریعے سے بیچیں گے، جسے ''پیٹرو ڈالر'' کہا گیا۔ اس پیٹرو ڈالر نے دنیا بھر کی معیشت کو اپنے جال میں جکڑ لیا۔ اب پیٹرول دنیا بھر کی انرجی کی ضرورت ہے، اسے پیٹرول خریدنا ہے تو پہلے اپنی کرنسی امریکی فیڈرل ریزو بینک میں بھیجے، ڈالر میں کنورٹ (Convert) کرے اور پھر وہ ڈالر کے ذریعے سے دوسرے ملک کا ریال سعودیہ عرب کو دے اور پھر اس سے تیل وصول کرے۔ درمیان میں اس کرنسی کی جبری تجارت کے نتیجے میں ڈالر موٹا ہوتا چلا گیا، اس کی طاقت پھیل گئی اور دولت مرتکز ہو کر آج صورت حال یہ ہے کہ دنیا کے کل چار سو سرمایہ داروں کے پاس دنیا کی نوے فی صد دولت ہے اور باقی آٹھ ارب آبادی اور اقوام کے پاس دنیا کی کل دولت کا صرف پانچ دس فی صد ہے۔ اس طرح دولت کا ارتکاز قرضوں کی اس معیشت کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ اس میں بینک کا کردار قرضوں کی معیشت کو مسلط کرنا رہا ہے۔

www.rahimia.org

ہر ملک کو قرضوں کی معیشت میں جکڑ لیا گیا

پھر دنیا کا جو ملک بھی نقشے پر اُبھرا، اس کے بننے سے بھی پہلے اس ملک سے معاہدے کیے گئے کہ اس کا بینک' ورلڈ بینک کے ساتھ ایگریمنٹ کرے اور قرضوں کی معیشت کو جاری رکھے۔ 15-14/ اگست 1947ء کی درمیانی رات پاکستان اور ہندوستان دو ملک وجود میں آئے۔ دونوں ملکوں کے ساتھ ان کے حلق پر انگوٹھا رکھ کر یہ معاہدہ کیا گیا کہ پہلے آپ ورلڈ بینک کی قرضوں کی معیشت کے نظام کے ساتھ وابستہ ہوں گے۔ آپ کا مجوزہ 'سٹیٹ بینک آف انڈیا' اور 'سٹیٹ بینک آف پاکستان' اس ورلڈ بینک سے ایگریمنٹ کرے گا۔ آئی ایم ایف کی شرائط کے تحت کام کرے گا۔

ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستان بننے سے پہلے جو کولیشن گورنمنٹ بنی تھی، اس کے تحت پورے ہندوستان کے وزیر خزانہ مسٹر لیاقت علی خان تھے، جو بعد میں پاکستان کے پہلے وزیر اعظم بنے تھے۔ ان کے سیکرٹری خزانہ ملک غلام محمد تھے، جن کو باقاعدہ آئی ایم ایف سے تربیت حاصل کرنے کے لیے امریکا بھیجا گیا۔ اور ورلڈ بینک کے ساتھ پاکستان کے ورکنگ ریلیشن شپ اور قرضوں کی اس معیشت پر دستخط کیے گئے کہ اس کے مطابق پاکستان کا سٹیٹ بینک نظامِ زر کو کنٹرول کرے گا۔

15/ اگست کو گورنر جنرل کے حلف کے بعد جب کیبنٹ نے حلف اٹھایا تو اس میں وزیرِ خزانہ ملک غلام محمد تھے، جو ورلڈ بینک کے اصول اور ضابطوں کے مطابق آئی ایم ایف سے ٹریننگ حاصل کر کے آئے تھے۔ انھوں نے 28/ فروری 1948ء کو ملک کا سب سے پہلا بجٹ دس کروڑ کے خسارے کا پیش کیا۔ اس زمانے میں مارچ کے مہینے میں مالی سال ختم ہوتا تھا اور اپریل سے نیا مالی سال شروع ہوتا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک جتنے بجٹ پیش ہوئے، وہ سب خسارے کے ہیں۔ قرضوں کی معیشت کے اس نظام کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم قرضوں کی دلدل اور اس کی تباہ کاریوں میں پھنستے چلے گئے۔ ہماری معیشت سود کے اس عالمی نظام میں جکڑی ہوئی ہے۔

www.rahimia.org

روایتی بینکاری کی اَساسیات

اب یہ جو روایتی یا کنوینشنل بینکاری ہے، اس کی اَساسیات کیپٹل اِزم کے قرضوں پر مشتمل استحصالی تصور پر قائم ہے۔ اس کی بنیاد ظلم پر ہے اور قرآن حکیم کے تمام بنیادی اصولوں سے متصادم ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسانی سوسائٹی کا معاشی نظام تمام افراد کی معاشی ضروریات کو اطمینان بخش طور پر پورا کرے، لیکن یہاں خوش حالی صرف بینک کی ہوتی ہے۔ آج بھی ہر کاروبار ٹھپ ہے، لیکن سب سے زیادہ پرافٹ بینک کما رہے ہیں۔ ذرا بینکوں کے پروفٹ کے اعداد و شمار اٹھا کر دیکھ لیجیے، خاص طور پر ''اسلامی بینک'' کو دیکھ لیں، وہی پرافٹ ایبل ہے۔ نہ زراعت پرافٹ ایبل ہے، نہ صنعت ہے، نہ تجارت ہے، حال آں کہ یہ تینوں معاشی شعبے کسی ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ اور بینک ہے کہ موٹے سے موٹا ہوتا جا رہا ہے۔ اب روایتی بینکنگ کا پورا کا پورا ڈھانچہ قرضوں کی معیشت پر استوار ہے۔ زر کو کاروباری مقاصد کے لیے استعمال کی اساس پر ہے۔

پھر پرائیویٹ بینکنگ اور ریاستی نظم و نسق کو اس پورے بینکنگ سسٹم سے علاحدہ کر دیا گیا، حتیٰ کہ ریاستوں کے اسٹیٹ بینک بھی حکومتوں سے آزاد ہو کر کام کر رہے ہیں۔ امریکا ایسی طاقت ور حکومت نے اس کرنسی کے نظام کو اپنے دائرے میں لانے کے لیے کردار ادا کرنے کی کوشش کی تو اس کے نتیجے میں اُس کے دو تین صدر قتل ہو چکے ہیں۔ آپ اندازہ لگائیے جب امریکا جیسی طاقت ور حکومت نے اس سرمایہ دارانہ بینکنگ سسٹم کے سامنے گھٹنے ٹیکے ہوئے ہیں تو باقی وہ 188 ملک جن کے پاس ویٹو پاور بھی نہیں ہے، جن کے پاس کوئی عالمی طاقت نہیں ہے، ان کا حال کیا ہوگا۔

سعودی عرب جیسا ملک جس میں تیل کی دولت کی فراوانی رہی ہے، اس نے حالیہ دنوں میں آئی ایم ایف سے دس ارب ڈالر کا قرضہ لیا ہے۔ انڈیا نے قرض اُٹھایا ہے، چائنہ نے قرض لیا ہے۔ خود امریکی حکومت ٹریلین ڈالر کے قرضوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یہاں حکومتوں کی کیا حیثیت ہے؟ حکومت کون ہوتی ہے؟ پولیٹیکل سائنس کے نقطۂ نظر سے

www.rahimia.org

اصولی طور پر جس دھرتی میں حکومت ہے، اس دھرتی کے عوام کی نمائندگی کی بنیاد پر عوام کی نمائندہ حکومت کو عوام کے مفادات اور تحفظ کے لیے سسٹم بنانے کی اجازت نہیں ہے۔ ملکی سسٹم کو بینکاری نظام کنٹرول کرے گا، جو عالمی ساہوکاروں کے قبضے میں ہے۔

اسلامی بینکاری کی اصل حقیقت اور نوعیت

اب آیئے اسلامی بینکنگ کی طرف۔ دیکھیے! اسلام نے انسانی معاشرے کے لیے یہ بنیادی تصور دیا ہے کہ قرضوں کے سود یا قرضوں کی معیشت کی بنیاد پر معاشی نظام نہیں ہوگا، لیکن ہمارا عالمی نظام، ہمارا سٹیٹ بینک اور ہماری تمام تر معاشی سرگرمیاں کیپٹل ازم کے قرضوں کی معیشت کے اصول پر چل رہی ہیں۔ ورلڈ بینک آپ کے سٹیٹ بینک کو قرضہ دیتا ہے، سٹیٹ بینک آگے بیس پچیس ملکی بینکوں کو قرضہ دیتا ہے۔ اب ان میں سے سٹیٹ بینک کے کسی ایک ذیلی بینک کے اوپر 'سبز پلیٹ' لگا دی جائے اور اس کا نام ''اسلامی بینک'' رکھ کر مضاربت، کفالہ، وکالہ اور اجارہ وغیرہ ایسی اسلامی اصطلاحات استعمال کی جائیں۔ کیا اس سے قرضوں کے کاروبار کا بنیادی اور استحصالی نظریہ ختم ہو جائے گا؟ نہیں! بلکہ قرضوں کے سود کا نظام اسی طرح موجود رہے گا۔ ایک روایتی بینکاری میں اور اسلامی بینکاری میں بنیادی اور جوہری طور پر کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ اُلٹا 'اسلامی بیج' دینے کے نتیجے میں اس کا کرایہ مزید بڑھ گیا ہے۔

اس نظام کے بنانے والوں کی طرف سے کہا گیا کہ قرضوں پر تو پرافٹ جائز نہیں ہے، لیکن جو قرضے آپ نے عالمی ملکوں سے سود پر لیے ہوئے ہیں، اس کی اساس پر آپ چیز بینک سے خرید کر ''اجارہ'' کی صورت میں کرایہ پر لے لیں اور بینک کرایہ وصول کرتا رہے۔ یا ''بیع مرابحہ'' کا تصور دیا گیا کہ ہم فالتو قیمت پر چیز آپ کو بیچتے ہیں اور اس طرح نفع کماتے ہیں، یہ بیع ہے۔ جب کہ ان تمام کاموں کے لیے صرف کاغذی کارروائی کی جاتی ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ صرف فارم فل کیے جاتے ہیں، اعداد و شمار جمع کیے جاتے ہیں اور اس کی بنیاد پر خود ہی ایک چیز کو کبھی ''بیع مرابحہ'' میں اور کبھی

www.rahimia.org

''اجارہ'' میں بھی بدل دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی منافع کا فی صد جو کائبور (KIBOR)☆ کی صورت میں یہاں کے روایتی بینکنگ سیکٹر میں سود کے حوالے سے طے کیا جاتا ہے، وہی اسلامی بینک اختیار کرنے پر مجبور ہے اور بروقت ادائیگی نہ کرنے پر ''جبری تبرع'' کی صورت میں مزید وصول کرلیا جاتا ہے۔

اس میں بہ ظاہر اسلام کی اصطلاحات مضاربت، اجارہ، بیع مرابحہ یا بیع مؤجل استعمال کی گئیں، حال آں کہ یہ اسلامی اصطلاحات ایک مکمل اسلامی نظام میں ہی صحیح نتیجہ دیتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں جب اوپر اسٹیٹ بینک سے غیرملکی قرضوں کی صورت میں جو کچھ مال پانی آرہا ہے، وہ اگر سود والا ہے تو آگے ڈسٹری بیوشن میں اس کو کون سا اسلامی فلٹر لگائیں گے کہ جس کے ذریعے سے وہ پاک ہوجائے گا؟!۔

اسلامی بینک ایک بہت بڑا دھوکہ ہے۔ یہ اسی کنوینشنل بینکنگ کی اسلامی شکل ہے۔ یہ ایسے ہی اسلامی شکل ہے جیسے ہم پاکستانیوں نے اپنے ملک کا نام ''اسلامی'' اور ''جمہوری'' رکھا ہوا ہے، لیکن نہ اسلام کا سیاسی نظام، نہ معاشی نظام، نہ انسانی حقوق کی ادائیگی کا کوئی عمل اور لیبل اس پر ہم نے ''اسلام'' کا چسپاں کیا ہوا ہے۔ ایسے ہی ''اسلامی بینکنگ'' کا بھی ایک لیبل چپکا ہوا ہے۔ اس پر تفصیلی مکالمہ، مباحثہ، کتابیں اور لٹریچر موجود ہے۔ قرضوں کی معیشت کے اس عالمی نظام میں رہتے ہوئے آئینی اور قانونی جکڑ بندیوں کی صورت میں ٹیکنیکلی طور پر یہ بات ممکن ہی نہیں ہے کہ بینکاری بلاسودی اور اسلامی ہو۔

☆ کائبور: بینکوں کے قرضے کی شرح، سود پر مبنی بینچ مارک ریٹ سے منسلک ہوتی ہے، جسے (KIBOR) یعنی کراچی انٹربینک آفر ریٹ (Karachi Interbank Offer Rate) کہا جاتا ہے۔ اسے فنانشل مارکیٹ ایسوسی ایشن آف پاکستان نے شائع کیا ہے۔ پاکستان کے اسٹیٹ بینک نے تمام بینکوں کو پابند کیا ہے کہ وہ KIBOR کو اپنے قرضے کا معیار بنائیں، تاکہ قیمتوں کا تعین کرنے کا طریقہ کار واضح ہو۔ اسلامی بینک بھی منافع کی تقسیم کے تناسب کا تعین کرنے کے لیے KIBOR کا استعمال کرتے ہیں۔ اسلامی بینکوں کے پاس منافع کے تعین کے لیے اپنا علاحدہ بینچ مارک سسٹم نہیں ہے۔

www.rahimia.org

''اسلامی بینکنگ'' کے قیام کا پسِ منظر

اسلامی بینکنگ کا یہ معاملہ جناب ضیاء الحق صاحب کے دور میں شروع ہوا تھا کہ اُن کی خواہش تھی کہ اسلامی بینکاری ہونی چاہیے۔ جب ان کے دماغ میں یہ خیال آیا تھا تو انھوں نے غالباً 1985ء میں دو کمیٹیاں بنائی تھیں: ایک علماء کی کمیٹی بنائی تھی، جس کے سربراہ مفتی تقی عثمانی صاحب تھے اور ایک ٹیکنیکل کمیٹی بنائی تھی، جس کے سربراہ اس وقت کے گورنر سٹیٹ بینک غلام اسحاق خان تھے۔ دونوں سے رپورٹ لی گئی تھی کہ کیا ہم اس موجودہ حالت میں — جب کہ ہمارا سٹیٹ بینک قرضوں کے اس عالمی نظام سے جڑا ہوا ہے — اپنے ملک کے اندر اسلامی بینکاری نافذ کر سکتے ہیں؟

غلام اسحاق کی کمیٹی میں بینکار، اکنامکس کے ماہرین، پروفیسرز اور دانش ور موجود تھے، ان تمام نے ٹیکنیکلی طور پر اس پر غور کیا۔ اس رپورٹ کو پڑھ لیجیے، اس رپورٹ میں غلام اسحاق خان نے لکھا تھا کہ: اگر واقعی پاکستان میں آپ اسلامک اکنامک سسٹم لانا چاہتے ہیں تو ہمیں پورا سٹرکچر چینج کرنا پڑے گا، پروڈکشن آف ویلتھ سے لے کر کنزمپشن آف ویلتھ تک جتنے پروسیجرز ہیں وہ دین کے کنسپٹ پر لانے پڑیں گے۔ اس کے لیے ہمارے سٹیٹ بینک کو ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف سے علاحدگی اختیار کرنی ہوگی۔ اپنا معاشی اور اکنامکس سسٹم ڈیویلپ کرنا ہوگا۔ اگر یہ کرنے کی سکت ہے تو پھر تو آپ یہ بھاری پتھر اٹھائیں، ورنہ پورے اکنامکس سسٹم میں جہاں پروڈکشن آف ویلتھ کیپٹل ازم کی بنیاد پر ہے، ڈسٹری بیوشن اور کنزمپشن آف ویلتھ اس کی بنیاد پر ہے، وہاں پر صرف تبادلۂ دولت اور تبادلۂ دولت میں سے بھی صرف زر اور زر کو کنٹرول کرنے والی اتھارٹی یعنی بینک کو ''اسلامی'' بنانا عملاً ممکن نہیں ہے۔ عالمی اکنامک سسٹم کے بالکل مخالف اور متصادم ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔

لیکن مولانا حضرات کی کمیٹی نے سوچا کہ اگرچہ عملاً ایسا ہو تو نہیں سکتا، لیکن کچھ تھوڑا سا جگاڑ کر لیتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جب تک مکمل نظام قائم نہ ہو، اتنی دیر ہم اسلام کے معاشی نظام کی طرف ابتدائی سفر کر لیتے ہیں اور اس طرح انھوں نے کچھ تجاویز دیں۔ مرابحہ، مضاربت اور اجارہ، بیع مؤجل وغیرہ کے نام پر حیلے بنا کر کہا کہ ہم اس کو کچھ نہ کچھ اسلامی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

www.rahimia.org

وہ رپورٹ جب وزارتِ خزانہ اور بینک کے پاس گئی، ضیاء الحق صاحب کے سامنے گئی، تو انھوں نے غلام اسحاق خان کی رپورٹ کو تو ایک طرف رکھ دیا۔ کیوں کہ ہم نے اس وقت اسلام اسلام کھیلنا تھا۔ افغانستان کی لڑائی ہو رہی تھی، وہاں ہمیں امریکا کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے روس کے مقابلے میں مسلمانوں کو استعمال کرنے کی ضرورت تھی تو اسلام کا نعرہ لگانا تھا، اسلام کے معاشی نظام کی بات کرنی تھی، اس لیے انھوں نے کہا کہ وہ جو سسٹم ہے، جس میں حیلے بنائے گئے ہیں، اس کے مطابق بینکاری سسٹم بناؤ۔

جب وہ سسٹم عملاً بن کر آیا بھی۔ ظاہر ہے دونوں کا جوڑ کوئی نہیں بن رہا تھا۔ تو خود مولانا تقی عثمانی صاحب نے اس پر کڑی تنقید کی، لیکن اس کڑی تنقید کے باوجود آج تک وہ اس کی نمائندگی کر رہے ہیں، کس بنیاد پر؟

اسلام کے معاشی نظام کے ساتھ مذاق نہ کریں!

بات یہ ہے کہ اسلامی بینکنگ ہو یا کنوینشنل بینکنگ، دونوں کی دونوں دراصل اس عالمی قرضوں کی معیشت کے نظام کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اسلام کے ساتھ تو کم از کم مذاق نہ کیا جائے۔ اگر ہم اتنی جرأت نہیں رکھتے کہ اپنا نظام اسلام کی اساس پر بنائیں تو کم از کم اسلام سے مذاق کرنا تو چھوڑ دیں۔ ہم بینکنگ کی وجہ سے اسلام کے نام پر سادہ مسلمانوں کو بے وقوف بنائیں اور کام وہی کریں جو روایتی بینک کر رہے ہیں، قرضوں کو سود پر چڑھانے کا وہی کام کریں اور اس کا نام بدل لیا جائے؟!

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ: آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے کہ جو سود کو جائز بنانے کے حیلے کریں گے۔ ان حیلوں کے ذریعے سے لوگوں کو بے وقوف بنائیں گے۔ آج یہ کام ہمارے ساتھ پچھلے پچھتر سال سے ہو رہا ہے۔ اگر واقعی ہم اسلامی نظام کی طرف آنا چاہتے ہیں تو اس کے بنیادی پرنسپلز اختیار کرنے ہوں گے۔ اَور نہیں تو کم از کم ہم علمی دنیا میں بطور تھیوری کے تو اس کو سمجھیں۔ ٹھیک ہے ہم میں سے ہر آدمی یہ تبدیلی نہیں کر سکتا، لیکن علمی دنیا میں مکالمہ تو ہو، اسلام کا ایک مکمل اکنامک سسٹم تو ہمارے سامنے آئے، پوائنٹ آف ویو تو واضح ہو، اس کی اساس پر ہم کوئی نظریہ تو رکھیں، لیکن اسلام کے ساتھ کھلواڑ اور مذاق نہ کریں۔

www.rahimia.org

دنیا بھر کو حقیقی اسلامی معاشی نظام کی اشد ضرورت ہے

آج ضرورت ہے کہ ہم دینِ اسلام کی بنیادی اساسی تعلیمات، جو عقلی بھی ہیں، دنیا کی ترقی کی ضامن بھی ہیں، انسانیت کی فلاح و بہبود کا پروگرام بھی رکھتی ہیں، آخرت کی کامیابی کی بھی ضامن ہیں، انھیں مِن وعَن اور جامعیت کے ساتھ قبول کرنے کے لیے اپنا سرِ تسلیم خم کریں۔ اسی کا نام اسلام ہے۔ یہ نہیں ہے کہ خواہشات کی بنیاد پر اس عالمی استحصالی نظام کی تباہ کاریوں میں شریک ہو کر اُس کے آلہ کار بنیں کہ جس کے نتیجے میں آج ہمارا ملک ہی نہیں، دنیا بھر کی منڈیاں کساد بازاری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ابھی پچھلے مہینے بالی کانفرنس (انڈونیشیا میں) ہوئی ہے، بالی کانفرنس میں جی 20 کے ممالک سر جوڑ کر بیٹھے ہیں کہ ہم نے دنیا بھر میں جو قرضوں کی معیشت جاری کی ہوئی ہے اور اس کے نتیجے میں ملک دھڑا دھڑ دیوالیہ ہو رہے ہیں۔ پاکستان دیوالیہ کے دہانے پر ہے۔ اَور ملک بھی، تو اس کے نتیجے میں تو ہمارے قرضے ڈوبیں گے تو اس قرضوں کی معیشت پر ہمیں نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔ ان ملکوں کی مدد کرنی چاہیے کہ یہ نہ ہو کہ وہاں کے بندے مر جائیں اور ہمارا قرضہ ڈوب جائے۔ ''بالی کانفرنس'' کی تین دن کی تفصیلی رپورٹ آپ پڑھ لیجیے، کہ قرضہ دینے والے خود سر جوڑ کر بیٹھے ہیں جس میں چائنہ بھی ہے امریکا بھی ہے ورلڈ بینک کے نمائندے بھی ہیں اکنامک فورم کے نمائندے بھی ہیں تو دنیا کے غریب ملکوں کو مقروض بنا کر ان کی معیشت پر کنٹرول کرنے پر قرضے دینے والے بھی پریشان ہیں کہ ملک دیوالیہ ہو گیا تو وصول کہاں سے کریں گے؟

آج سوچنے کی بات ہے کہ دینِ اسلام کا وہ آفاقی نظام جو انسان دوست ہے، انسانیت کی ترقی کا راستہ دکھاتا ہے، اس کو عقلی اور منطقی بنیادوں پر ہم مسلمان خاص طور پر اور دنیا بھر کے انسان اس پر سوچیں غور و فکر کریں، اپنے رویے بدلیں اپنی اجتماعیت کو اور اپنے ملک اور قوم کو صحیح راستے پر گامزن کرنے کے لیے کردار ادا کریں۔

و آخر دعوانا أن الحمد لِلّٰه ربّ العالمین.

☆

www.rahimia.org

حوالہ جات وحواشی

تقدیم

1۔ جمعیت علمائے ہند کا چودھواں سالانہ اجلاس، زیرِ صدارت: شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، بمقام محمود نگر دہلی، منعقدہ مؤرخہ: ۲۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ / 4؍مئی 1945ء۔ جمعیت علمائے ہند؛ دستاویز مرکزی اجلاس ہائے عام، مرتبہ: پروین روزینہ، ج: 2، ص: 818-819، طبع: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد۔

2۔ مجالس حضرت رائے پوری قدس سرہٗ، ملفوظات قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، 1946ء تا 1951ء، جمع کردہ: مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری مرحوم، تلخیص: حافظ غلام فرید، نظر ثانی: مولانا عبدالجلیل صاحب برادر زادہ حضرت اقدس رائے پوریؒ، ص: 490، طبع: مکتبہ سیّد احمد شہید، الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔

3۔ مکتوب حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ، بنام: حضرت مولانا حسین احمد علویؒ، مکتوب نمبر 3، بتاریخ: 29؍ جون 1989ء، طبع: سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی'' لاہور، جولائی تا ستمبر 2015ء، ج: 7، شمارہ: 3، ص: 12۔

4۔ مکتوب حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ، بنام: مولانا اسحاق علی شاہ (جنوبی افریقا)، مکتوب نمبر 1، بتاریخ: ۱۵؍ رمضان ۱۴۲۲ھ / یکم؍ دسمبر 2001ء، طبع: سہ ماہی مجلّہ ''شعور وآگہی'' لاہور، شمارہ: جنوری تا مارچ 2016، ج: 8، شمارہ: 1، ص: 63-62۔

5۔ کلماتِ طیبات؛ فکر اسلامی کی تشکیلِ جدید، از مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، ص 51، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔

مقالہ 1۔ معاشیات کی اصطلاحات اور معاشی نظاموں کا جائزہ

6۔ 7-الاعراف: 10۔

www.rahimia.org

7۔ نیز مفسرین نے لکھا ہے کہ: معایش ”مَعِیْشَۃٌ“ کی جمع ہے اور یہ عاش یعیش عیشًا و معیشۃً کا مصدر ہے اور معیشت اصل میں مَعْیِشَۃٌ بروزنِ مَفْعِلَۃٌ ہے۔ یاء پر زیر پڑھنا مشکل تھا، اس لیے اُسے عین کی طرف منتقل کردیا مَعِیْشَۃٌ ہوگیا۔ لیکن جب معیشۃ کی جمع معایش آئی تو یاء کا کسرہ واپس اصل جگہ پر آ گیا۔
(تفسیر ابن عطیہ اُندلسی ”المحرّر الوجیز فی تفسیر کتاب اللّٰہ العزیز“۔ ص:686 و تفسیر ابن کثیر۔ ص:786۔ طبع: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

8۔ 2-البقرہ: 29۔

9۔ إیضاح الأدلّہ، از حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، ص: 68، طبع: دیوبند۔

10۔ 62-الجمعہ: 10۔

11۔ تفسیر القرآن العظیم، المعروف بتفسیر ابن کثیر، للإمام عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن کثیرؒ، طبع: بیروت، لبنان۔

12۔ الجامع الصّحیح للبُخاری، کتاب الإجارۃ، باب رَعْیِ الغنم علٰی قراریط، حدیث: 2262۔

13۔ الجامع الصّحیح للبُخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عملہ بیدہ، حدیث نمبر 2072، و فتح الباری، کتاب البیوع، ج1، ص278۔

14۔ عن عائشۃ. شعب الإیمان للبیھقی. حدیث: 1233. دار الکتب العلمیہ. بیروت.

15۔ دیکھیے المنجد۔ مادہ ”عاش“، ”قصد“۔

16۔ کتابِ معاشیات، از قیصر منظور علی شیخ، ج:1، ص:7، طبع: کراچی۔

17۔ اقتصادیات کے ابتدائی اصول، مصنفہ محمد حسین، ص:1، مطبوعہ: حیدر آباد، مئی 1958ء۔

18. مقدمہ ابن خلدون. الباب الخامس فی المعاش. الفصل الثانی فی وجوہ المعاش. ص: 408، طبع: دار الکتب العلمیۃ، بیروت.

19۔ البُدور البازغہ، تصنیف: امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، مع شرح النجوم السّاطعۃ، از راقم عبدالخالق آزاد رائے پوری، ج:1، فصل: 6، ص: 447، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2023ء۔
اور دیکھیے! حُجّۃ اللّٰہ البالغہ، باب فنّ آداب المعاش، ج:1، ص: 129۔

20۔ تفصیل کے لیے دیکھیے! دولتِ اقوام (The Wealth of Nation)، از ایڈم سمتھ۔

21۔ اقتصادیات کے ابتدائی اصول، ص:25۔

www.rahimia.org

22۔ ایضاً۔

23۔ ایضاً۔

24۔ ایضاً،ص:24۔

25۔ معاشیات نویں دسویں،ص:12،مطبوعہ: سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، حیدرآباد، سندھ۔

26۔ ایضاً،ص:6۔

27۔ ایضاً،ص:8۔

28۔ 11- ہود: 6۔ نیز آیت هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ (2- البقرہ: 29)۔ اور اس کی تفسیر جو شیخ الہندؒ نے فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو "**إيضاح الأدلّه**"،ص:68،طبع: دیوبند۔

29۔ معاشیات نویں دسویں، ایضاً،ص:13۔

30۔ ایضاً۔ص:15۔

31۔ جہاں تک گزشتہ ادوار میں "لگان" کی صورت میں زمین کے معاوضے کے وصول کرنے کا معاملہ ہے، اس کی حقیقت صرف یہ ہے کہ جب انسانی زندگی اپنے ارتقا کے تیسرے مرحلے "ارتفاقِ ثالث" میں داخل ہوئی تو قدرتی وسائل (زمین) کی حفاظت، اس کی تعمیر وترقی اور قوم کے افراد میں اس کی تقسیم کا اختیار قومی حکومتوں کے پاس آ گیا۔ چناں چہ حکومتیں اپنی حفاظتی محنت (افادۂ حفاظت) کے سبب سے ان کی مالک قرار پائیں۔ غالبًا اسی پسِ منظر میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے زمین کو عاملینِ پیدائشِ دولت میں شمار کیا ہے کہ اس کا حصہ اسلامی حکومت بہ صورتِ خراج / عشر حاصل کرتی ہے۔حکومتوں نے "زمین" کو کاشت کاری یا دیگر مقاصد کے لیے انسانوں کو مفت یا معاوضہ لے کر عطا کرنے کا اختیار استعمال کیا۔ اگرچہ ان زمینوں پر افراد کی اجتماعیت کام کرتی تھی، لیکن حکومتیں اپنی مملکت میں واقع زمین اور قدرتی وسائل کی سیکیورٹی اور تحفظ کی ذمہ دار تھیں۔ اس حوالے سے "زمین" قدرتی حالت میں نہیں رہی، بلکہ جدید معاشیات کی اصطلاح کے مطابق بھی "سرمایہ" قرار پاتی ہے۔ اس لیے اب اس صورت میں زمین کو الگ سے عامل پیدائش دولت قرار دینا درست نہیں، بلکہ معاشیات کی جدید اصطلاح کے مطابق یہ "سرمایہ" یا "منجمد محنت" کی شکل اختیار کر گئی ہے۔

32۔ داس کیپٹل، کارل مارکس، ج:2،ص:31،مطبوعہ: انجمن ترقی اردو، کراچی، پاکستان۔

33۔ ابتدائی معاشیات، سین اینڈ داس،ص:330،طبع: سیّد اینڈ سیّد، ٹیمپل روڈ، کراچی، 1962ء۔

34۔ معاشیات،ص:71-70، سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ۔

www.rahimia.org

35۔ 28-القصص:58۔

36۔ 20-طٰہٰ:124۔

37۔ 16-النحل:112۔

38۔ البُدور البازغہ، مع شرح النجوم السّاطعة، المقالة الأولیٰ، ج:1،فصل:6، ص:447۔

39۔ الجامع الصّحیح للبخاری، حدیث: کتاب الأدب، باب حسن الخُلق الخ، حدیث: 6036۔

40۔ الجامع الصحیح للبُخاری، کِتَاب الزَّکَاة، بَابُ الصَّدَقَةِ بِالْیَمِینِ، حدیث: 1424۔

41۔ 15-الحجر:20۔

42۔ حُجّةُ اللّٰه البالغه، تصنیف: امام شاہ ولی اللّٰہ دہلویؒ، حقّقه و علّق علیه: مولانا سعید احمد پالن پوریؒ، مِن أبواب ابتغاء الرّزق، ج:2،ص:274،طبع: مکتبہ حجاز، دیوبند۔

43۔ البُدور البازغة، المقالة الأولیٰ، فصل: 6، ج: 1، ص: 448۔

44۔ ایضاً۔

45۔ ایضاً۔

46۔ ایضاً،فصل: 19، ج: 1، ص: 567۔

47۔ ایضاً،فصل: 4، ج: 1، ص: 430۔

48۔ حُجّةُ اللّٰه البالغة، باب فنّ المعاملات، ج: 1، ص: 136۔

49۔ ایضاً۔

50۔ ایضاً۔

51۔ ایضاً۔

52۔ ایضاً۔

53۔ أخرجه الطّبرانی 13/215، مشکاة، حدیث: 2783۔

54۔ حاشیة الشهاب علٰی تفسیر البیضاوی۔

55۔ السُّنن لابن ماجة، کتاب الرّهون، بَابُ: أَجْرِ الْأُجَرَاءِ، حدیث: 2443۔

56۔ کتاب الخراج، از امام قاضی ابویوسفؒ، ص 45، طبع: بیروت۔

www.rahimia.org

57۔ **الجامع الصّحیح للبخاری، کِتَاب الْبُیُوعِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ بَاعَ حُرًّا، حدیث:** 2227۔

58۔ **البدور البازغة، المقالة الأولیٰ، ج: 1، فصل: 9، ص: 491۔**

59۔ ایضاً،ص: 492۔

60۔ ایضاً۔

61۔ حجۃ اللہ البالغہ، ابواب الزکوٰۃ، ج:2،ص: 118 تا 120 **ملخصًا۔**

62۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص: 700۔701۔

62۔ **البدور البازغة، المقالة الأولیٰ، ج: 1، فصل: 9، ص: 492۔**

63۔ ایضاً۔

64۔ ایضاً۔ ص: 93-492۔

65۔ اسلام کا اقتصادی نظام،ص: 264،طبع: ادارہ اسلامیات، لاہور۔

66۔ اسلام اور جدید معیشت وتجارت، از مولانا تقی عثمانی،ص: 38، طبع: ادارۃ المعارف، کراچی۔ اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں یہ بات موجود تھی۔موجودہ ایڈیشن میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے۔

67۔ خطبات ومقالات، ازمولانا عبیداللہ سندھیؒ،ص:486،طبع: مکی دارالکتب، لاہور۔

68. **حُجّة اللّٰه البالغه، باب اقامة الارتفاقات و إصلاح الرّسوم، المبحث السّادس،** ج:1،ص:221،طبع: قاہرہ۔

69۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے ''اسلام کا زرعی نظام''، از مولانا محمد تقی امینی،ص:102 تا 108،طبع: مکتبہ امدادیہ، ملتان۔

70۔ نظامِ معیشت اور اسلام، از ڈاکٹر احمد حسین کمال،ص:53-52،طبع: طیب پبلشرز، لاہور۔

71۔ ابتدائی معاشیات، سین اینڈ داس،ص:330،طبع: کراچی۔

72۔ اسلام کا معاشی نظریہ، از محمد مظہر الدین صدیقی،ص:19،طبع: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور۔

73۔ اسلام کا اقتصادی نظام، از مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ،ص:78-677، طبع: ادارۃ الانور، کراچی۔

74۔ نظامِ معیشت اور اسلام، ڈاکٹر احمد حسین کمال،ص:61 تا 63۔

75۔ اسلام کا معاشی نظریہ،ص:24۔

76۔ اسلام کا اقتصادی نظام،ص:684۔

www.rahimia.org

مقالہ 2۔ قرآنی اُصولِ معاشیات

77۔ اسلام کا اقتصادی نظام، از حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، اصولِ معاشیات قرآن عزیز کی روشنی میں، ص: 32-31، طبع: ادارہ اسلامیات، 19- انارکلی، لاہور۔

78۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "**عن حارثة بن وهبؓ، قال: سمعتُ النّبیَّ ﷺ يقول: "تصدّقوا، فإنّه يأتی عليكم زمانٌ، يمشی الرّجل بصدقته فلا يَجِدُ مَن يقبَلُها، يقولُ الرّجُل: لو جئتَ بها بالأمس لَقَبِلْتُها، فأمّا اليوم فلا حاجة لِی بها".**

(**الجامع الصّحيح للبُخاری، كتاب الزّكاة، باب الصّدقة قبل الرّد، حديث: 1411**)

(حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ: میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا کہ: "صدقہ کرو! ایک ایسا زمانہ بھی تم پر آنے والا ہے جب ایک شخص اپنے مال کا صدقہ لے کر نکلے گا اور کوئی اسے قبول کرنے والا نہیں پائے گا۔ آدمی کہے گا کہ اگر تم کل لے آتے تو میں اُسے قبول کرلیتا، لیکن آج مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے"۔)

79۔ 50-قٓ: 30۔ (ترجمہ شیخ الہندؒ)

80۔ ترجمان القرآن، از مولانا ابوالکلام آزادؔ، ج:2، ص132، طبع: مقبول اکیڈمی، لاہور۔

81۔ 11- ہود: 6۔

82۔ 51- الذاریٰت: 22۔

83۔ 17- بنی اسرائیل: 31۔

84۔ 27- النمل: 64۔

85۔ 51- الذاریٰت: 58۔

86۔ 15- الحجر: 20۔

87۔ 2- البقرہ: 29۔

88۔ 41- حٰم السجدہ: 10۔

89۔ 16- النحل: 71۔

90۔ تفسیر "**روح المعانی**" کی اصل عبارت درجِ ذیل ہے:

"**و جوّز أن يكون معنی الآية: "إنّ الله تعالیٰ فضّل بعضًا علیٰ بعضٍ فی الرّزق". و أنّ المفضَّلين لا يَرُدّون مِن رزقِهم علیٰ مَن دونهم شيئًا، و إنّما أنا رازِقُهم،**

www.rahimia.org

فالمالکُ و المملوک فی أصل الرّزق سواءٌ، و إن تفاوتا کَمًّا و کَیْفاً".
(روحُ المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و سبع المثانی، سورۃ النّحل، ج: 14، ص: 74-273، طبع: دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

91۔ الجامع الصّحیح للبُخاری، متفق علیه، حدیث: 30۔

92۔ تفسیر "کشّاف" کی اصل عبارت درجِ ذیل ہے:

"أی: جعلکم مُتفاوِتِین فی الرّزق، فرزقکم أفضل مِمّا رُزِق مَمالیکُکم، و هم بشرٌ مثلکم و إخوانُکم، و کان ینبغی أن ترُدّوا فضلَ ما رزقتموهُ علیهم، حتّٰی تتساوَوا فی المَلْبَس و المَطْعَم، کما یُحکٰی عن أبی ذرّ رضی اللّٰه عنهُ أنّه سمع النّبیَّ ﷺ یقول: "إنّما هم إخوانُکم، فاکسوهم مِمّا تَلبَسون، و أطعِمُوهم مِمّا تُطعِمون". فما رُئِیَ عبدُہ بعد ذٰلک إلّا و رِداؤہ رِداؤہ، و إزارُہ إزارُہ مِن غیر تفاوُتٍ". (الجامع الصّحیح للبُخاری، متفق علیه، حدیث: 30)

و قیل: المعنٰی أنّ الموالی و الممالیک أنا رازِقُهم جمیعًا، فهم فی رزقی سواءٌ، فلا تحسبنّ الموالِی أنّهم یَرُدّون علٰی مَمالیکهم مِن عندهم شیئًا مِن الرِّزق، فإنّما ذٰلک رزقی أجریه إلیهم علٰی أیدیهم".
(تفسیر کشّاف للزّمخشریؒ، تفسیر سورت النحل، آیت: 71)

93۔ اصل عبارت درجِ ذیل ہے:

"و قرأ أبوبکر عن عاصم و أبو عبد الرّحمٰن و الأعرج أفبنعمة اللّٰه تجحدون".
و یکون المعنی علٰی قرأة الخطاب أنّ المالکین لیسوا برادّی رزقهم علٰی ممالیکهم، بل أنا الّذی أرزقهم و إیّاهم، فلا یظنّوا أنّهم یعطونهم شیئًا، و إنّما هو رزقی أجریه علٰی أیدیهم، و هم جمیعاً فی ذٰلک سواء، لا مَزیّةَ لهم علٰی ممالیکهم، فیکون المعطوفُ علیه المقدَّر، یُناسِب هٰذا المعنٰی، فیقال: لا یفهمون ذٰلک فیجحدون نعمة اللّٰه". (البحر المحیط، از امام ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی غرناطی، ج: 5، سورت النحل۔ وتفسیر فتح القدیر از امام محمد بن علی شوکانی، ج: 3، 47-246، طبع: لجنة التحقیق و البحث العلمی بدار الوفاء)

94۔ اصل عبارت درجِ ذیل ہے:

"أفبنعمة اللّٰه تجحدون": و یکون المعنٰی علٰی قرائة الخطاب أنّ المالکین

www.rahimia.org

لیسوا برآدِّی رزقهم علٰی ممالیکهم، بل أنا الّذی أرزقهم و إیّاهم، فلا یظنُّوا أنّهم یعطونهم شیئًا، و إنّما هو رزقی أجریه علٰی أیدیهم، و هم جمیعًا فی ذٰلک سواءٌ لا مزیّةَ لهم علٰی ممالیکهم، فیکون المعطوفُ علیه المقدر فعلاً یُناسِب هٰذا المعنٰی کأن یقال: لا یفهمون ذٰلک، فیجحدون نعمةَ اللّٰه"۔
(تفسیر "فتح القدیر" از علامہ شوکانیؒ، تفسیر سورت النحل، آیت: 71)

95۔ 2-البقرہ: 29۔

96۔ إیضاح الأدِلّه، از حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، ص: 68، طبع: دیوبند۔

97۔ المُحلّٰی، از علامہ علی بن احمد الحزم، ج:6، ص: 87-157، طبع: دارالجیل، بیروت۔

98۔ ایضاً، ج:6، ص:158۔

99۔ ایضاً، ج:6، ص: 158، و کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف، ص 50، طبع: بیروت۔

100۔ المُحلّٰی، ج:6، ص:158۔

101۔ ایضاً۔

102۔ اصل عبارت درج ذیل ہے:

"و فُرِضَ علی الأغنیاء مِن أهل کلِّ بَلَدٍ أن یقوموا بِفُقَراء هم و یُجبِرُهم السُّلطان علٰی ذٰلک، إن لّم تقُمُ الزّکواتُ بهم، و لا فی سائر أموال المسلمین بهم، فیُقامُ لهم بما یأکلون مِن القُوت الّذی لا بُدّ منهُ، و مِن اللّباس لِلشِّتاء و الصَّیف بمثل ذٰلک، و بِمَسْکَنٍ یُکِنُّهم مِن المَطر، و الصَّیف، و الشّمس، و عُیُون المارّة." (ایضاً)

103۔ 90-البلد: 10۔

104۔ کتاب الخراج، از امام قاضی ابو یوسفؒ، ص 45، طبع: بیروت۔

105۔ ایضاً۔

106۔ ایضاً۔

107۔ ایضاً، ص 50۔

108۔ 43-الزخرف: 32۔

109۔ 13-الرعد: 26۔

110۔ 6-الانعام: 165۔

www.rahimia.org

111۔ 16-النحل:71۔

112۔ سنن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الانتصار برذل الخیل و الضّعفة، حدیث:2594۔

113۔ 9-التوبہ:34-35۔

114۔ 59-الحشر:7۔

115۔ 9-التوبہ:60۔

116۔ 2-البقرہ:43۔

117۔ 21-الانبیاء:73۔

118۔ 63-المنافقون:10۔

119۔ 2-البقرہ:195۔

120۔ تفسیر ابن کثیر، سورہ توبہ (آیت "و الّذین یکنزون الذّهب" کے ذیل میں)۔

121۔ اسلام کا اقتصادی نظام، از حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ؛ اصولِ معاشیات قرآن عزیز کی روشنی میں، ص:51 تا 54، طبع: مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور۔

122۔ صحیح مسلم، کتاب المساقات، باب تحریم الاحتکار فی الأقوات، حدیث: 4122۔

123۔ سنن ابن ماجه، کتاب التّجارات، باب الحُکرة و الجَلَب، حدیث:2153۔

124۔ ایضاً، حدیث:2155۔

125۔ مسند احمد، مسند ابی ہریرۃ، حدیث:8617۔

126۔ 2-البقرۃ:219۔

127۔ 5-المائدۃ:90۔

128۔ 5-المائدۃ:91۔

129۔ حُجّةُ اللّٰهِ البالِغة، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ج:2، باب مِن ابواب ابتغاء الرزق، ص:274-273، طبع: مکتبہ حجاز، دیوبند۔

130۔ دائرۃ المعارف، از فریدی وجدی، ج:7، ص:944-943، طبع: بیروت۔

131۔ اسلام کا اقتصادی نظام؛ تجارتی بدعنوانیوں کا انسداد، ص:262 تا 265۔

132۔ 2-البقرہ:275۔

www.rahimia.org

133۔ 2-البقرہ: 276۔

134۔ 5-المائدہ: 90۔

135۔ 83-المطفّفین: 3-1۔

136۔ 26-الشعراء: 182۔

137۔ 4-النساء: 29۔

138۔ حُجَّةُ اللّٰه البالغة، ج:2،ص 74-273۔

139۔ ایضاً،ص 274۔

مقالہ 3۔ چہل (۴۰) حدیث

140۔ 90- البلد: 4.

141۔ الجامع للترّمذی، کتابُ الْعِلْمِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ، باب مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى تَبْلِيغِ السَّمَاعِ، حديث: 2656، وأبو داود، حديث 3660، و ابن ماجه، حديث: 230.

142۔ رواه أبو نعيم بنحوه، عن ابن عباس وابن مسعود .وأخرجه ابن الجوزی عن أنس، وعلی، ومعاذ، وأبی هريرة، وغيرهم .ورواه ابن عدی عن ابن عبّاسؓ، أخرجه ابن النّجار فی تاريخه عن أبی سعيد الخدریؓ.

143۔ کلماتِ طیبات فکرِ اسلامی کی تشکیل جدید،ص51،مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔

144۔ الجامع الصّحيح للبُخاری، كتاب البيوع، باب كسب الرجل و عمله بيده، حديث نمبر 2072. فتح الباری، كتاب البيوع، ج1، ص278.

145۔ الجامع الصّحيح للبُخاری، كتاب الإجارة، باب رَعْيِ الغنم علٰى قراريط، حديث: 2262

146۔ رواه البيهقی فی كتاب الإجارة. ج: 6، ص: 118، كنزُ العُمّال. ج: 3، ص: 904.

147۔ مسند أحمد، مسنَد المكثِرِينَ مِنَ الصَّحَابَةِ، مسنَد اَبِی سَعِيد الخدرِیِّ رَضِیَ اللّٰه تَعَالَی عَنه، حديث: 11918، و السّنن الكبرٰی للنّسائی، حديث: 11262.

148۔ مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، حديث: 2989، اخرجه ابن ماجة. باب

www.rahimia.org

إجارة الأجير علٰى طعام بطنه. من ابواب الرهون، حديث: 2444

149۔ الجامع الصّحيح للبُخارى، كتاب البيوع، باب كسب الرجل و عمله بيده، حديث 2073.

150۔ الصّحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب مِن فضائل زكريا عليه السلام، حديث: 6162

151۔ قصص الأنبياء للإمام ابن كثيرؒ، ص: 576.

152۔ رواه حاكم فى مستدركه، كتاب تواريخ المتقدِّمين مِن الأنبياء و المرسلين، ذكر حِرَفِ الأنبياء عليهم السّلام، ج: 2، ص: 452، حديث: 4207.

153۔ الجامع الصّحيح للبُخارى، كِتَاب أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ، بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِى إِسْرَائِيلَ، حديث: 3459.

154۔ الجامع الصّحيح للبُخارى، كتاب البيوع، باب كسب الرّجل و عمله بيده، حديث 2071.

155۔ أيضًا، حديث 2070.

156۔ الجامع الصّحيح للبُخارى، كِتَاب الشُّرْبِ والْمُسَاقَاةِ،بَابُ بَيْعِ الْحَطَبِ وَالْكَلإِ،حديث نمبر 2374.

157۔ أدب الدنيا و الدّين للإمام أبى الحسن على بن محمد بن حبيب البصرى الماوردىؒ، فصل فى البِرّ، ص: 215، طبع: دارالكتب العلميه، بيروت، لبنان.

158۔ الجامع الصّحيح للبُخارى، كتاب النَّفَقات، باب فضل النّفقة على الأهل، حديث: 5353، و رواه ابن ماجه فى باب الحثّ على المكاسب. مِن أبواب التّجارات، حديث: 2140 (ترقيم فواد عبد الباقى)

159۔ مسند احمد، مسند أبى هريرة، حديث: 8412.

160۔ الجامع للتّرمذى، كتاب الأحكام عن رسولِ اللّٰه ﷺ، باب مَا جَاءَ أَنَّ الْوَالِدَ يَأْخُذُ مِنْ مَالِ وَلَدِهِ، حديث: 1358، و رواه النسائى و ابن ماجه و فى رواية ابوداؤد و الدارمى ”أن اطيب ما اكل الرجل من كسبهٖ و أنّ ولدهٗ من كسبهٖ. مشكٰوة شريف. باب الكسب و طلب الحلال. الفصل الثانى، حديث: 2770.

161۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِى شعب الْإِيمَان، حديث: 8467، مشكاة المصابيح، كتاب

www.rahimia.org

البیوع، باب الکسب و طلب الحلال، حدیث نمبر: 2781.

162۔ السُّنن لابن ماجة، کتاب الرّھون، بَابُ: أَجْرِ الْأُجَرَاءِ، حدیث: 2443.

163۔ الجامع الصّحیح للبخاری، کِتَاب الْبُیُوعِ، بَابُ إِثْمِ مَنْ بَاعَ حُرًّا، حدیث: 2227.

164۔ السّنن لابن ماجة، کتاب الرّھون، بَابُ: أَجْرِ الْأُجَرَاءِ، حدیث: 2442.

165. الجامع الصحیح للبخاری، کِتَاب الْإِجَارَةِ، بَابُ مَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِیرًا فَتَرَکَ أَجْرَهُ، فَعَمِلَ فِیهِ الْمُسْتَأْجِرُ فَزَادَ، أَوْ مَنْ عَمِلَ فِی مَالِ غَیْرِهِ فَاسْتَفْضَلَ، حدیث: 2272.

166۔ أخرجه الطّبرانی 13/215، مشکاة، حدیث: 2783.

167۔ مشکاة المصابیح، کتاب الزّکاة، باب مَن لا تحلّ له المسئلة و مَن تحل له، حدیث: 1851، و رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، حدیث: 1641، وَ رَوَى ابْن مَاجَة، حدیث: 2198 إِلٰی قَوْله: "یَوْمِ الْقِیَامَة".

168۔ السّنن لابن ماجة، کتاب التّجارات، باب الحثّ علی المَکاسِب، حدیث: 2138، و مسند احمد، حدیث: 17190

169۔ المعجم الصّغیر للطّبرانی، و رجاله رجال الصحیح، باب المیم، حدیث: 939، و فی الترغیب و الترهیب فی الاکتساب. کتاب البیوع. ص: 332. جدید نسخه مطبوعه لبنان. ج: 2. ص: 524.

170۔ رواه الطّبرانی فی الکبیر و البیهقی. و الترغیب، کتاب البیوع. کنز العمال، ج: 4، ص: 10.

171۔ راوه الطبرانی فی الأوسط. و الاصبهانی من حدیث ابن عباس. الترغیب، کتاب البیوع، الترغیب فی الاکتساب. ص: 333، کنزُ العُمّال. ج: 4، ص: 7.

172۔ السُّنن للنَّسائی، کتاب البیوع، باب الحثّ علی الکَسْبِ، حدیث: 4454، و أخرجهٗ الدارمی و لفظهٗ: "أن أحق ما أکل الرجل من أطیب کسبهٖ و أن ولده من أطیب کسبهٖ." باب فی الکسب و عمل الرجل بیدهٖ.

173۔ السُّنن لابن ماجة، کتاب الرّھون، باب إجارة الأجیر علٰی طعام بطنه، حدیث: 2445.

174۔ السُّنن لابن ماجة، کتاب الرّھون، باب الرّجل یستقی کلَّ دلوٍ بتمرة و

www.rahimia.org

يشترط جَلدةً، حديث: 2446.

175۔ أيضًا، حديث: 2447.

176۔ أيضًا، حديث: 2448.

177۔ الجامع الصّحيح للبُخارى، كِتَاب الزَّكَاة، بَابُ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَة، حديث: 1416.

178۔ 19- مريم: 77.

179۔ الجامع الصّحيح للبُخارى، كِتَاب الْإِجَارَةِ، بَابُ هَلْ يُؤَاجِرُ الرَّجُلُ نَفْسَهُ مِنْ مُشْرِكٍ فِى أَرْضِ الْحَرْبِ، حديث: 2275

180۔ الجامع الصّحيح للبُخارى، كِتَاب الْبُيُوعِ، بَابُ مَا قِيلَ فِى الصَّوَّاغِ، حديث: 2089، و أخرجه أيضًا فى اللباس، و فى الخمس. و أخرجه المغازى و فى الشرب، و أخرجه مسلم فى الأشربة، و أخرجه ابوداؤد فى الخراج.

181۔ الجامع الصّحيح للبُخارى، كِتَاب الْبُيُوعِ، بَابُ ذِكْرِ الْخَيَّاطِ، حديث: 2092.

182۔ الجامع الصّحيح للبُخارى، كِتَابُ الْإِجَارَةِ، باب خِراج الحَجّام، حديث: 3423.

183۔ السُّنن لأبى داؤد، كِتَابُ الْإِجَارَةِ، باب فِى كَسْبِ الإِمَاءِ، حديث: 3426، المستدرك للحاكم، ج: 2، ص: 36، حديث: 2300، طبع: دار الكتاب العربى، لبنان، ۱۴۲۹ھ / 2008ء

184۔ رواه عبد الرّزّاق فى مصنفه، كتاب الجامع، باب الزّرع، حديث: 21005.

185۔ الجامع الصّحيح للبُخارى، كِتَاب الْمُزَارَعَةِ، بَابُ فَضْلِ الزَّرْعِ وَالْغَرْسِ إِذَا أُكِلَ مِنْه، حديث: 2320

186۔ رواه الديلمى فى مسنده الفردوس. ج: 5، ص: 414، و كنز العُمّال. ج: ۴، ص: 33.

مقالہ 4۔ سرمایہ اور محنت میں عادلانہ توازن

187۔ ابتدائی معاشیات، از سین اینڈ داس، ص 330، نیز عوامل پیدائش دولت کی بحث بھی اسی کتاب کے متعلقہ صفحات پر دیکھی جاسکتی ہے۔

188۔ 5- المائدہ: 2۔

www.rahimia.org

189۔ حُجَّةُ اللّٰہ البالغہ، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، من ابواب ابتغاء الرّزق، ج:2،ص 74-273،طبع: مکتبہ حجاز، دیوبند۔

190۔ ایضاً۔

191۔ ایضاً۔

192۔ ایضاً۔

193۔ ایضاً۔

194۔ ایضاً۔

195۔ ایضاً۔

مقالہ 5۔ دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر واہمیت

196۔ کلماتِ طیبات فکر اسلامی کی تشکیل جدید،ص51،مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔

197۔ 62-الجمعہ:10۔

198۔ 53-النجم:39۔

199۔ 2-البقرہ:267۔

200۔ تفسیر الکبیر للإمام الرازی، ص87، ج7، طبع دار الکتب العلمیہ، طهران۔

201۔ حُجّة اللّٰہ البالغہ، من أبواب ابتغاء الرّزق، باب البیوع المنهی عنها، ص: 281، ج:2۔

202۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عمله بیده، حدیث نمبر 2072۔ فتح الباری، کتاب البیوع، ج1،ص278۔

203۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، للإمام ابن حجر الشّافعیؒ، ج:4،ص306۔

204۔ صحیح بخاری، کتاب الإجارات، باب رعی الغنم علیٰ قراریط، حدیث 2262۔

205۔ دیکھئے صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث: 3۔

206۔ المبسوط للسّرخسی، ج:2،ص:22۔

207۔ مجمع الزوائد، للإمام بیهقیؒ، کتاب الکسب و التّجارة، ج:4۔

208۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرّجل و عمله بیده، حدیث 2071۔

209۔ الجامع الصحیح للبخاری، کتاب العلم، باب حفظ العلم، حدیث: 118۔

www.rahimia.org

210۔ ایضاً، حدیث 2070۔

211۔ السُّنن لابن ماجة، کتاب الرّھون، بَابُ: أَجْرِ الْأُجَرَاءِ، حدیث: 2443۔

212۔ أخرجه الطّبرانی 13/215، مشکاۃ، حدیث: 2783، مسند احمد الرّسالة 502/28۔

213۔ حاشیة الشھاب علیٰ تفسیر البیضاوی.

214۔ صحیح البخاری، کتاب الإجارۃ، باب إثم من منع أجر الأجیر، حدیث 2270۔

215۔ الذریعه الی مکارم الشریعة، علام راغب اصفہانی، الباب الخامس وجوب التکسب، ص: 200، مطبوعہ مصر۔

216۔ الجامع الصّحیح للبُخاری، کتاب العلم، باب التّناوُب فی العلم، حدیث: 89۔

217۔ عمدۃ القاری شرح البخاری، کتاب العلم، باب تناوب العلم، ج: 2، ص: 157، طبع: دار الکتب العلمیه بیروت۔

218۔ تفصیلات کے لیے الفوائد البھیه اور کتاب الأنساب للسّمعانی کا مطالعہ کریں۔

219۔ کنز العُمّال: ج: 3، ص: 842، ح: 4336، نقلاً عن ابن عساکر وکلّھا عن أنس۔

220۔ الذّریعه إلیٰ مکارم الشّریعه، ص: 201۔

221۔ ایضاً۔

222۔ البدور البازغة مع شرح النّجوم السّاطعة، المقالة الأولیٰ، ج: 1، فصل: 8، ص: 488۔

223۔ البدور البازغة، ج: 1، ص: 90-489۔

224۔ حُجّة اللّٰه البالغة، باب ذکر العَورات، ج: 2، ص: 328۔

225۔ علمائے ہند کا شان دار ماضی، از مولانا سیّد محمد میاںؒ، ج: 2، ص: 8-7، طبع: مکتبہ رشیدیہ، پاکستان چوک، کراچی، بحوالہ حجة اللّٰه البالغه، باب سیاسة المدینه، ابواب ابتغاء الرزق، باب الرسوم السائرہ بین الناس، باب اقامة الارتفاقات و اصلاح الرسوم، و باب ضبط المبھم، باب البیوع المنھی عنھا، باب الارتفاق الرابع، البدور البازغه، مبحث الارتفاق الثالث اور الخیر الکثیر۔

www.rahimia.org

مقالہ 6۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نظریۂ معیشت

226۔ 7-الاعراف:10۔

227۔ عن عائشةؓ، شعب الإيمان للبيهقي. حدیث نمبر:1233، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

228۔ روى البيهقي في شعب الإيمان.

229۔ ہمعات، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ہمعہ نمبر 17، ص 96، طبع: شاہ ولی اللہ اکیڈمی، سندھ۔

230۔ البُدور البازغه مع شرح النّجوم السّاطعة، ج:1، فصل:6، ص:447۔

231۔ 17-بنی اسرائیل:70۔

232۔ 7-الاعراف:10۔

233۔ شیخ الاسلام علی بن ابوبکر برہان الدین مرغینانیؒ ہدایہ میں لکھتے ہیں:

"أنّ الشّركة للمساوات لغة و قد أمكن إثباته بين الكلّ".

اس پر مولانا ابوالحسنات عبدالحیٔ لکھنویؒ حاشیے میں لکھتے ہیں:

"أنّ الشّركة تقتضى المساوات لقوله تعالىٰ: و إن كانوا اكثر من ذٰلك فهم شركاء فى الثّلث" فيستوى فى الثّلث الذّكور و الإناث جميعا".

(ہدایہ محشّٰی، کتاب الوصایا، ج:4، ص:666، طبع: مکتبہ شرکتِ علمیہ، ملتان)

234۔ اسلام کا اقتصادی نظام از حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، ص: 40-39، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور۔

235۔ شاہ صاحبؒ کی اصل عبارت درجِ ذیل ہے:

"فإنّ المفلس يضطرّ إلىٰ التزام ما لا يقدر علىٰ ايفائه، و ليس رضاهٗ رضاً فى الحقيقة، فليس من العقود المرضيّة، و لا الأسباب الصّالحة، و إنّما هو باطل و سحت بأصل الحكمة المدنية."

(حُجَّةُ اللّٰه البالغه، من ابواب ابتغاء الرّزق، ج:2، ص:74-273)

236۔ 83-المطفّفين:3-1۔

237۔ دیکھئے! حواشی "سماجی انصاف اور اجتماعیت" از مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ، ص 163 تا 168، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2019ء۔

238۔ 17-بنی اسرائیل:70۔

www.rahimia.org

239۔ حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه، باب سياسة المدينة، ج:1،ص 141۔

240۔ البُدُورُ البازِغه مع شرح النّجوم السّاطعة، ج:1،فصل:8،ص:488۔

241. المعجم الكبير للطّبرانی، عن كعب بن عجرهؓ، حدیث: 282، کنز العُمّال، از علامه على متقیؒ، حدیث نمبر 9206.

242۔ ادب الدنيا و الدّين للإمام ابوالحسن على بن محمد بن حبيب البصرى الماوردیؒ، فصل فی البِرّ، ص:215،طبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

243. البُدُورُ البازِغه مع شرح النّجوم السّاطعة، ج:1،فصل:8،ص:490۔

244۔ سنن الترمذی، حدیث نمبر 1209.

245۔ قاضی ابو یوسفؒ کی اصل عبارت درجِ ذیل ہے:

”و بقيت بقيّة من المال، فقسّمها بين النّاس بالسّوية علٰى الصّغير و الكبير، و الحُرّ و المملوک، و الذّكر و الاُنثٰى، فخرج علٰى سبعة دراهم و ثلث لكلّ إنسان. فلمّا كان العام المقبل، جاء مال كثير هو أكثر من ذٰلک، فقسّمهٔ بين النّاس، فأصاب كُلّ إنسان عشرين درهماً.“

(کتاب الخراج، از امام قاضی ابو یوسفؒ،ص 45،طبع: بیروت)

246۔ اصل عبارت درجِ ذیل ہے:

”يا خليفة رسول اللّٰه! إنّک قسّمت هٰذا المال فسوّيت بين النّاس، و من النّاس اُناس لهم فضل و سوابق و قدم، فلو فضّلت أهل السّوابق و القدم و الفضل بفضلهم.“ (حوالہ بالا)

247۔ اصل عبارت درجِ ذیل ہے:”أمّا ذكرتم من السّوابق و القدم و الفضل، فما أعرفني بذٰلک، و إنّما ذٰلک شيء ثوابهٔ علٰى اللّٰه جلّ ثنائهٔ، و هٰذا معاش فالاُسوة فيه خير من الأثرة.“ (ایضاً)

248۔ قاضی ابو یوسفؒ کی اصل عبارت یہ ہے:

”و لـمّا رأى المال قد كثر، قال: ”لئن عشت إلٰى هٰذه اللّيلة من قابل، لاُلحقن اُخرى النّاس بأولٰهم حتّٰى يكونوا فى العطاء سواء.“ (ایضاً،ص:50)

249۔ 25-الفرقان:67۔

250۔ شاہ صاحبؒ کی اصل عبارت درجِ ذیل ہے:

www.rahimia.org

”و غالب سبب خراب البُلدان فی هذا الزّمان شیئان:
أحدهما: تضییقهم علیٰ بیت المال، بأن یعتادوا التّکسّب بالأخذ منهم علیٰ أنّهم من الغُزاة، أو من العُلماء الّذین لهم حقّ فیه، أو من الّذین جرت عادت الملوک بصلتهم، کالزّهّاد والشّعراء، أو بوجه من وجوه التّکدّی، و یکون العمدة عندهم هو التّکسّب، دون القیام بالمصلحة، فیدخل قوم علیٰ قوم فینغصون علیهم، و یصیرون کَلًّا علیٰ المدینة.
و الثّانی: ضرب الضّرائب الثّقیلة علٰی الزُّرّاع، و التُّجّار، و المتحرّفة، و التّشدید علیهم، حتّٰی یفضی إلٰی إجحاف المطاوعین و استئصا لهم، و إلٰی تمنّع أولی باس شدید و بغیهم.“
(حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه، باب سیاسة المدینة، ج:1، ص: 41-140)

251۔ شاہ صاحبؒ کی اصل عبارت درجِ ذیل ہے:
”و ما تراه من ملوک بلادک یغنیک عن حکایاتهم، فدخل کلّ ذٰلک فی أصول معاشهم، و صار لا یخرج من قلوبهم إلّا أن تمزّع و تولّد من ذٰلک داء عضال، دخل فی جمیع أعضاء المدینة.“
(حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه، باب إقامة الارتفاقات و إصلاح الرسوم، ج:1،ص:302)

252۔ ایضاً۔

253۔ ایضاً، باب سیاسة المدینة، ج:1،ص 141۔

254۔ 6-الانعام:45۔

255۔ شاہ صاحبؒ کی اصل عبارت درجِ ذیل ہے:
”أنّ القضیة لا محالة إمّا ربط منزلیّ، أو مبادلة، أو معاونة، فإذا فسد باب التّفتیش و التّحقیق فالحکم فکُّ الرّبط، و بقاء کل رجل علٰی ما کان علیه. فإن کان هناک عدوان لأحد علٰی الآخر فقدر العدوان قدر عدل لا وکس و لا رفع.“ (البُدُورُ البازِغه مع النّجوم السّاطعة، ج:1، فصل:12،ص:525)

256۔ مکتوباتِ مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔

257۔ 20-طٰہٰ:124۔

www.rahimia.org

مقالہ 7۔قرضوں کی معیشت اور اس کی تباہ کاریاں

258۔ 2-البقرۃ:245۔

259۔ أخـرجـه البيهـقـى فـى الكُبرٰى، باب كل قرض جرّ منفعة فهو ربًا، (5/ 571) برقم: 10933، طبع: .دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثّالثة، 1424 هـ = 2003م. و أخـرجـه الحارث فى مسنده كما فى المطالب العالية، باب الزجر عـن الـقـرض إذا جرّ منفعة، 7/ 326، برقم: 1440، طبـع: دار العاصمة، دار الغيث، السعودية، الطبعة الأولٰى: 1419هـ. و رواه البُخارى موقوفًا عن عبد اللّٰه بن سلام رضى اللّٰه عنهٗ، حديث: 3814.

260۔ 4-النساء:29۔

261۔ 28-القصص:26۔

262۔ أخـرجـه البيهـقـى فـى الكبرى، باب كلّ قرض جرّ منفعة فهو ربًا، (5/ 571) برقم: 10933، ط .دار الـكـتـب العلمية، بيروت، الطبعة الثّالثة، 1424 هـ = 2003م.

263۔ 3- آلِ عمران: 130

264۔ 2-البقرۃ:275۔

265۔ 2-البقرۃ:275۔

266۔ 2-البقرۃ:275۔

267۔ 2-البقرۃ:275۔

268۔ الـصـحـيـح لـمسـلـم، كتـاب المساقات، باب الصرف و بيع الذهب بالورق نقدا، حديث: 4043۔

269۔ 7-الاعراف:158۔

270۔ سیمینار زیرِاہتمام آئی ٹی یونیورسٹی لاہور، منعقدہ مؤرخہ 20/ دسمبر 2021، بروز جمعرات، خطاب بہ عنوان ''عصری ایجادات کے حوالے سے اسلامی نقطہ نظر کی تشکیل میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفے کی اہمیت''۔ خطاب سننے کے لیے وزٹ کیجیے! رحیمیہ یوٹیوب چینل:

Link: https://www.youtube.com/watch?v=oQuNdipN5WE&t=2273s

www.rahimia.org

مقالہ 8۔ روایتی بینکاری نظام کے نقصانات

271۔ 16-النحل: 112۔

272۔ روی البیھقی فی شعب الإیمان.

273۔ 39-الزمر: 9۔

274۔ 17-بنی اسرائیل: 70۔

275۔ 16-النحل: 90۔

276۔ 5-المائدہ: 8۔

277۔ 4-النساء: 29۔

278۔ ایضاً۔

279۔ 2-البقرہ: 245۔

280۔ دیکھئے: حوالہ نمبر 259۔

281۔ 3- آلِ عمران: 130۔

282۔ 2-البقرہ: 275۔

283۔ 2-البقرہ: 275۔

284۔ صحیح بخاری، حدیث: 2177۔

285۔ صحیح مسلم، حدیث: 4063۔

286۔ 53-النجم: 39۔

287۔ الجامع الصّغیر، ص: 7594۔

288۔ 59-الحشر: 7۔

289۔ دیکھئے! نقش حیات، از شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی، ج: 1، ص: 199، طبع: عزیز پبلی کیشنز، 56- میکلوڈ روڈ، لاہور۔

290۔ نقشِ حیات، از حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، ج: 1، ص: 186، طبع: مکتبہ دینیہ، دیوبند، بحوالہ حکومت خود اختیاری ص: 26۔

☆ ...... ☆ ...... ☆

www.rahimia.org

ہماری مطبوعات

نام کتاب	نام مصنف	محقق، مترجم
قرآنی شعورِ انقلاب (دو جلد) (امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی منتخب سورتوں کی انقلابی تفسیر پر مبنی کتاب)	امام عبیداللہ سندھیؒ	مرتبہ: حضرت مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
المقدمہ فی قوانین الترجمہ و مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن (فارسی)	امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ	مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
تأویلُ الأحادیث مع التَّعلیق الأثیث (عربی)	امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ	تحقیق و شرح: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
اللّمحات مع النَّفَحات (عربی)	امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ	تحقیق و شرح: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
الخَیرُ الکثیر مع الفَیض الکبیر (عربی)	امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ	تحقیق و شرح: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
البُدُورُ البازِغة مع النُّجوم السّاطِعة (عربی)	امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ	تحقیق و شرح: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
فُیُوضُ الحَرَمین مع کُنُوز البلَدَین الکریمَین (عربی)	امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ	تحقیق و شرح: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
القَولُ الجمیل فی بَیانِ سَواءِ السّبیل مع العَون الجَلیل (عربی)	امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ	تحقیق و شرح: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
القَولُ الجمیل فی بَیانِ سَواءِ السّبیل (اُردو) (تصوف کے آداب و اَشغال پر ایک مستند کتاب)	امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ	مترجم: پروفیسر محمد سرور جامعیؒ تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
شعور و آگہی (عادلانہ نظام کی شعوری تشکیل کے تقاضوں کی آگہی مہیا کرتے فکر انگیز مقالات پر مبنی کتاب)	امام عبیداللہ سندھیؒ	مرتب: سیّد مطلوب علی زیدی تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
برصغیر میں تجدیدِ دین کی تاریخ	مولانا عبیداللہ سندھیؒ	مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
المَوقِف فی الفقہ الاسلامی (عربی)	مولانا عبیداللہ سندھیؒ	تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
سرگزشتِ حیات مولانا عبیداللہ سندھیؒ	مولانا عبیداللہ سندھیؒ	مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ (شریعت، طریقت اور سیاست کے حوالے سے روح پرور مجالس کی تلخیص)	انتخاب: مولانا عبداللہ بھکر	جمع کردہ: مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوریؒ تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
سیرتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ	تسہیل: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
سماجی انصاف اور اجتماعیت	مولانا غلام مصطفی قاسمیؒ	تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
روداد برصغیر	شمس القمر قاسمیؒ	مقدمہ: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
سوانح حیات شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ	مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری	حرفِ تعارف: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
خطباتِ ملتان (بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں دیے گئے وقیع علمی خطبات کا مجموعہ)		مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
اسلام کا نظامِ وراثت	مفتی محمد اشرف عاطف	مقدمہ: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی''، لاہور	سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن	مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
ماہنامہ ''رحیمیہ''، لاہور	سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن	مدیرِ اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، ۳۳/اے، کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح)، لاہور

☎ 00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org

info@rahimia.org /rahimiainstitute